حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مقدسہ کی لمحہ بہ لمحہ جامع و مستند داستان

10-189

شاہ اجمیر رحمۃ اللہ علیہ

نواز رومانی

یا خواجہ غریب نواز

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی ۰ پاکستان

شاہ اجمیر رحمۃ اللہ علیہ

سوانح حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ

نواز رومانی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	شاہ اجمیر رحمۃ اللہ علیہ
مصنف	نواز رومانی
اشاعت	جولائی 2005ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z262
قیمت	-[redacted] روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (القرآن)

مالک حقیقی کا سراغ پانے کی امنگ جن نفوس قدسیہ کے دلوں میں چٹکیاں لیتی ہے۔ تائید ایزدی خود ہی ان کا راستہ آسان کر دیتی ہے۔ بلکہ یہ راہی اتنے عظیم ہو جاتے ہیں کہ منزل خود ہی تمام تر تکالیف کو دور کر کے ان کے استقبال کے لئے "چشم ماروشن دل ماشاد" کا مصداق بن جاتی ہے اور آنکھیں فرش راہ کئے، دل کو انتظار میں لگائے، ان کے نشان قدم کے بوسے لینے کیلئے کشاں کشاں چلی آتی ہے۔

عشق رسول اس منزل تک پہنچنے کا قریبی زینہ ہے۔ لیکن اس زینہ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے باپ کی نگہداشت، ماں کی شفقت، بہنوں کی امنگیں، بھائیوں کا پیار، اپنوں کے تعلقات اور غیروں کے آوازے سب کو پس پشت ڈال کر ہی یہ گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے۔

نواز رومانی صاحب نے بھی اسی عشق رسول (نواز صاحب کی ایک تصنیف ہے) کو زینہ بنایا ہے۔ ان کے قلم میں اتنی جولانی آگئی کہ تمام منازل پایاب کرتے ہوئے ایک عاشق رسول (شاہ اجمیر) پر جا رکے۔

عاشق رسول، خلیفہ رسول فی الہند کے تذکرہ جمیلہ پر مجھے چند گونہ مسرت بھی ہو رہی ہے۔ ان سے نسبت جو ہوئی۔ ان کے فیضان کی کرنیں سیال لجپال کے واسطہ سے "بے راہ" (بھیرہ) بستی کے ایک مکین کو ضیاء بار کرتی ہوئی ضیاء الامت بنا دیتی ہیں۔ جن کا چشمہ صافی ضیاء القرآن کی صورت میں سب کے سامنے ہے اور راقم کو اس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

"شاہ اجمیر" ایک ایسے درویش خدامست و مرد خود آگاہ کا سوانحی خاکہ ہے جس نے اپنے من میں ڈوب کر سراغ زندگی کو کیا پایا کہ کئی ڈوبتی کشتیوں کو ساحل آشنا کر دیا۔

یہ ایک ایسے فقیر کا تذکرہ ہے جس نے کئی امیروں کو نواز اتو غریب نواز کہلایا۔ یہ اس داعی الی اللہ کا تذکرہ ہے جس نے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ کو مشعل راہ بنایا۔ جس کے کلام میں نشتر کی سی چبھن نہ تھی لیکن مسحور کن کلام سے سنگ دلوں پر تیغ براں کا سا عمل کیا۔ اور انہیں سکھایا۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے یہ آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

یہ میرے اس مرشد کریم کا تذکرہ ہے جس نے شمع ہدایت روشن کی تو اس سے اقتباس نور کرنے والے، ننگ انسانیت، احسن تقویم کے خوبرو مکھڑے پہ کلنک کا ٹیکہ بنے لوگ، عظمت و رفعت انسانی کے علمبردار بن گئے۔ بادیہ ضلالت میں بھٹکتے پھرتے قافلے روشنی کا مینار بن گئے۔

آسمان تصوف کے اس روشن مہتاب کا تذکرہ ہے جس کی زندگی شمع کی طرح جئیں بزم کہ عالم میں خود جلیں دیدۂ اغیار کو روشن کر دیں۔ کا بے مثل نمونہ تھی۔

اپنے محسن و مرشد کے حالات زندگی پر مشتمل اس تذکرہ کا کیا تعارف کراؤں۔ کہ یہ تو خود میرا تعارف ہے۔ بس یہی التماس ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس پیارے بندہ کا پیار بھرا تذکرہ اتنے پیار سے پڑھیں جتنے پیار سے مؤلف و ناشر نے اسے آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔

اللہ کریم کے کرم سے یقین واثق ہے کہ اپنے محبوب کے اس محبوب بندے کی یاد میں بسر کیئے گئے چند لمحات کو ہی ہمارا سرمایہ زیست بنادے گا اور ہاں اس کے کرم سے یہ بھی تو بعید نہیں کہ یہی سعادت افروز گھڑیاں ہمارے سفینوں کو پار لگادیں۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

طالب دعا

محمد حفیظ البرکات شاہ

انتساب

مرشدنا حضرت فضل شاہ نور والے قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کے نام جنہوں نے مجھ جیسے ناکارہ و آوارہ پتھر کو بھی اپنے فیض خسروانہ سے محروم نہ رکھا' جو آج تک جاری و ساری ہے۔

نواز رومانی

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

حضرت خواجہ معین الدین غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کو اگرچہ اس جہان رنگ و بو سے رخصت ہوئے کئی صدیاں بیت چکی ہیں لیکن یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آج بھی وہ ہمارے اردگرد موجود ہوں۔ گم کردہ راہ مسافروں کے لئے ان کی حیات مقدسہ کا ایک ایک لمحہ مقصد زیست کے حصول کے لئے رہنمائی کا شرف رکھتا ہے۔ منزل مقصود جس کی ابتداء مرشد کامل کی خانقاہ سے ہوتی ہے اور انتہا اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت میں فنا ہو جانا ہے۔

بچپن سے لے کر دم واپسیں تک حضرت خواجہ بزرگ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ جس راستے پر گامزن رہے اس میں عام لوگوں کی طرح بچپن کی شوخیاں' جوانی کی ترنگ اور بڑھاپے کی ہوس و لالچ کا کہیں نام و نشان نظر نہیں آتا۔ آپ جب بچے تھے تو بڑے بوڑھے انہیں بزرگ کہتے تھے کیونکہ ان میں بچوں والی کوئی بات نہ تھی۔ غریب نوازی کا روپہلی تاج بچپن میں ہی ان کے سر اقدس پر رکھ دیا گیا تھا۔ تحصیل علم دینیہ میں شوق و شغف اور بصیرت دیکھ کر وقت کے جید علماء و مشاہیر ان کی توصیف میں رطب اللسان تھے۔ عالم تصور میں وہ ان کو ولئی کامل کے روپ میں دیکھتے تھے۔ خون آشام مناظر نے بھی ان کے پائے اثبات و استقلال میں جنبش تک نہ آنے دی اور وہ جس صراط حق پر گامزن تھے مستقل مزاجی و اولوالعزمی سے اس پر قدم بڑھاتے رہے۔

ایک مرتبہ دنیا نے آکر ان کے حالات کے دروازے پر دستک دی لیکن انہوں نے اس کی جانب نظر التفات نہ کی۔ نظر اٹھا کر نہ دیکھا اور اس سے کنارہ کش رہے۔ اپنے حصے میں ملنے والی جائیداد سے بھی منہ موڑ لیا۔

تحصیل علم کے بعد راہ سلوک پر قدم بڑھایا تو انہماک و لگن کا یہ عالم تھا کہ ہر گام پر اسی کو ملحوظ رکھا اور دوسری تمام اشیاء سے لاتعلق رہے۔ جوانی کے مرغزاروں میں بھی ان کے قلب و نظر تلاش حق میں سرگرداں رہے۔ جہاں کہیں حقیقت کا چراغ روشن دکھائی دیا وہاں پہنچ جاتے تھے اور اپنے حصے کے فیض سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ رخ سیدھا تھا لہٰذا منزل کے نشان بے حد روشن اور واضح تھے۔ ان کی منزل فنا فی اللہ تھی لہٰذا شبانہ روز مساعی و تگ و دو اسی کے لئے تھے۔ نتیجتاً حیات مستعار کا لمحہ لمحہ بقعہ نور ہوتا گیا اور چراغ زیست اس طرح روشن ہو گیا کہ اس میں تربیت شیخ، عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت الٰہیہ کی نورانی و خنک کرنیں تھیں۔ بس پھر کیا تھا اندھیری راہوں میں دور و نزدیک روشنی پھیلنے لگی۔ قرب و جوار اور دور افتادہ قصبات اور شہروں سے تشنہ لب طویل مسافتیں طے کر کے آتے اور علم لدنی و معرفت الٰہیہ سے پیاس بجھا کر واپس لوٹ جاتے تھے۔

جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے در رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی تو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قطب المشائخ بحر و بر کی سند فاخرہ عطا ہوئی اور بارگاہ رب العزت میں منظور و مقبول ہو گئے۔ کفر و شرک و بدعات کے بھنور کے اندھیروں اور ظلمات سے لوگوں کو نکال کر روشنی کی طرف لانے کا شرف عطا ہو گیا۔ اور پھر تاریک ہندوستان میں رشد و ہدایت کا نور پھیلانے کے لئے چل پڑے۔ اجمیر کو مستقر بنایا۔ باطل قوتیں متحد ہو کر مدمقابل آ گئیں اور ان کے پرخچے اڑ گئے۔

اسلام کی نورانیت پھیلنے لگی اور چراغ سے چراغ روشن و تاباں ہونے لگے۔

طائر وقت تیزی سے محو پرواز رہا۔ اور جب مقصد حیات کے حصول میں حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ سرخرو ہو گئے تو فانی سے باقی دنیا کی طرف سفر کرنے کا پیغام آگیا۔ دم آخر رب ذوالجلال کی خوشنودی کی سند ان کی جبین اقدس پر بہ حروف ذیل چمک رہی تھی۔

ھذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ۔

"یعنی وہ اللہ کا حبیب تھا اور اللہ کی محبت میں انتقال کیا۔"

لاریب راہ حق کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے جس میں بہاریں سدا خرام کرتی ہیں۔ ہر سو روشنی ہی روشنی پھیلی ہوتی ہے اور جو کوئی اس روشنی میں آجاتا ہے وہ بھی روشن و منور ہو جاتا ہے۔ اولین سانس سے لے کر آخری سانس تک حضرت خواجہ بزرگ شاہ اجمیر رحمتہ اللہ علیہ جس راہ پر رواں دواں رہے ہنوز تاباں و درخشندہ ہے اور قیامت تک اسی طرح رہے گی۔ اس راستے کا مسافر آج بھی اپنی منزل مراد کو پالیتا ہے۔ اس کے روم روم میں اللہ کریم اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی خوشبو رس بس جاتی ہے اور وہ ہر لحظہ معرفت الٰہیہ کی بلندیوں کی طرف پرواز کرنے لگتا ہے یہ راستہ سب کے لئے وا ہے اور با آواز بلند پکار رہا ہے۔

"اے لوگو! اگر رب العالمین اور اس کے محبوب رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا و خوشنودی و محبت مطلوب و مقصود ہے تو قدم بڑھاؤ میرا دامن بڑا وسیع ہے۔"

"شاہ اجمیر" حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی مبارک زندگی کے لمحہ بہ لمحہ حالات و واقعات پر محیط ہے۔

باب ۱

ولادت و احوال بچپن

موسم سرما کی انتہائی اداس اور سرد شام تھی۔ دن بھر کی مسافت کی تھکن کے آثار سورج کے چہرے سے عیاں تھے جو لحظہ بہ لحظہ سرخ ہوتا جا رہا تھا اور دامان مغرب میں آرام و سکون کے لئے بیتاب تھا۔ دور کوئی شخص بڑی محبت و لگن سے درد بھری آواز اور رچاؤ کی لے میں پڑھ رہا تھا۔

آں شہنشاہ جہان معرفت — ذات او بیروں ز ادراک و صفت
خسرو ملک آفتاب تخت و تاج — از خود و از غیر خود بے احتیاج
غرق بحر عشق از صدق و صفا — از خودی بیگانہ باحق آشنا
کردہ مرغ ہمتش ز اوج کمال — بیضہ افلاک را در زیر بال
اختر برج سپہر لم یزل — گوہر درج کمال بے بدل
آں معین الدین ملت بے نظیر — فارغ از دنیا . ملک دیں امیر

در ثنائے اوجمالی راچہ حد
فیض او باید کہ فرماید مدد

مجھ پر کیف کا عالم طاری تھا۔ پڑھنے والا خاموش ہو گیا لیکن میں ہنوز اشعار کے مطالب کے شیریں گہرے پانیوں میں غوطہ زن تھا۔ اور پھر ان

خوبصورت شعروں نے میری قوت متخیلہ کو پر پرواز بخشی اور مجھے اجمیر شریف کے اس ولی کامل کے آستانہ عالیہ پر لے گئی جہاں ہر وقت لوگوں کا اژدھام رہتا ہے اور فضا میں "غریب نواز" کی دلنشیں آوازیں ابھرتی رہتی ہیں۔

صاحب مزار کو واصل بحق ہوئے تقریباً نو صدیوں کا عرصہ بیت چکا ہے لیکن آج بھی ان کے در اقدس پر لوگوں کا ہجوم ہے۔ ہر وقت میلے کا سا سماں رہتا ہے۔

"آخر یہ کون لوگ ہیں؟"

ذہن کے پاتال پر ایک جملہ ابھرا اور پھر تحت الشعور سے کسی نے جواب دیا۔

"یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اولیاء ہیں جو حزن و ملال سے پاک ہیں۔ یہ جہاد اکبر کے شہید ہیں جو آج بھی زندہ و پایندہ ہیں۔ ان کے در فیض پر حاجت مندوں' معرفت الٰہیہ کے متلاشی اور دنیا کے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے انسان صبح تاباں کی جستجو میں حاضر ہوتے اور گوہر مقصود سے دامن بھرتے ہیں۔"

تجلیات ربانی کی بارش ہو رہی تھی۔ ہر سو رونق رونق سی نظر آتی تھی۔ اگرچہ رات کی تاریکی دم بدم بڑھتی جا رہی تھی لیکن یہاں دوپہر کے چاند کا سا احساس ہوتا تھا۔ یا غریب نواز یا غریب نواز کی پیہم آوازیں کانوں میں رس گھول رہی تھیں۔ میں کافی دیر تک اس روح پرور نظارے سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ یہاں سے جانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ معاً ایک خیال دماغ کی وسعتوں میں پھیلنے لگا۔

"یہ بھی تو ہمارے طرح کے انسان ہیں لیکن جب ہم ان سے اپنی زندگی کا موازنہ کرتے ہیں تو ان کو آسمان کی بلندیوں پر اور خود کو تحت الثریٰ میں پاتے ہیں۔ آخر کیوں؟ انہوں نے کونسی ایسی کمائی کی ہے جس کا یہ ثمرہ ہے کہ آج بھی ان کا نام روشن ہے۔"

یہ سوچ کر میری روح تڑپ اٹھی۔ وجود کے اندر تجسس نے آنکھ کھولی۔ اس مرد کامل' شناور بحر معرفت الٰہیہ اور شہباز لامکانی کے احوال زندگی سے آگہی کا اشتیاق پیدا ہوا۔ بس پھر کیا تھا' اسی ہنگام میرے طائر تصور نے پر پھیلائے اور سینکڑوں برسوں کی مسافت چند لمحوں میں طے کر کے نو صدی قبل سیستان کے قصبہ سنجر میں جا پہنچا۔

صوبہ سیستان ایران اور افغانستان کی حدود کے درمیان نیشاپور سے جنوب میں واقع ہے۔ قبل از مسیح اس کا نام ساکا استھان تھا۔ مرور زمانہ کے ہاتھوں اس کے نام تبدیل ہوتے رہے۔ پہلے سکرستان' پھر سجستان' بعد ازاں سیوستان اور آخر کار سیستان پڑ گیا۔

رات کا پچھلا پہر تھا۔ چہار اکناف ہو کا عالم تھا۔ مخلوق اللہ عالم بے خبری میں محو استراحت تھی۔ کسی کسی وقت کوئی پرندہ اپنی آواز سے خاموشی کے سمندر میں ہلکا سا ارتعاش پیدا کر دیتا تھا اور پھر بیکراں سکوت پھیل جاتا تھا۔ اندھیرے میں میری نگاہیں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ میں سنجر کے گلی کوچوں میں گھوم پھر رہا تھا کہ ایک مکان کے اندر تیل کے چراغ کے جلنے کی مدھم سی روشنی دکھائی دی۔ میرے قدم وہیں رک گئے۔

یہ مکان حضرت خواجہ غیاث الدین حسن بن خواجہ نجم الدین طاہر رحمتہ اللہ علیہ کا تھا۔ صحیح النسب سادات سے تھے۔ سلسلہ نسب آٹھ واسطوں سے سیدنا حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا تھا۔ صاحب حیثیت و دولت مند تھے' بسلسلہ تجارت اصفہان' نیشاپور اور بغداد شریف آتے جاتے رہتے تھے۔ بڑے نیک طینت تھے۔ علم و فضل میں درجہ کمال حاصل تھا۔ باطنی علوم سے بھی آراستہ تھے۔ چہرے سے نیکی و نور کی کرنیں پھوٹتی رہتی تھیں۔ اس ہنگام اپنے مولا کریم سے لو لگائے محو عبادت تھے۔ ان کی اہلیہ محترمہ کا اسم

گرامی بی بی ام الورع الموسوم ماہ نور و خاص الملکہ تھا۔ اصفہان میں رہائش پذیر تھیں۔ خراسان میں پرورش پائی تھی۔ غوث الثقلین حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ حضرت عبداللہ حنبلی رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند حضرت شیخ ابی صالح جنگی دوست کے بیٹے تھے اور حضرت ام الورع حضرت عبداللہ حنبلی کے دوسرے بیٹے حضرت سید داؤد کی بیٹی تھیں۔ اس لحاظ سے آپ حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کی چچا زاد بہن تھیں۔ ان کا شجرہ نسب آٹھ واسطوں سے سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا تھا۔ بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ وہ بھی نماز تہجد میں مشغول تھیں۔ کس قدر بابرکت گھرانا تھا۔ رحمتوں کا گہوارہ تھا۔ بے شک نیک و پارسا عورت دنیا نہیں ہے۔ دونوں میاں بیوی شب بیدار تھے۔ آخرت کے گھر کو ایک دوسرے کے لئے سنوارنے والے تھے۔ دونوں میاں بیوی کا عبادت میں انہماک دیدنی تھا۔ وقت دبے گام گزر رہا تھا اور پھر فضا میں اللہ اکبر کی صدائے جانفزا بلند ہوئی۔ نماز فجر کا وقت ہو گیا تھا۔ مساجد آباد ہونے لگیں لیکن نادان اور غافل گہری نیند سوتے رہے اور آخرت کے راستے کو خار زار بنا رہے تھے۔

میاں بیوی مثالی زندگی گزار رہے تھے۔ چند ماہ قبل حضرت بی بی ام الورع جب امید سے ہوئیں تو اکثر و بیشتر بڑے خوبصورت اور سہانے خواب دیکھا کرتی تھیں۔ اس کا ذکر حضرت خواجہ غیاث الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ سے بھی کیا کرتی تھیں۔ گھر میں خیر و برکت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ لوگ جو کسی وجہ سے مخالف تھے وہ بھی دوست بن گئے تھے۔ الغرض زندگی بڑے اطمینان و سکون سے گزر رہی تھی۔

ایک دن جب حضرت خواجہ غیاث الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ گھر سے باہر تشریف لے جانے لگے تو ان کی اہلیہ محترمہ نے ان سے مخاطب ہو کر

کہا۔

"چند دنوں سے میں حیرت آمیز الجھن میں مبتلا ہوں"

"کیسی الجھن؟"

حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا۔

" ہر روز میں نصف شب کے بعد اللہ اللہ کی آواز سنتی تھی۔ تعجب ہوتا تھا کہ یہ کون ہے۔ ارد گرد دیکھتی تو کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ بعد ازاں احساس ہوا کہ اللہ اللہ کی آواز میرے بطن سے آتی ہے جیسے کوئی اپنے رب کریم کی تسبیح و تمجید کر رہا ہو۔ اس آواز سے مجھ پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔"

جب بیوی کی بات سنی تو حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ تھوڑی دیر خیالات کے حسین جزیروں میں کھوئے رہے اور پھر گویا ہوئے۔

" ماہ نور! یہ تو بڑی مبارک بات ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کا کوئی ولی تیری کھوکھ سے جنم لینے والا ہے۔"

دونوں میاں بیوی محو گفتگو تھے کہ پردۂ غیب سے آواز سنائی دی۔

" پریشان نہ ہو! یہ معین الدین کی آواز ہے۔ جو تیرے شکم میں ہے۔"

آواز سننے کی دیر تھی کہ دونوں کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ سجدہ شکر بجا لائے اور اس مسعود گھڑی کا انتظار کرنے لگے جب اللہ تبارک وتعالیٰ کا دوست معین الدین تولد ہو گا۔

دن گزرتے رہے۔ جیسے جیسے بچے کی ولادت کے دن قریب آ رہے تھے میاں بیوی کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ انتظار کے لمحات گزارنا دوبھر ہو رہے تھے۔ ۵۳۴ ہجری کا مبارک سال تھا جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے ولی حضرت معین الدین رحمتہ اللہ علیہ اس جہاں رنگ و بو میں تشریف لائے۔ مہینہ اور دن

کونسا تھا اس ضمن میں کتب کے صفحات خاموش ہیں بہر کیف جب دونوں میاں بیوی نے اپنے پیدائشی ولی لخت جگر کے نورانی چہرے کو دیکھا تو دل و جان سے فدا ہو گئے اور اس کی پرورش پر خصوصی توجہ دینے لگے۔ باپ اپنے اس بیٹے کو پیار سے حسن کہتا تھا۔ ان کے علاوہ بھی حضرت خواجہ غیاث الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ کے دو صاحبزادے اور شاید ایک یا دو صاحبزادیاں بھی تھیں۔ لیکن ان کے اسماء کے بارے میں بھی تمام ماخذ چپ سادھے ہوئے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے جس زمانی ماحول میں آنکھیں کھولیں وہ بڑا پر آشوب تھا۔ ہر سو افراتفری اور لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ تھا۔ سماجی برائیوں کی ظلمات نے دور و نزدیک پنجے گاڑ رکھے تھے۔ انسانوں والی بات خال خال نظر آتی تھی اور انسانیت کسی کونے میں دبکی واویلا کر رہی تھی لیکن اس کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی کسے تھی۔ فرقہ باطنیہ چیرہ دستیوں اور سفاکیوں کے نئے باب رقم کر رہا تھا۔ قزاق' لٹیرے اور ڈاکو جگہ جگہ دندناتے پھرتے تھے۔ جس کو چاہتے راستے میں روک کر اس کا سب کچھ چھین لیتے تھے۔ شاہراہیں محفوظ نہ تھیں۔ ہر وقت لٹ جانے کا خدشہ و خوف سر پر منڈلاتا رہتا تھا۔ اس وقت خلیفہ المقتفی سریر آرائے سلطنت تھا۔ مختلف شہروں میں خانہ جنگی نے سر اٹھا رکھا تھا۔ لیکن یہ قانون فطرت ہے کہ جب تاریکی بڑی گہری ہو جاتی ہے تو آثار صبح نمودار ہونے لگتے ہیں' چنانچہ حالات کے کھنڈرات پر تعمیر نو ہو رہی تھی۔

خوارزمی و غوری سلطنتیں معرض وجود میں آ رہی تھیں اور روح کے اندھیروں کو دور کرنے کے لئے آفتاب چشت سیستانی سنجر میں طلوع ہو چکا تھا۔

سنجر کی خواتین کو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ

علیہ کی عظمت و بزرگی کے بارے میں علم ہو گیا تھا لہٰذا وہ اکثر و بیشتر حضرت بی بی ام الورع رحمتہ اللہ علیہا کے ہاں آتی جاتی رہتی تھیں تاکہ ان کے بچے کی زیارت کریں۔

پیدائشی ولی کے رنگ ڈھنگ اور اسلوب ابتداء سے ہی یگانہ و منفرد ہوتے ہیں۔ آپ ابھی جھولنے میں تھے کہ جب کوئی عورت اپنے شیر خوار بچے کے ہمراہ گھر میں آتی اور اس کا بچہ ماں کے دودھ کے لئے روتا اور ماں کا دودھ پینے کے باوجود چپ نہ ہوتا تو آپ ایسی حرکات و سکنات کرتے جس سے آپ کی والدہ محترمہ حضرت ام الورع رحمتہ اللہ علیہا سمجھ جاتی تھیں کہ ان کا نور چشم کیا کہہ رہا ہے لہٰذا وہ رونے والے بچے کو پکڑ کر اپنا دودھ پلاتیں تو وہ چپ ہو جاتا۔ آپ یہ دیکھ کر خوش ہوتے اور ہونٹوں پر تبسم رینگ جاتا تھا۔ غریب پروری و غریب نوازی کا اظہار بچپن سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت تھی۔

وقت گزرتا رہا۔ جھولنے سے نکل کر آپ بیٹھنے لگے۔ بعد ازاں کھڑے ہونے لگے اور آخرکار دوڑنے لگے۔ باتیں بھی کرنا شروع کر دی تھیں۔ لیکن چہرے پر سنجیدگی و متانت کی چادر تنی رہتی تھی۔ گلی میں جب آپ ہم عمر بچوں کو کھیلتے کودتے دیکھتے تو خود ایک طرف خاموش کھڑے رہتے اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ دوست جب ساتھ کھیلنے کے لئے اصرار کرتے تو فرماتے۔

"دوستو! ہم کھیل کود کے لئے پیدا نہیں کئے گئے۔"

یہ بات آپ کے دوستوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھی لہٰذا وہ پھر کھیل میں مشغول ہو جاتے تھے۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دوست آپ کو کھیل کی دعوت دیتے اور حسب

معمول آپ کا انکار سن کر بسا اوقات وہ پوچھتے تھے۔
"اگر بچے کھیلیں نہیں تو پھر اور کیا کریں ؟"
آپ دوستوں کی طرف دیکھتے اور فرماتے۔
"کھیل کی بجائے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں وقت زیادہ صرف کرو تاکہ وہ راضی ہو۔"

جب بڑے بوڑھے آپ کا اس نو عمری کے عالم میں یہ فرمان سنتے تو ورطہ حیرت میں ڈوب جاتے تھے۔ سوچتے تھے کہ اس چھوٹے سے منہ سے اتنی بڑی بات کیسے نکل آئی ہے اور پھر بے اختیار ان کے ہونٹوں پر یہ الفاظ مچل جاتے تھے۔

"یہ معمولی بچہ نہیں ہے۔ اپنے وقت پر بہت بڑے مقام و رتبہ پر فائز ہو گا اور ایک عالم اس سے فیضیاب ہو گا۔"

اولیاء کرام دوسروں کو کھانا کھلا کر بہت راحت محسوس کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے اور وہ اس پر سختی سے کاربند ہوتے ہیں۔ لنگر جاری کرنے کی بھی حقیقت یہی ہے کہ جو بھی ان کے آستانے پر آئے اس میں سے کھائے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ بھی اس صفت سے متصف تھے۔ ابھی عمر مبارک تین چار سال کی تھی کہ محلے کے بچوں کو ساتھ لا کر انہیں کھانا کھلاتے اور خوش ہوتے تھے۔ ماں باپ بیٹے کو نیکیوں میں سبقت کرتے ہوئے دیکھ کر بے حد مسرور ہوتے اور اس کا پورا پورا ساتھ دیتے تھے۔

آپ کے والد گرامی حضرت غیاث الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ بذات خود صاحب علم و فضیلت تھے لہٰذا انہوں نے اپنے ولی فرزند کی ابتدائی تربیت کا بیڑا خود اٹھایا اور اس کی خوبیوں کو بہت حد تک جلا بخشی۔

اس زمانے میں رواج تھا کہ اکثر لوگ سترہ اٹھارا برس کی عمر میں تحصیل علم کر لیا کرتے تھے۔ لیکن حالات کی ناساعدگی کی وجہ سے بسا اوقات تکمیل علم کی مدت میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی عمر مبارک پانچ سال کی ہوئی تو ملکی حالات نے اجازت نہ دی کہ آپ کو سنجر سے باہر دوسرے شہر میں کسی ممتاز و معروف درسگاہ میں تعلیم کے لئے بھیجا جاتا۔ ہوا یوں کہ قارا خطائی گرخاں کے ورثاء نے خراسان پر فوج کشی کی اور مظالم کی انتہا کر دی۔ گورنر سیستان کو بھی حراست میں لے لیا۔ بعد ازاں خوارزمی افواج نے خراسان پر حملوں کا آغاز کر دیا جس سے حالات دگرگوں ہو گئے۔ اندریں حالات آپ کو سنجر کے ہی ایک مکتب میں داخل کرا دیا گیا جہاں آپ نے باقاعدہ لکھنے پڑھنے کا آغاز کر دیا۔

اب آپ کی زیادہ توجہ حصول علم کی طرف رہتی تھی۔ وقت گزرتا رہا۔ ملکی حالات تھے کہ سنبھلنے کا نام نہ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نماز عید کے لئے تشریف لے جا رہے تھے کہ اچانک رک گئے' محلے کی سڑک کے کنارے ایک نابینا لڑکا کھڑا تھا۔ اس کا لباس بوسیدہ' بال پراگندہ اور چہرہ اداس تھا۔ ہاتھ میں معمولی سی چھڑی تھی جس کا اس نے سہارا لے رکھا تھا۔ آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اے بھائی! عید کے دن تم نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟"

نابینے لڑکے نے جب اس آواز میں کسی ہمدرد کی جھلک محسوس کی تو بولا۔

"نہاتے وہ ہیں جن کی مائیں زندہ ہوں۔ بالوں میں کنگھی اور تیل ان کے سروں میں ہوتا ہے جن کے بھائی بہن ہوں۔ نئے کپڑے وہ زیب تن کرتے ہیں جن کے باپ بقید حیات ہوں۔ مسکراتے وہ ہیں جن کے عزیز رشتے دار موجود ہوں۔"

آپ نے سنا تو سمجھ گئے کہ یہ یکہ و تنہا یتیم و مسکین ہے۔

فرمایا۔

"آج سے میں تیرا بھائی ہوں۔"

اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر کی طرف چل پڑے۔

جب گھر پہنچے تو اس وقت آپ کی والدہ محترمہ مصلے پر بیٹھی ذکر اللہ میں مشغول تھیں۔ بیٹے کے جلد واپس لوٹ آنے پر وجہ پوچھی تو آپ نے اس نابینے لڑکے کا حال سنایا تو آپ کی والدہ فوراً مصلے سے اٹھیں۔ اس یتیم و غریب و مسکین لڑکے کا منہ دھلایا۔ سر میں تیل لگایا۔ کنگھی کی اور نئے کپڑے پہننے کو دیئے اور پھر وہ دونوں نماز عید کے لئے گھر سے چل پڑے۔ وہ یتیم لڑکا بے حد خوش ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنے بندے اور دوست معین الدین کا یہ عمل بے حد پسند آیا۔ ہاتف غیبی نے آواز دی۔

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں "غریب نواز" کا لقب عطا کیا جاتا ہے۔"

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا جو آپ کو عطا ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ لوگوں کی زبان پر بھی یہ لقب جاری ہو گیا اور اصل نام پر حاوی ہو گیا۔

ملکی حالات کی ابتری کا دائرہ دس سال تک پھیلا رہا۔ ۵۴۴ ہجری میں جب امن و امان بحال ہوا اور کاروبار حیات پھر اپنی ڈگر پر چلنے لگا تو اس وقت تک حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کافی حد تک تفسیر و حدیث و فقہ کے علوم میں دسترس حاصل کر چکے تھے لیکن کسی مشہور و معروف دینی درسگاہ سے سند علم کا حصول لازمی تھا لہٰذا والد گرامی نے بیٹے کو ساتھ لیا اور سوئے نیشاپور چل پڑے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک دس برس تھی۔

نیشاپور کا دنیا کے قدیم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ شاہ پور ثانی نے اسے ۳۴۰ عیسوی میں آباد کیا تھا۔ یہ شہر علم و فضل کا گہوارہ تھا۔ مایہ ناز

اساتذہ موجود تھے۔ مدرسہ نظامیہ بغداد کے علاوہ یہاں کے مدارس ایران و خراسان میں بڑی شہرت کے حامل تھے۔ ان مدرسوں میں مشاہیر اسلام نے تعلیم پائی تھی۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسی مبارک شہر کی درسگاہوں سے فیوض و برکات حاصل کی تھیں۔

باپ بیٹے دونوں کا ہر اٹھنے والا قدم انہیں منزل کے قریب لے جا رہا تھا۔ وہ چپ تھے اور اپنے اپنے خیالات کی جولانگاہوں میں محو خرام تھے۔ باپ بیٹے کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ وہ اسے عالم تصور میں علم و عرفان کی بلند و بالا چوٹیوں پر دیکھ رہا تھا۔ اور بیٹا علوم اسلامیہ کی برکتوں اور ان کے اندر نہاں لعل و گہر اور آبدار موتیوں کی چمک دمک اور نور سے زندگی کے ہر لمحے اور گوشے کو منور کرنے کا متمنی تھا۔ دونوں اپنے اپنے خواب بن رہے تھے اور اس منزل کی طرف گامزن تھے جہاں ان کے خوابوں کی تعبیر بازو پھیلائے ان کی منتظر تھی۔

حضرت خواجہ غیاث الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ بسلسلہ تجارت کئی بار نیشاپور آ چکے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ کونسی دینی درسگاہ سب سے اعلیٰ اور مشہور ہے لہٰذا ان کے قدم ایک عظیم درسگاہ کے سامنے جا کر رکے۔ اس کے در و دیوار پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ اس کی دیواروں کے عقب میں دنیا کے مایہ ناز لوگ علم دین کے پڑھانے اور بہترین افراد پڑھنے میں مشغول تھے۔ تحصیل علم کے بعد یہ خوش بخت ہستیاں دور و نزدیک کے علاقوں میں پھیل کر معرفت الٰہیہ، عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی تعلیمات کے سنہری چراغ روشن کرتی تھیں جن کے گرد متلاشیان' حق وارفتگان علم تفسیر و حدیث و فقہ اور محبتوں کے قاسم پروانہ وار جمع ہو جاتے تھے اور اپنی اپنی بساط و استعداد کے مطابق لازوال دولت علم سے جھولیاں بھرتے تھے۔ حضرت خواجہ غیاث الدین

حسن رحمتہ اللہ علیہ کو یوں محسوس ہوا جیسے معین الدین (رحمتہ اللہ علیہ) سند علم حاصل کرنے کے بعد درسگاہ سے باہر نکل رہا ہے اور اب وہ اس کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیلانے کے لئے پابہ رکاب ہے۔ اور پھر وہ بیٹے کے ہمراہ درسگاہ کے اندر داخل ہو گئے اور اس کا ہاتھ مدرس اعلیٰ کے ہاتھ میں دے دیا۔

اب حضرت خواجہ غیاث الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ کو اطمینان و سکون حاصل تھا۔ ملکی حالات کی خرابی کی وجہ سے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے بارے میں جو خلش تھی اب وہ دور ہو چکی تھی۔ میاں بیوی دونوں بیٹے کی کامیابی کے لئے ہر لحظہ دعاگو تھے۔ حضرت معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ بڑے انہماک سے حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ بہت جلد دوسرے طلباء سے سبقت لے گئے۔ ان کے اساتذہ بھی اپنے اس ہونہار اور قابل شاگرد کی بڑی تکریم کرتے تھے۔

دوشیزۂ وقت خراماں چلی جا رہی تھی۔ حضرت خواجہ غیاث الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے ۵۴۸ ہجری میں سفر بغداد اختیار کیا جہاں کچھ عرصہ قیام کا ارادہ تھا۔ لہٰذا وہ بڑے اطمینان سے کاروباری اور دوسری مصروفیات میں مگن تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو نیشاپور میں چار پانچ سال ہو گئے تھے۔ تمام مصروفیات کا محور حصول علم تھا۔ لیکن لوح محفوظ پر مرقوم تقدیر نے زمانہ کو گردش دی۔ غزنیوں نے جنگ بلخ میں سلطان سنجر کو گرفتار کر لینے کے بعد بلاد طوس و نیشاپور میں قتل و غارتگری کا بازار گرم کر دیا۔ ظلم و استبداد کے عفریت ہر سو رقص کر رہے تھے۔ کوئی گلی محلہ ایسا نہ تھا جس کی زمین انسانوں کے خون سے رنگین نہ ہو۔ قیامت کا سا سماں تھا۔ جن

لوگوں نے بھاگ کر مسجد شعبی میں پناہ لی تو ظالموں نے انہیں بھی بے رحمی و سنگ دلی سے موت کے حوالے کر دیا۔ جو بھی شخص نظر آتا اسے تلوار و نیزے کی انی پر رکھ لیتے تھے۔ انسانی درندوں نے شفا خانوں میں جا کر مریضوں اور طبیبوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کتب خانوں کا رخ کیا تو انہیں جلا کر خاکستر کر دیا۔ عوام اور فوجیوں کے علاوہ علماء و شیوخ کو بھی چن چن کر شہید کیا جن میں محمد یحییٰ فقیہ شافعی جو علم و فضل میں یگانہ روزگار تھے' جن کے درس میں دور و نزدیک سے طلباء شریک ہوتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عبدالصمد نیشاپوری جو عابد و زاہد اور فقیہ تھے جن سے سلطان کو بھی بے حد عقیدت تھی اور دیگر عباد و زہاد شامل تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وحشی انسانوں نے قسم کھا رکھی ہو کہ وہ کسی جاندار کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس وقت حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی عمر مبارک چودہ یا پندرہ سال کی تھی۔ نیشاپور میں ہونے والی خون آشامی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان کے دل پر اس وقت کیا بیت رہی ہو گی اس کے بارے میں ان کا دل ہی جانتا تھا۔ جسے اللہ رکھے اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ محافظ حقیقی نے آپ کو خونخوار بھیڑیوں کی نظر سے اوجھل رکھا۔ جب وہ اپنی دانست میں نیشاپور کے تمام مکینوں کو تہ تیغ کر چکے تو ان کی آتش انتقام سرد پڑی۔

نیشاپور میں شہر خاموشاں کا سا سکوت تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اپنی جائے پناہ سے نکلے اور دبے گام چلنے لگے۔ جدھر نگاہ اٹھا کر دیکھتے لاشیں نظر آتی تھیں۔ ان میں بچے بھی تھے' عورتیں بھی تھیں' جوان بھی تھے اور بوڑھے بھی تھے۔ جگہ جگہ خون جما ہوا تھا۔ انسانی گوشت کے لوتھڑے ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔ مساجد ویران تھیں۔ درسگاہیں مرثیہ خواں تھیں۔ ہر گھر کی دہلیز بربریت کی داستان سنا رہی تھی۔ کہیں کہیں چیلیں

اور گدھ نعشوں کو نوچ رہے تھے۔ ان سب خونچکاں نظاروں اور دل ہلا دینے والے مناظر کو دیکھتے ہوئے آپ چلے جا رہے تھے۔ اچانک آپ کے قدم اپنی درس گاہ کے سامنے رک گئے' وہاں خون اور ویرانی کے علاوہ رکھا ہی کیا تھا۔ بہت سے ہم سبق بے گور و کفن پڑے تھے۔ قلب اطہر پر برچھیاں چلنے لگیں۔ چہرے پر گہرے غم و اندوہ کے آثار تھے۔ تھوڑی دیر وہاں رکنے کے بعد پھر چل پڑے اور شہر سے باہر نکل آئے۔ آپ نے وہاں کھڑے ہو کر حسرت بھری نظروں سے نیشاپور کو دیکھا اور پھر سنجر کی طرف جانے والی شاہراہ پر چل پڑے۔

اب آپ کی نظروں کے سامنے ایک طویل راستہ تھا۔ حد نگاہ تک کوئی بستی نظر نہیں آتی تھی۔ زاد راہ بھی پاس نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر چلے جا رہے تھے جب کبھی نیشاپور کی تباہی کا خیال آجاتا تو روح پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ بھوک بھی ستاتی تھی اور پیاس بھی تنگ کرتی تھی۔ لیکن صبر و شکر کے رتھ پر سوار سوئے سنجر رواں دواں تھے۔ آخر کئی دنوں کے تکلیف دہ سفر کے بعد وارد سنجر ہوئے اور ماں کے قدموں سے جا کر لپٹ گئے۔ ماں نے بلائیں لیں' دعائیں دیں اور اپنے رب کریم کا شکر ادا کیا جو اس کا معین الدین بخیر و خوبی واپس آگیا تھا۔

نیشاپور کی بربادی اور قتل عام کی خبر جب بغداد میں پہنچی تو حضرت خواجہ غیاث الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ کے دل پر آرے چل گئے۔ بیٹے معین الدین کا سوچ کر تڑپ اٹھتے تھے۔ جب سنا کہ نیشاپور میں ظالموں نے کسی متنفس کو زندہ نہیں چھوڑا تو بیٹے کی پردیس میں موت کا تصور کر کے بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ یہ صدمہ اتنا شدید تھا کہ صاحب فراش ہو گئے اور پھر چند دنوں کے اندر اندر اپنے خالق حقیقی کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کی

84947

بزرگی کا احترام اہل بغداد کے دل میں تھا۔ ان کی موت کا سن کر لوگوں کا ہجوم ہو گیا اور پھر انہیں بغداد میں ہی دروازہ شام کے قریب سپرد خاک کر دیا۔ لوگ ان کے مزار کو غیاث الدین نوری کے نام سے جانتے ہیں جو آج بھی مرجع خلائق ہے۔ ان کے وصال کی خبر جب سنجر میں پہنچی تو وہاں بھی ہر شخص کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھ گئے۔ اور ان کی بزرگی و عظمت کا ذکر کرنے لگا۔ اس وقت حضرت خواجہ معین الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ کی عمر مبارک پندرہ برس تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں آپ کے سر پر صدمات کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ قیامت کے مناظر دیکھے تھے۔ انسانیت کی تذلیل کا مشاہدہ کیا تھا۔ والد گرامی کی مفارقت کا داغ سہا تھا۔ کشت و خون کی ندیاں بہتی دیکھی تھیں۔ مسافرت کی اذیت ناکیاں برداشت کی تھیں۔ بھوک اور پیاس کے سمندر عبور کئے تھے۔ لیکن لبوں پر صرف یہ الفاظ تھے۔

" اے اللہ ! تیرا شکر ہے تو جس حال میں رکھے۔ جیسے تو راضی ویسے میں راضی۔"

باب ۲

اجالے کی تلاش

اولیاء اللہ کی ساری زندگی تلوار کی دھار پر بسر ہوتی ہے۔ ابتداء سے ہی انہیں کٹھن اور دشوار گزار راستوں پر ڈال دیا جاتا ہے تاکہ خواہشات نفس اور شیطان کے پھیلائے ہوئے دام ہمرنگ زمیں سے محفوظ رہ سکیں۔ پوشیدہ اوصاف پر نکھار آجائے۔ دنیا کی آلائشوں اور دلچسپیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ معرفت علم الٰہیہ سے آگہی ہو۔ اندھیروں میں بھٹکتے ہوئے انسانوں کو روشنی میں لاسکیں۔ جب سلوک کی منزل کا آغاز ہوتا ہے تو مجاہدات کی ضربوں سے نفس امارہ کے سانپ کا سر کچلا جاتا ہے۔ تسلیم و رضا کی گھاٹیوں سے گزارا جاتا ہے۔ فنا فی الشیخ و فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیریں اور ٹھنڈے چشموں سے سیرابی کے بعد جب فنا فی اللہ کے مقام اولیٰ پر فائز ہوتے ہیں تو پیر کامل کی طرف سے خرقہ خلافت عطا کیا جاتا ہے اور کسی علاقے کی ولایت سونپ دی جاتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے ولی جب مبتدی ہوتے ہیں تو انہیں دنیا سے الگ رکھا جاتا ہے تاکہ ان پر اس کا سایہ نہ پڑے اور جب وہ بہ فضل تعالیٰ منتہی کا درجہ پاتے ہیں تو مخلوق اللہ میں رکھا جاتا ہے تاکہ انہیں جو انعام و اکرام عطا ہوا ہے اسے حقداروں میں شبانہ روز تقسیم کریں لہٰذا مختلف مقامات پر ان کے فیض کے دریا بہنے لگتے ہیں۔

محب محبوب کے جس قدر قریب ہوتا ہے اتنا ہی خوفزدہ رہتا ہے کہ کہیں محبوب ناراض نہ ہو جائے۔ لہٰذا اولیاء اللہ اس کارگہہ عالم میں ہر قدم بڑا سنبھل کر اٹھاتے ہیں کہ مبادا کسی بات پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔ لیکن جب وہ اس جہاں رنگ و بو سے گزر کر آخرت کے دروازے پر اپنے مزارات میں آسودہ خواب ہوتے ہیں تو ان کے فیوض و برکات میں ستر گناہ اضافہ ہو جاتا ہے اور مزارات پر لوگوں کا ہجوم ہونے لگتا ہے۔

عالم تصور میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر یا غریب نواز پکارنے کی صدائیں میں نے سنی تھیں اور پھر میں ان کی پاک کتاب زندگی کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ نیشاپور سے واپسی کے بعد اب آپ کا زیادہ تر وقت رابعہ عصر والدہ محترمہ کی خدمت اور عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔ تعلیم ادھوری رہ گئی تھی لہٰذا اس کو بھی جاری و ساری رکھے ہوئے تھے۔ والد گرامی کے وصال سے جو خلا زندگی میں پیدا ہو گیا تھا اسے پر کرنے میں ماں نے بڑا اہم کردار ادا کیا اور حتی الامکان بیٹے کو احساس نہ ہونے دیا کہ وہ یتیم ہے۔

وقت بڑے آرام و سکون سے گزر رہا تھا۔ لیکن اس مدت کا دورانیہ صرف اتنا ہی تھا جیسے کوئی لمبے سفر کا مسافر تھوڑی دیر کے لئے کسی مقام پر پڑاؤ ڈالے اور پھر منزل کی طرف چل پڑے۔ ایک دن دوسرے دو بھائیوں نے والد گرامی کے ورثہ کی تقسیم کا تقاضا کر دیا۔

"معین الدین بیٹے تمہاری کیا رائے ہے؟"

ماں نے دریافت کیا تو آپ نے عرض کی۔

"اماں جان! میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ جائیداد کی خواہش ہے۔ بے شک میرا حصہ بھی بھائیوں کو دے دیں۔"

لیکن حضرت ام الورع رحمتہ اللہ علیہا انصاف پسند تھیں۔ ایک کا حق دوسرے کو دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے ترکہ تمام بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک وسیع باغ اور پن چکی حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے حصے میں آئی۔

اب آپ کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ باغ کی نگرانی بھی کرنا پڑتی تھی اور اس میں کاشتکاری بھی خود کرتے تھے۔ دنیا دامن سے وابستہ ہو گئی تھی۔ عبادت کی سوتن دنیا زندگی میں در آئی تھی' لیکن مجبوری تھی۔ اس سے مفر نہیں تھا۔ اپنی اور ماں کی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے نان جویں کی ضرورت تھی۔ مگر اس حقیقت کے باوجود طبیعت پر یہ دنیا گراں گزرتی تھی۔

ایک دن جب آپ باغ سے واپس گھر تشریف لائے تو ماں کی طبیعت ناساز تھی۔ بے چین ہو گئے۔ ماں اور باپ دونوں کا پیار دینے والی ہستی کی علالت نے تڑپا دیا۔ دعا بھی کی اور علاج معالجے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ لیکن تقدیر کو کون ٹال سکتا ہے۔ چند دن صاحب فراش رہنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئیں۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی اندھیر ہو گئی۔ ماں اللہ تعالیٰ کا عظیم تحفہ ہے جو بچوں کو ملتا ہے۔ آج وہ تحفہ چھن گیا تھا۔ لیکن حرف شکایت لبوں پر نہیں آیا' دامن صبر و شکر ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا اور کہا۔

"اے الٰہ العالمین! تو راضی ہے تو میں بھی راضی ہوں۔"

حضرت ام الورع رحمتہ اللہ علیہا کی رحلت کی خبر آن واحد میں سنجر کے گلی کوچوں میں پھیل گئی۔ مردوں اور عورتوں کا ہجوم ہو گیا۔ مرد اس گھرانے کی شرافت و بزرگی کا ذکر کر رہے تھے اور وہ عورتیں جو عابدہ و زاہدہ ماہ نورت [illegible] بانا کرتی تھیں وہ عورتیں جن کی وہ درپردہ مدد و استعانت فرمایا

کرتی تھیں، وہ عورتیں جو ان سے ہدایت کا سبق لیتی تھیں اور وہ عورتیں جو دعا و برکت کے لئے حاضر ہوتی تھیں فرط غم سے نڈھال تھیں۔ ان کے لئے آج کے بعد اس پاک گھرانے کے دروازے سدا کے لئے مقفل ہو گئے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور سوچ رہی تھیں کہ اب وہ اپنا دکھڑا کس کو سنائیں گی۔ کس سے مدد کی طلبگار ہوں گی۔ کس کے پاس دکھوں کا مداوا تلاش کریں گی۔ اسی اثنا میں جنازہ اٹھایا گیا تو کہرام مچ گیا۔ جس کو دیکھو اس کے چہرے پر اداسیوں اور غم کے پھریرے لہرا رہے تھے اور آنکھیں نم آلود تھیں اور پھر اس بزرگ عورت کو، اللہ کی ولیہ کو سنجر کے قبرستان میں لے جا کر سپرد خاک کر دیا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بظاہر اس مقام پر آ کر رک گئی تھی۔ آگے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ گھر آتے تو اس کی فضاؤں میں والدین کی رچی بسی معطر سانسیں ان کی یاد کو دو چند کر دیتیں۔ اب زیادہ تر وقت عبادت و ذکر میں گزرتا تھا۔

ایک دن باغ میں پیڑوں کو پانی دے رہے تھے۔ دل اور زبان بیک وقت ذکر اللہ میں مصروف تھے۔ معاً نظریں اٹھیں تو ایک مغلوب الحال درویش کو باغ کے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ یہ حضرت ابراہیم قندوزی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جو مجذوبیت کے رنگ میں روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور ان کے مرتبے کا اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پیران پیر غوث الثقلین حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ساتھ ایک شب گذارنے کی آرزو کی تھی اور بصد مشکل انہیں یہ موقع میسر آیا تھا۔ اس عظیم ہستی کو اپنے سامنے پا کر حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ آپ تو شروع سے ہی درویشوں، فقیروں اور اللہ والوں کی زیارت

ملاقات کے بڑے مشتاق تھے لہٰذا پیشوائی کے لئے ان کی طرف لپکے۔ بڑے ادب و محبت سے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور ان کی طرف پشت کئے بغیر بے حد احترام کی ساتھ ایک گھنے سایہ دار درخت کے نیچے اپنی چادر بچھائی اور عرض کی۔

"یا حضرت! تشریف رکھیں"

جب حضرت ابراہیم قندوزی رحمتہ اللہ علیہ بیٹھ گئے تو ٹھنڈے پانی کا ایک کٹورا پیش کیا اور تازہ انگوروں کا ایک خوشہ توڑ کر سامنے رکھا اور بصد تکریم گویا ہوئے۔

"شوق فرمائیں۔"

اور پھر دو زانو سامنے بیٹھ گئے۔ انہیں کھانے سے زیادہ رغبت نہیں تھی۔ صرف ایک دانہ انگور اٹھایا اور نظریں آپ کی پیشانی پر جما دیں جیسے وہاں لکھا ہوا پڑھ رہے ہوں کہ مستقبل میں اس لڑکے کا کیا مقام و مرتبہ ہو گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بے شمار مخلوق اس سے فیضیاب ہو گی۔ کفر کے اندھیروں میں اسلام کی شمع فروزاں کرے گا۔ شرک و ضلالت کی منزلوں کے مسافروں کو صراط مستقیم پر گامزن کرے گا۔ لوگوں کی روحانی تشنگی بجھانے کا سامان بہم پہنچائے گا۔ معرفت الٰہیہ کے چراغ روشن کرے گا اور عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گل و گلزار کھلائے گا۔

آپ نے جس محبت' ادب اور احترام کا مظاہرہ کیا تھا اس نے حضرت ابراہیم قندوزی مجذوب رحمتہ اللہ علیہ کو خاصا متاثر کیا تھا۔ انہوں نے اپنے تھیلے سے کنجارہ یا کھلی کا ٹکڑا نکال کر اسے اپنے دانتوں میں چبایا اور پھر اسے حضرت معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے دہن مبارک میں رکھ دیا۔

درویش کا عطا کردہ کنجارہ حلق سے نیچے اترنے کی دیر تھی کہ وجود کے اندر روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔ حجابات اٹھ گئے انوار الٰہیہ کی برسات ہو رہی تھی۔ صحو کے باوجود سکر کا عالم طاری ہو گیا۔ گرد و پیش کا ہوش نہ رہا۔ یہ کیفیت کافی دیر تک برقرار رہی۔ جب آپ اس روحانی کیفیت کے عالم سے باہر آئے تو حضرت ابراہیم قندوزی رحمتہ اللہ علیہ سامنے موجود نہیں تھے۔ ادھر ادھر نگاہ دوڑائی لیکن وہ کہیں دکھائی نہ دیئے۔ معرفت الٰہیہ کا جلوہ و راستہ دکھا کر جا چکے تھے۔ یہ ۵۵۲ ہجری کا واقعہ ہے۔

اب آپ کی زندگی میں انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ خواہشات نے سینے کے اندر دم توڑ دیا تھا۔ صرف ایک تمنا تھی کہ سب کچھ چھوڑ کر دنیا کے جھمیلوں سے آزاد ہو جاؤں اور اپنی زندگی کو رب العالمین اور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کر دوں۔ زندگی کا ایک مقام پر آکر ٹھہر جانے کا احساس مٹ چکا تھا۔ اب نگاہوں کے سامنے وسیع و عریض دنیا دامن پھیلائے موجود تھی جس کے اندر ہی سے تقرب الی اللہ اور عشق رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی منازل کے راستے جاتے تھے اور ان راستوں پر گامزن ہونے کے لئے شریعت' طریقت اور حقیقت کے دروازوں میں سے گزرنا پڑتا ہے اور ان دروازوں پر کوئی عالم باعمل اور ولی اللہ براجمان ہے۔

شریعت کے علم و رموز سے واقفیت کے لئے علماء حق کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا پڑتا ہے اور طریقت و حقیقت و معرفت کی منازل سے گزرنے کے لئے کسی ولی اللہ سے وابستگی ازبس ضروری ہے۔ نیشاپور میں خونریزی کی بنا پر علم قرآن و حدیث و فقہ ادھورا رہ گیا تھا لہٰذا شریعت کے دروازے سے گزرنے کے لئے ازبس ضروری تھا کہ ادھورے علم کو پایہ تکمیل

تک پہنچایا جائے اور اس کے لئے کسی عالم باعمل کے قدموں میں جا کر بیٹھا جائے۔ چنانچہ آپ نے باغ اور پن چکی کو فروخت کر دیا۔ اس سے جو رقم ملی وہ فقراء و غرباء و مساکین میں تقسیم کر دی اور دنیا کو دامن سے جھٹک دیا۔ اب آپ علائق دنیا سے آزاد تھے۔ چنانچہ والدہ محترمہ کی قبر مبارک پر تشریف لے گئے اور بارگاہ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

"اے اللہ! ہدایت دینے والا تو ہے۔ صراط مستقیم پر چلانے والا تو ہے۔ دنیا کی آلائشوں سے محفوظ فرمانے والا تو ہے۔ خواہشات نفس اور شیطان کے شر سے بچانے والا تو ہے۔ تیرے راستے پر نکلا ہوں ہر مقام پر میری اعانت و مدد فرمانا۔ اے بار الہٰ! صاحب قبر میری ماں کے صدقے اپنے گنہگار معین الدین کی دعا قبول فرما۔"

اور پھر اپنے رب کریم کے بھروسے کسی نامعلوم منزل کی طرف چل پڑے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ چلے جا رہے تھے۔ سینے کے اندر خاص لگن و جذبہ تھا جو کشاں کشاں لئے جا رہا تھا لیکن کہاں۔ کوئی خبر نہ تھی۔ نہ منزل تھی' نہ نشان منزل۔ راستے بھی نظروں سے اوجھل تھے مگر پھر بھی چلے جا رہے تھے۔ حد نظر تک انسان تو کجا چرند پرند بھی شاذ نظر آتے تھے۔ جہاں صدق و خلوص ہو رحمتوں کا نزول بھی وہیں ہوتا ہے۔ قدرت نے آپ کو مشہد و طوس والی سڑک پر ڈال دیا جو سیدھی بخارا کی طرف جاتی تھی۔ راستے میں ندی نالے بھی آئے اور ریت کے ٹیلے بھی۔ کٹھن گھاٹیاں بھی آئیں اور جنگل بھی۔ بھوک نے بھی تڑپایا اور پیاس نے بھی ہلکان کیا۔ خونخوار بھیڑیوں سے بھی سامنا ہوا اور زہریلے ناگ بھی قریب سے گزرے مگر آپ ان تمام مصائب و خطرات سے بے خوف ڈگ بھرتے چلے جا رہے تھے۔ بے شک جو اللہ تعالیٰ کی راہ پر چل پڑتا ہے پھر کوئی چیز اسے گزند

نہیں پہنچا سکتی۔ کافی دنوں کی صبر آزما مسافت کے بعد دور کسی شہر کی دیواریں نظر آئیں قدموں میں اور تیزی آگئی۔ جب شہر کے صدر دروازے پر پہنچے تو ایک شخص کو روک کر پوچھا۔

"بھائی! یہ کونسا شہر ہے؟"

"بخارا"

اس اجنبی نے جواب دیا اور آگے بڑھ گیا۔

اس اجنبی کے الفاظ کی بازگشت ذہن میں سنائی دی۔ نام مانوس تھا۔ اپنے والد گرامی اور دیگر افراد سے اس بارے میں سن چکے تھے کہ یہ شہر جنت نشان ہے۔ یہاں علم و فن کی بے حد فراوانی و بہتات ہے۔ مایہ ناز اور یکتائے زمانہ صوفیاء اور جید علماء کی کثرت ہے۔ بظاہر بوریہ نشین ہیں لیکن علم و عرفان کے سمندر ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں تشنگان علم دور و نزدیک سے آکر اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ امراء و غربا۔ مقامی و غریب الوطن سب ان یگانہ و منفرد ہستیوں کے سامنے ادب سے بیٹھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہاں خانقاہوں اور مدرسوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے عظیم علمی شہر میں پہنچا دیا تھا۔

جیسا سنا تھا آپ نے بخارا کو ویسا ہی پایا۔ اب یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کس مکتب میں داخل ہوا جائے۔ آپ نے دو چار آدمیوں کو باری باری روکا اور پوچھا۔

"بھائی! یہاں سب سے زیادہ مشہور و معروف کون شخصیت ہے۔"

سب کا ایک ہی جواب تھا۔

"حضرت شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ"

چنانچہ آپ سیدھے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ادب سے سر جھکا دیا۔

آپ بڑے ذوق و شوق سے علم کے حصول میں منہمک ہو گئے۔

۵۵۳ ہجری کا سال تھا۔ آپ حسب معمول مطالعہ میں مصروف تھے کہ کسی ہم مکتب نے کہا۔

"معین الدین! کچھ سنا ہے"

"کیا"

آپ نے کتاب سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"نیشاپور کو پھر کسی کی نظر لگ گئی ہے۔"

اس نے کہا تو آپ نے مضطربانہ پوچھا۔

"کچھ بتاؤ تو سہی"

"اغیار کے اشارے پر شہر والوں نے شہر میں آگ لگا دی تھی۔ امام الحرمین حضرت محمد جوینی رحمتہ اللہ علیہ کے رحمت خانہ کو بھی نذر آتش کر دیا تھا۔ کسی نے سلطان سنجر کے جانشین سلطان محمود کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔"

سنا تو آپ کے چہرے پر دکھ کے آثار نمودار ہوئے۔ ماضی کا نقشہ نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ کتاب کو ایک طرف رکھ دیا اور سوچوں کے بحر ناپید اکنار میں مستغرق ہو گئے۔

"جب اپنے دشمن کے ہاتھوں میں کھیلنے لگیں تو پھر ملک و قوم پر کوئی بھی افتاد نازل ہو سکتی ہے۔"

ایک خیال ہوا کے جھونکے کی طرح ذہن سے گزر گیا۔

دوران تحصیل علم بخارا میں آپ کو علم ظاہر کے خطرات سے آگاہی ہوئی۔ درس نظامی سے دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے تو یہاں کے علماء نے آپ کو دستار فضیلت سے نوازا۔ اساتذہ کو آپ پر بڑا ناز تھا۔ جب حضرت شیخ حسام الدین رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو الوداع کیا تو ہنوز علم کی طلب سینے میں موجزن

تھی۔

سمرقند بھی ان دنوں علم و فضل کے لئے بڑا مشہور تھا۔ بخارا سے ہمسری کا دعویدار تھا۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے اس طرف کا رخ کیا۔ راستے کی مشکلات از خود دور ہوتی چلی گئیں۔ چند دنوں میں منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ یہاں بھی ایک سے ایک بڑھ کر عالم موجود تھا۔ آپ نے صاحب شرع عالم حضرت مولانا شرف الدین کے مدرسہ میں داخلہ لیا۔ یہاں آپ نے قرآن پاک جو حفظ کرنے سے ادھورا رہ گیا تھا اسے پورا کیا۔ اور جملہ علوم دینی و عقلی کی سند لی۔ اب آپ کو تمام علوم پر دسترس اور فوقیت حاصل تھی۔ سنجر کو الوداع کہنے سے لے کر تکمیل علم تک پانچ سال لگ گئے تھے۔ اب آپ کی عمر مبارک تیئس سال اور سن ۵۵۷ ہجری تھا۔

تصوف کے چار بڑے دریا صدیوں سے ساتھ ساتھ بہہ رہے ہیں ان کے عنبریں و خنک پانیوں سے بہ توفیق ایزدی لوگوں نے روحانی پیاس بجھانا ہوتی ہے۔ تشنہ لبوں کو اللہ تعالیٰ خود ہی ان کے گھاٹوں پر پہنچنے کا سامان بہم پہنچا دیتا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کا آغاز حضرت خواجہ محمد اتالیسوی رحمتہ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ بعد ازاں حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کو فروغ دینا چاہا لیکن دونوں حضرات زیادہ کامیاب نہ ہوئے۔ اس کو مقبول عام بنانے کا سہرا حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کے سر ہے اور وہی اس کے سرخیل متصور ہوتے ہیں۔ سلسلہ قادریہ کے روح رواں حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ ہیں جن کا قدم ہر اولیاء اللہ کی گردن پر ہے۔ سلسلہ سہروردیہ کے بانی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی

رحمتہ اللہ علیہ ہیں اور سلسلہ چشتیہ کی داغ بیل حضرت شیخ ابواسحاق شامی رحمتہ اللہ علیہ نے ڈالی۔ آپ کا وطن مالوف شام تھا۔ وہاں سے چل کر بغداد شریف آئے اور حضرت خواجہ ممشاد علی دینوری رحمتہ اللہ علیہ کے دراقدس پر حاضر ہوئے۔ آپ اپنے زمانے کے مرتاض بزرگ تھے۔ اکثر اپنی خانقاہ کا دروازہ بند رکھتے تھے جب کوئی آتا تو پوچھتے۔

"مسافر ہو یا مقیم"

اگر جواب ملتا مقیم ہوں تو ارشاد ہوتا۔

"خانقاہ میں آجاؤ۔"

اور اگر آنے والا کہتا مسافر ہوں تو کہتے

"خانقاہ تمہاری جگہ نہیں ہے۔ جب چند روز تم یہاں رہو گے تو مجھے تم سے انس ہو جائے گا اور جب جانے لگو گے تو مجھے تکلیف ہو گی اور مجھ میں فراق کی طاقت نہیں۔"

جب حضرت خواجہ ابواسحاق شامی رحمۃ اللہ علیہ آئے تو دریافت فرمایا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

عرض کیا۔

"ابو اسحاق شامی"

فرمایا۔

"آج سے لوگ تجھے ابواسحاق چشتی کہہ کر پکاریں گے۔ چشت اور اس کے نواح کے لوگ تجھ سے ہدایت پائیں گے اور ہر وہ شخص جو تیرے سلسلہ ارادت میں داخل ہو گا اس کو قیامت تک چشتی کہہ کر پکاریں گے۔"

اس کے بعد انہیں اپنے حلقہ مریدین میں شامل کر کے خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اور ارشاد حق کے لئے چشت روانہ کر دیا۔ جہاں آپ کی پرخلوص سعی

جمیلہ سے ایک عظیم الشان سلسلہ وجود میں آیا اور چشت بہت جلد ایک زبردست روحانی نظام کا مرکز بن گیا۔ اس سلسلہ کے دوسرے بزرگ حضرت خواجہ ابی احمد چشتی۔ حضرت خواجہ ابی محمد چشتی۔ حضرت خواجہ ابی یوسف چشتی اور حضرت خواجہ مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہم ہیں جو چشت میں قیام پذیر ہوئے۔ رشد و ہدایت میں تادم آخر مصروف رہے اور یہیں مدفون ہوئے۔ جنہیں پانچ تن کہا جاتا ہے۔ یہ تمام بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجر رحمتہ اللہ علیہ کے پیران عظام تھے لہٰذا آپ بھی چشتی مشہور ہوئے۔

تحصیل علم کے بعد اب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے وسیع میدان پڑا تھا۔ حضرت ابراہیم قندوزی مجذوب رحمتہ اللہ علیہ نے جو انوار الٰہیہ کے جلوے دکھائے تھے اور ان کا بیج کشت قلب و روح میں بویا تھا اس کی آبیاری اور نشو و نما کے لئے طریقت و حقیقت و معرفت کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کے شناور کسی ولی کامل کے قدموں سے وابستگی ازبس ضروری تھی لہٰذا مغرب یعنی عراق عرب کا رخ کیا جہاں ہر سلسلہ تصوف کے کبار اولیاء اللہ روحانیت سے لوگوں کو سیراب کر رہے تھے اور بے شمار بزرگان دین کے مقدس مزارات تھے۔ یہ اپنے رب کریم پر چھوڑ دیا تھا کہ تصوف کے جس دریا پر چاہے پہنچا دے۔

دوران سفر نیشاپور سے گزرے تو ماضی کی تلخ یادیں از سر نو تازہ ہو گئیں۔ شہر میں آبادی کے باوجود ویرانی کا احساس ہوا۔ کوئی شناسا و واقف کار دکھائی نہ دیا۔ ہم مکتبوں اور عظیم المرتبت اساتذہ کے چہرے نظروں کی سامنے یکے بعد دیگر آنے لگے جو خاک نشین ہو گئے تھے یا پھر نقل مکان کر گئے تھے۔ آپ اس شہر میں رکے نہیں بلکہ اجنبیوں کی طرح گزر گئے۔

بخارا اور سمرقند میں جب آپ زیر تعلیم تھے تو بغداد اور اس کے

مضافات میں کئی اولیاء کرام کا تذکرہ سن چکے تھے ان میں حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ بھی تھے۔ شب باشی کے لئے راستے میں جہاں کہیں پڑاؤ ڈالتے تو کسی نہ کسی طرح اسی بزرگ ہستی کا ذکر سننے میں آتا۔ اشتیاق پیدا ہوا کہ بغداد پہنچ کر ان کی زیارت سے آنکھیں روشن کروں گا۔

حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے پیشوا حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ ان کا لقب نیرالدین تھا۔ حضرت خواجہ مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ ابھی چودہ سال کے تھے کہ باوضو رہنے لگے۔ کپڑے پرانے اور پیوند لگے پہنتے تھے۔ فقرو تجرید کو اپنائے ہوئے تھے۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ تین روز کے بعد نمک کے بغیر سبزی سے روزہ افطار کرتے تھے۔ اس سبزی کو یہ شرف حاصل تھا کہ اگر کوئی تبرکاً" کھا لیتا تو مجذوب ہو جاتا تھا۔ چالیس سال آپ گوشہ نشین رہے اور ویرانے میں بسر اوقات کی۔ قوت لایموت کے لئے کھاتے تھے۔ دنیا سے سخت متنفر تھے۔ جب کوئی شخص ملاقات کے لئے حاضر خدمت ہونا چاہتا تو آپ کا خادم اسے کہتا۔

"دنیا اور اہل دنیا کا ذکر نہ کرنا۔"

ایک دن ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر نذرانہ پیش کیا تو انہوں نے فرمایا۔

"ہمیں اس کی حاجت نہیں ہے۔ یہ صحرا جو تم دیکھ رہے ہو خزانہ غیب سے بھرا پڑا ہے۔"

جب اس شخص نے اس طرف نظر کی تو سونے کی ایک ندی صحرا میں بہہ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا۔

حضرت شریف زندنی رحمتہ اللہ علیہ خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک مفلوک الحال فقیر حاضر ہوا اور عرض کی۔

" یا حضرت ! سات بیٹیاں ہیں۔ غربت و افلاس نے لاچار کر رکھا ہے۔ اگر آپ کے فیض سے رزق میں کشادگی ہو جائے تو بیٹیوں کے نکاح کے فریضہ سے سبکدوش ہو جاؤں۔ ساری عمر دعاگو رہوں گا۔"

آپ نے اس شخص کی بات سنی تو ارشاد فرمایا۔

" کل آنا کچھ سوچیں گے۔"

وہ شخص چلا گیا تو راستے میں ایک یہودی ملا۔ اس نے پوچھا۔

" کہاں گئے تھے ؟"

اس پریشان حال شخص نے سارا ماجرا سنا دیا۔ یہودی کہنے لگا۔

" حاجی شریف تو خود تہی دست و محتاج ہیں۔ تمہاری کیا مدد کریں گے۔ تم واپس ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ فلاں یہودی نے کہا ہے اگر حاجی شریف صاحب سات سال میری خدمت کا وعدہ کریں تو میں آج ہی سات ہزار سرخ دینار دینے کو تیار ہوں۔"

وہ شخص الٹے پاؤں واپس گیا اور سارا واقعہ سنایا۔ جب وہ بات ختم کر چکا تو حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

" مجھے منظور ہے۔"

اور اسی وقت اٹھ کے ساتھ ہو لئے۔ یہودی نے سات ہزار دینار لا کر اس شخص کے حوالے کر دیئے۔ اور حضرت صاحب اس کی خدمت کرنے لگے۔

بادشاہ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں سات ہزار دینار بھیجے تاکہ یہودی کا قرضہ ادا کر کے فارغ ہو جائیں۔ انہوں نے وہ دینار تو غربا میں تقسیم کر دیئے اور فرمایا۔

" میں نے یہودی کی سات سالہ نوکری کا عہد کیا ہے۔ اب اس عہد سے پھرنا مناسب نہیں۔"

یہودی نے جب آپ کی استقامت دیکھی تو قرض معاف کر دیا اور حضرت کو آزاد کر دیا۔ آپ نے یہودی کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

"تم نے مجھے آزاد کیا ہے میرا اللہ تمہیں آتش دوزخ سے آزاد کرے۔"

یہودی یہ دعا سن کر فوراً مسلمان ہو گیا اور مقبولین میں سے ہوا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ سوئے منزل کشاں کشاں چلے جا رہے تھے اور ذہن میں حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے مرشد کے واقعات گردش کر رہے تھے۔ منزل آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی۔ آپ پھر خیالات کے مرغزاروں میں کھو گئے اور پھر انہیں وہ واقعہ یاد آیا جب کسی شخص نے شاہ سنجر کو اس کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا۔

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

اس نے بتایا۔

"مجھے دوزخ کے شعلوں کے سپرد کرنے کا حکم دیا گیا۔ عذاب کے فرشتے لے جا رہے تھے کہ آواز آئی شاہ سنجر کو چھوڑ دو۔ اس نے ایک روز حضرت خواجہ شریف زندنی رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں نیازمندانہ حاضری دی تھی۔ اس مجلس کی برکت سے اسے بخش دیا گیا ہے۔"

چنانچہ مجھے رہائی ملی۔

اب دور سے بغداد شریف نظر آ رہا تھا۔ بعض مزارات کے گنبد بھی دکھائی دے رہے تھے۔

"اگر حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے مرشد کا یہ عالم ہے تو ان کا اپنا بھی کیا مقام و مرتبہ ہو گا۔"

ایک خیال ذہن سے گزرا۔ اسی اثنا میں آپ بغداد شریف کے دروازے پر پہنچ

چکے تھے۔ یہاں آپ کے والد محترم حضرت غیاث الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ بھی موجود تھے کیونکہ آپ کی والدہ حضرت ام الورع ان کی چچاز زاد بہن تھیں' لیکن آپ کے قدم یہاں رکے نہیں۔ سب سے پہلے حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کرنا چاہتے تھے۔

ہرون بغداد سے ایک یا ڈیڑھ منزل کے فاصلے پر کرمان شاہ کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کو ہارون آباد بھی کہتے ہیں لیکن درست نام ہرون ہے۔ طلب صادق ہو تو فاصلے بے معنی ہوتے ہیں مگر بغداد اور ہرون کے مابین تو بہت تھوڑا فاصلہ تھا لہٰذا آپ بجانب ہرون چل پڑے۔

جیسے جیسے منزل قریب آتی جارہی تھی ذہن میں مختلف النوع خیالات کا ہجوم ہو رہا تھا۔ کسی مقرب الٰہی کی بارگاہ میں یہ پہلی حاضری تھی۔ دور سے قصبہ ہرون دکھائی دے رہا تھا۔ راستے میں ایک شخص ملا تو اسے روک کر پوچھا۔

"دوست! حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کا آستانہ عالیہ کدھر ہے۔"

اس شخص نے انگلی کے اشارے سے ایک عمارت کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور چل پڑے۔ اب نظریں اس عمارت پر جمی ہوئی تھیں جہاں ایک ولی کامل کی ذات بابرکات نے ہرون اور اس کے گرد و نواح میں دور تک علاقے کو اپنی روحانیت سے جگمگا رکھا تھا۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ قدم خانقاہ کے دروازے پر جا کر رک گئے۔ ادب کا مقام تھا۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا ہر لحظہ نزول ہو رہا ہو تو وہاں بڑا پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہئے۔ آپ اسی ادھیڑبن میں تھے کہ خانقاہ کے اندر داخل ہوں یا نہ ہوں کہ ایک شخص باہر نکلا اور کہا۔

"حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ تشریف رکھتے ہیں اندر چلے جائیں۔"
یہ ۵۵۸ ہجری کا سن تھا۔ آپ نے اپنا جوتا باہر ہی اتار دیا اور اندر داخل ہو گئے۔

ایک کشادہ کمرے میں حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ مصلے پر تشریف فرما تھے۔ چہرہ مبارک پر نور برس رہا تھا۔ اردگرد محبین و مریدین و عقیدت مندوں نے اخلاص و محبت کے چراغ روشن کر رکھے تھے۔ حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ نے شراب وحدت و عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخمور نظریں اٹھا کر حضرت معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔ ساقی نے آنکھوں ہی آنکھوں سے آپ کو کچھ پلا دیا اور بڑی محبت و شفقت سے فرمایا۔
"بیٹا! ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔"
الفاظ تھے کہ دل کی گہرائیوں میں اتر گئے۔ والہانہ لپکے اور قدموں سے لپٹ گئے۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے محبت سے آپ کی پشت پر ہاتھ مبارک پھیرا اور پھر اپنے پاس بٹھایا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کو تصوف و معرفت کے جس دریا میں پہنچانا تھا پہنچا دیا تھا۔

خواجگان چشت کا دستور ہے کہ شکار کے پر کتر لیا کرتے ہیں۔ شکاری گھات میں تھا اور اس روز سے تھا جب سے حضرت ابراہیم قندوزی مجذوب رحمتہ اللہ علیہ نے کنجاری یا کھلی کا ٹکڑا کھلایا تھا۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے کشف سے معلوم کر لیا تھا کہ ایک دن معین الدین آئے گا اور اپنی امانت جو میرے پاس محفوظ ہے آ کر حاصل کرے گا۔ لہٰذا اسی دن سے نہ صرف اس کی حفاظت کا اہتمام کرنا شروع کر دیا تھا بلکہ مختلف مشکل

اور دشوار مقامات سے گزرا کر اس کی تربیت کا آغاز بھی کر دیا تھا۔

معرفت الٰہیہ کی امانت لینے والا آ گیا تھا۔ لہٰذا اس کی ادائیگی کے لئے ضروری اقدامات میں دیری کی گنجائش نہیں تھی۔ چنانچہ دوسرے دن حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ حضرت معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو ساتھ لے کر بغداد شریف میں مسجد جنید میں پہنچے۔ اس وقت وہاں بڑے بڑے بزرگ موجود تھے گویا رسم بیعت کی ادائیگی کا قبل از وقت ہی اہتمام کر رکھا تھا۔ اسی اثنا میں حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی زبان درفشاں کو جنبش دی۔

"معین الدین! تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرو۔"

حکم سننے کی دیر تھی کہ تعمیل ارشاد کے لئے فوراً اٹھے۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا۔

"قبلہ رو بیٹھ کر سورہ بقرہ پڑھو۔"

آپ نے تلاوت شروع کر دی۔ جب سورہ بقرہ پڑھ چکے تو حکم ہوا۔

"اکیس مرتبہ سبحان اللہ پڑھو"

جب حضرت معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ تکمیل ارشاد کر چکے تو مرشد نے کھڑے ہو کر اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور مرید کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔

"آؤ میں تمہیں اللہ ذوالجلال والاکرام تک پہنچا دوں"

اور پھر اپنے دست مبارک سے معین الدین کے سر پر قینچی چلائی اور کلاہ چہار ترک سر پر رکھا۔ گلیم خاص مرحمت فرمائی اور کہا۔

"بیٹھ جاؤ"

جب آپ بیٹھ گئے تو مرشد نے فرمایا۔

"ہمارے سلسلہ میں ایک دن رات کا مجاہدہ ہے لہٰذا آج کا دن اور رات ذکر و

عبادت میں گزارو۔"
حکم کی دیر تھی کہ گوشہ تنہائی میں چلے گئے اور ذکر و اذکار میں مشغول ہو گئے۔
دوسرے دن حاضر خدمت ہوئے تو بارگاہ مرشد میں ادب سے کھڑے رہے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا۔
"بیٹھو"
آپ دو زانو بیٹھ گئے تو مرشد کے الفاظ کانوں سے ٹکرائے۔
"اوپر دیکھو"
آپ آسمان کی طرف دیکھنے لگے تو دریافت فرمایا۔
"کہاں تک نظر جاتی ہے؟"
"عرش اعظم تک"
عرض کی۔ تو پھر ارشاد ہوا۔
"اب زمین کی طرف دیکھو"
تو آپ زمین کی طرف متوجہ ہوئے۔ مرشد نے پوچھا۔
"کہاں تک دیکھ سکتے ہو"
ادب سے عرض کی۔
"تحت الثریٰ تک"
حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ جب اپنا تصرف جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا تھا دکھا چکے تو حضرت معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ سے کہا۔
"ایک ہزار مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھو"
چنانچہ آپ اس عمل میں مشغول ہو گئے۔ جب عمل پورا ہوا تو مرشد نے فرمایا۔
"پھر آسمان کی طرف دیکھو"
آپ دیکھنے لگے تو کانوں سے یہ آواز ٹکرائی۔

"کہاں تک دیکھ سکتے ہو؟"

"حجاب عظمت تک"

"اب اپنی آنکھیں بند کرو"

مرشد کا فرمان سن کر آپ نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ آنکھیں کھولنے کو کہا گیا۔ آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ اب حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی دو انگلیاں آپ کے سامنے کیں اور پوچھا۔

"کیا دیکھتے ہو"

"یا حضرت! اٹھارا ہزار عالم دو انگلیوں کے درمیان دیکھ رہا ہوں۔"

آپ نے عرض کی تو مرشد نے فرمایا۔

"بس معین الدین تمہارا کام پورا ہو گیا"

سامنے ہی ایک اینٹ پڑی تھی۔ اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

"معین الدین! اسے توڑو"

جب اسے توڑا تو اس کے ریزے مٹھی بھر دینار بن گئے۔

"انہیں لے جا کر درویشوں میں صدقہ کرو"

مرشد کی آواز سنتے ہی آپ سنہری دینار لے کر مسجد سے باہر نکل گئے اور انہیں تقسیم کر کے واپس آئے تو وہاں موجود مشائخ و بزرگان دین نے آپ کو مبارکباد دی۔

"معین الدین! اب کچھ عرصہ ہمارے پاس رہو"

آپ نے سنا تو سر تسلیم خم کر دیا۔

چشتیوں کا اصول ہے کہ جس کا خود ہاتھ پکڑتے ہیں اس کو اسی لمحے اپنی روحانیت سے اس کا آخری مقام دکھا دیتے ہیں تاکہ اس کے حصول

کے لئے مرید خود جدوجہد کرے اور بغیر نفس و شیطان کے فریب میں آئے ہوئے منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ ایسے مواقعوں پر حرارت عشق آن واحد میں آسمان پر پہنچا دیتی ہے اور پھر بعد ازاں جو سعی ہوتی ہے وہ محض استقامت کے لئے ہوتی ہے۔

بیعت کے وقت حضرت معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی عمر مبارک چوبیس سال تھی۔ مرشد نے آپ کی طرف سے صدقہ دیا تھا جو اس امر کا غماز تھا کہ مرید کو اپنی وراثت و خلافت کے لئے چن لیا ہے۔ چنانچہ ہرون میں عبادت کے لئے آپ کو علیحدہ کمرہ دے دیا اور کچھ وظائف بتائے۔ لہٰذا آپ حسب الارشاد عبادت و ریاضت و مجاہدات میں شب و روز مشغول ہو گئے۔ اب آپ کی زندگی سمٹ کر ایک کمرے میں مقید ہو گئی تھی۔ یا پھر کبھی کبھی مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

باب ۳

ریاضت و عبادت و مجاہدات

حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمتہ اللہ علیہ جس عظیم ہستی کے مرید ہوئے تھے انہوں نے چند لمحوں میں اپنے مرید باصفا کو عرش اعظم، حجاب عظمت، تحت الثریٰ اور اٹھارا ہزار عالمین کا مشاہدہ کرا دیا تھا۔ اور چشم تصور سے میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اور حیران بھی ہو رہا تھا کہ کیسے کیسے ارفع و اعلیٰ اور مقرب الٰہی ہوئے ہیں۔ اس اثنا میں مجھے حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کا وہ شعر بھی یاد آیا جس میں آپ نے بجا طور پر فرمایا تھا۔ کہ اولیاء اللہ کے ساتھ ایک ساعت گزارنا صد سالہ عبادت بے ریا سے بدرجہا بہتر ہے۔ میں اس کی حقانیت کا شاہد تھا اور پھر خیال آیا کہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے محبت ہو اس کے قرب والوں سے بھی محبت اور ان کے بارے میں آگہی لازمی ہے۔

مرشد کے حکم سے حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمتہ اللہ علیہ سلوک کی پہلی منزل کے زینے پر قدم مبارک رکھ چکے تھے اور مخصوص کمرے میں محو عبادت و ریاضت تھے اور میں ان کے مرشد حضرت، خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے حالات زندگی کے کھوج میں چل پڑا اور مختلف کتب کی ورق گردانی کرنے لگا۔

حضرت خواجہ عثمان ہرونی قدس سرہ کی کنیت ابو نور تھی۔ طریقت و

شریعت کے علوم میں امام العصر تھے۔ اشراف اقطاب اور مقتدائے اقطاب مانے جاتے تھے۔ ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے۔ آپ کا شمار اکابر مشائخ چشتیہ اور اوالوالعزم صوفیا میں ہوتا ہے۔ کشف حقائق' تفرید اور شرح وقائق توحید میں عدیم المثال تھے۔ زندگی کے ستر سال ریاضت و مجاہدات میں گزارے تھے۔ تاحیات پیٹ بھر کر کھایا نہ پانی پیا۔ چار پانچ وقت کے فاقوں کے بعد چار پانچ لقمے تناول فرماتے تھے۔ کلام ربانی کے حافظ تھے۔ اکثر تلاوت فرماتے رہتے تھے۔ سماع کا ذوق تھا اور سنتے تھے۔ مستجاب الدعوات تھے۔ جو آپ کے لبوں سے نکل جاتا وہی ہوتا تھا۔ اکثر سفر میں رہتے تھے۔

آپ جب سماع سنتے تھے تو اس قدر گریہ و زاری کرتے اور نعرے لگاتے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے۔ خلیفہ وقت جو سلسلہ سہروردیہ میں مرید تھا ان کے ہاں سماع جائز نہیں لہٰذا اس نے آپ کو سماع سے منع کیا اور حکم دے دیا۔

" جو شخص سماع سنے اسے تختہ دار پر لٹکایا جائے اور قوالوں کو بھی قتل کر دیا جائے۔"

جب حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے شاہ کا یہ فرمان سنا تو فرمایا۔

" سماع اسرار الٰہی میں سے ایک راز ہے۔ جب بندہ اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہتا۔ یہ راز کبھی نہیں چھپایا جا سکتا اور کون ہے جو ہمیں سماع سے منع کرے۔"

خلیفہ وقت نے آپ کی یہ بات سنی تو قاصد کے ذریعے کہلا بھیجا۔

" آپ تشریف لائیں۔ علماء کے ساتھ بحث کریں۔ اگر علماء سماع کو جائز قرار دیں تو میں منع نہیں کروں گا۔"

چنانچہ آپ بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے۔

دربار میں تمام علماء جمع تھے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو خلیفہ وقت بیتاب و مضطرب ہو گیا اور پس پردہ بیٹھ گیا۔ سامنے بیٹھنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ علماء نے جب آپ کا نورانی چہرہ دیکھا تو حیرت بدنداں رہ گئے۔ سارا علم بھول گئے۔ حتیٰ کہ الف ب تک یاد نہ رہا۔ خلیفہ نے انہیں پس پردہ سے بحث کرنے کے لئے حوصلہ افزا کلمات کہے۔ مگر وہ عاجز و درماندہ تھے۔ منہ سے کچھ نکلتا ہی نہیں تھا۔ سارا علم سلب ہو گیا تھا۔ الغرض تمام علماء و اکابرین نے نہایت عجز سے اعتراف قصور کیا اور آپ کے قدموں پر گر پڑے اور التجا کی۔

"ہمارے اندر یہ طاقت و قابلیت نہیں کہ سماع کو ناجائز قرار دیں۔ ہمیں معاف فرما دیں اور ہماری ساری عمر کی کمائی علم کو لوٹا دیں۔"

آپ نے ارشاد فرمایا۔

"سماع کی قدر تم کیا جانو۔"

اور پھر جب ان علماء کی طرف نگاہ کرم سے دیکھا تو بھولا ہوا علم واپس آ گیا۔

آپ حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے جنہوں نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا تھا اور کلاہ چہار ترک بھی سر پر رکھا تھا اور فرمایا تھا۔

"عثمان! اس کلاہ سے مراد چار چیزوں کا ترک کرنا ہے اول ترک دنیا۔ دوم ترک عقبیٰ۔ سوم ترک طعام و منام مگر اتنا جس سے زندگی باقی رہے اور چہارم ترک خواہش نفس۔ جو شخص ان چار اشیاء کو ترک کر دیتا ہے اسے ہی یہ کلاہ زیب دیتا ہے۔"

چنانچہ آپ کے شب و روز نے ثابت کر دیا کہ وہی اس کے حقدار تھے۔ اور حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو بھی بوقت بیعت

کلاہ چہار ترک پہنایا تھا کیونکہ ان کی نگاہ میں اور کوئی آپ سے زیادہ اہل نہیں تھا۔

جب حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نماز شروع کرتے تھے تو غیب سے آواز آتی تھی۔

" اے عثمان! میں نے تجھے قبول کیا ہے اور پسند کیا ہے۔ اب مانگو جو مانگنا ہے تاکہ عطا کروں۔"

جب نماز سے فارغ ہوتے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے۔

" یا الٰہی! میں تجھ سے تجھی کو چاہتا ہوں۔"

جواب ملتا۔

" اے عثمان! جو کچھ تو نے طلب کیا میں نے دیا۔ خاطر جمع رکھو۔ اور اس کے علاوہ جو کچھ مانگو ملے گا۔"

عرض کرتے۔

" بارالٰہ! آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے گنہگاروں کو بخش دے۔"

آواز آتی تھی۔

" میں نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس ہزار گنہگاروں کو تیری بدولت بخش دیا۔"

آپ ہر نماز کے بعد یہی دعا کرتے تھے اور ہر بار یہی جواب سنتے تھے۔

اپنے مرشد حضرت خواجہ شریف زندنی رحمتہ اللہ علیہ کے حکم سے آپ نے بڑی سیر و سیاحت کی۔ ایک دن آپ ایسے علاقے سے گزرے جہاں آتش پرست آباد تھے۔ وہاں ان کا بہت بڑا آتش کدہ تھا جس کے اوپر بہت بڑا گنبد بنا ہوا تھا اور اس کے اندر آگ روشن تھی جس میں روزانہ کتنے ہی من

لکڑی جلتی تھی۔

آپ ایک ندی کے کنارے رک گئے اور اپنے خادم فخرالدین کو قصبہ میں بھیجا کہ جاکر وہاں سے آٹا اور آگ لے آئے تاکہ افطار کا بندوبست کیا جائے۔ خادم نے بازار سے آٹا خریدا اور پھر آتش کدہ کی طرف چل پڑا تا کہ تھوڑی سی آگ لے لے۔ اس وقت وہاں بہت سے آتش پرست آگ کی پوجا میں مصروف تھے اور ان کا سردار محیشا اپنے سات سالہ بچے کو گود میں بٹھائے موجود تھا۔ فخرالدین نے ان سے تھوڑی سے آگ مانگی تو محیشا نے کہا۔

" آگ ہمارا معبود ہے۔ اس آگ سے آگ دینا ہمارے مذہب میں جائز نہیں۔"

فخرالدین نے واپس جاکر سارا ماجرا حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے گوش گزار کیا۔ آپ اسی وقت اٹھے اور خادم کے ہمراہ وہاں پہنچے۔ اور محیشا سے مخاطب ہو کر کہا۔

" جو آگ تھوڑے پانی سے بجھ جائے اس کی پرستش کا کیا فائدہ۔ اپنے خالق اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں نہیں کرتے جو تمہارے کام آئے۔ یہ آگ تو اس کی مخلوق ہے۔"

اس دوران میں آتش پرست آگ کی پرستش بھول گئے اور باتیں سننے لگے جو ایک ولی کامل اور آتش پرستوں کے سردار کے مابین ہو رہی تھیں۔ حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کی بات سن کر محیشا نے جواباً" کہا۔

" ہمارے مذہب میں آگ کا بڑا مقام ہے اس لئے ہم اس کی پوجا کرتے ہیں۔"

" کتنے سالوں سے تم اس کی پوجا کر رہے ہو؟"

آپ نے دریافت کیا تو اس نے فخر سے جواب دیا۔

" بچپن سے ہی اس کا پجاری ہوں۔"

" اس کا مطلب ہے کئی سالوں سے تم اس کی پوجا کر رہے ہو۔ اس کے اندر ذرا ہاتھ ڈال کر تو دیکھو کہ یہ اپنی پرستش کرنے والوں کو جلاتی ہے یا نہیں۔"

محیشا نے سنا تو ششدر رہ گیا۔ بولا۔

" آگ کی خاصیت جلانا ہے۔ کون ہے جو اس کے نزدیک بھی پھٹک سکے۔"

حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے جلدی سے محیشا کے بچے کو اس کی گود سے اٹھایا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر آیت کریمہ قلنا ینار کونی برداً و سلماً علی ابراھیم (۶۹ / ۲۱) پڑھی اور آگ کے بھڑکتے شعلوں کے اندر داخل ہو گئے۔ آتش پرست چیخنے اور فریاد کرنے لگے۔

" بچے کو چھوڑ دیں"

اور پھر حیرت بدنداں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگے۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ اور بچہ دونوں آگ کے شعلوں کے درمیان بیٹھے تھے اور آگ کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

چند گھنٹوں کے بعد آپ بچے کو لے کر آگ سے باہر تشریف لائے کسی کا ایک بال تک نہیں جلا تھا۔ محیشا نے لپک کر بچے کو اٹھا لیا اور پوچھا۔

" وہاں تم نے کیا دیکھا۔"

بچے نے جواب دیا۔

" ابا جان! وہاں تو ہر سو پھول ہی پھول تھے۔ اور یہاں کی نسبت بڑی اچھی خنکی تھی۔"

آپ کی کرامت دیکھ کر آتش پرستوں کو اپنی زندگی سے نفرت ہو گئی۔ سوچنے لگے۔

" آتش پرستی میں ساری زندگی رائیگاں چلی گئی ہے۔"

بس پھر کیا تھا فوراً آپ کے دست حق پرست پر مسلمان ہو گئے۔ آپ نے محیشا

کا نام عبداللہ اور اس بچے کا نام ابراہیم رکھا۔ باقیوں کے نام بھی تبدیل کئے۔ اسلام کے بارے میں بتایا اور پھر ایک وقت آیا کہ باطنی تصرف سے دونوں باپ بیٹا ولایت و ارشاد کے مقام پر فائز ہوئے۔

ایک دن آپ تشریف فرما تھے۔ بہت سے لوگ مودب بیٹھے ارشادات عالیہ سے بہرہ ور ہو رہے تھے کہ اسی ہنگام ایک پریشان حال شخص اندر داخل ہوا۔ چہرے سے لگتا تھا کہ عرصہ دراز سے ذہنی و روحانی کرب کا شکار ہے۔ قریب آیا اور ہاتھ باندھ کر خاموش بیٹھ گیا۔

"کیا حال ہے؟"

آپ نے دریافت فرمایا۔

"یا خواجہ! چالیس سال ہوئے میرا بیٹا گھر سے غائب ہو گیا تھا۔ جگہ جگہ کی خاک چھان ماری کہیں نہیں ملا۔ کچھ خبر نہیں کہاں اور کس حالت میں ہے۔ میرے حال پر رحم فرمائیں۔ دعا کریں بیٹا واپس آجائے۔"

حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی عرض سنی تو دیر تک مراقبہ کیا اور پھر آنکھیں کھول کر حاضرین محفل سے فرمایا۔

"سورہ فاتحہ اس نیت سے پڑھو کہ اس کا لڑکا واپس آجائے۔"

سب پڑھنے لگے۔ آپ دوبارا مراقب ہوئے اور پھر اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"جاؤ تمہارا بیٹا گھر آگیا ہے۔"

جب سنا تو اس کے دل کی خوشی چہرے پر چمکنے لگی۔ فوراً اٹھا اور گھر کی جانب بھاگتا ہوا گیا۔ دور سے ہی کسی نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

"مبارک ہو، تمہارا لڑکا گھر آگیا ہے۔"

اب وہ اور تیزی سے بھاگنے لگا۔ جب گھر کے اندر داخل ہوا تو سامنے بیٹا بیٹھا

تھا۔ فرط محبت سے اسے گلے لگایا۔ بوسہ دیا اور ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"آؤ"

بیٹا ساتھ ہو لیا اور دونوں تیز تیز ڈگ بھرتے ہوئے حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں میں حاضر ہوئے۔

"حضور! میرا بیٹا"

اس شخص کی خوشی سنبھالے نہیں سنبھلتی تھی۔

"تم کہاں تھے اور کیسے آئے ہو؟"

آپ نے اس کے لڑکے سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ تو اس نے عرض کی۔

"یا شیخ! کچھ لوگ مجھے پکڑ کر دریائے دیوان کے جزائر میں سے ایک جزیرے میں لے گئے تھے اور میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں۔ آج بھی پابجولاں وہیں تھا کہ بالکل آپ کے ہم شکل ایک بزرگ تشریف لائے اور فرمایا۔

"کھڑے ہو جاؤ۔"

میں کھڑا ہوا تو انہوں نے جونہی اپنے مبارک ہاتھ میری بیڑیوں کو لگائے تو وہ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا۔

"اپنے پاؤں میرے پاؤں پر رکھو اور آنکھیں بند کر لو"

میں نے حسب الارشاد آنکھیں بند کر لیں اور پھر انہوں نے کہا۔

"آنکھیں کھولو۔"

چنانچہ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو خود کو گھر کے دروازے کے سامنے پایا۔ اور وہ بزرگ غائب تھے۔

نصف شب کے قریب چند کفار کسی جگہ بیٹھے تھے کہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی بزرگی و عظمت کا ذکر چھڑ گیا۔ آپ کی کرامات کی بات ہوئی تو ان کے مابین اختلاف رائے پیدا ہوا کیونکہ ان کا ذاتی مشاہدہ نہیں

تھا اور معلومات صرف شنید کی حد تک محدود تھیں۔ چنانچہ انہوں نے باہمی فیصلہ کیا کہ ابھی حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس چلتے ہیں اور آزما لیتے ہیں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ لہٰذا انہوں نے اپنے اپنے دل میں ٹھان لی کہ انہیں کھانے میں کیا ملے۔ اور وہ اشیاء بھی ایسی تھیں جو اسوقت دستیاب نہ ہوں۔

جب کفار لوگ آپ کی بارگاہ اقدس میں پہنچے تو آپ نے انہیں بٹھایا اور فرمایا۔

"اے فرزندان آدم! اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور جس پر کرم فرماتا ہے اسے بھی غیب سے مطلع فرما دیتا ہے۔"

اور پھر اپنے خادم کو حکم دیا۔

"ان کے ہاتھ دھلاؤ۔"

جب وہ ہاتھ دھو چکے تو آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور آسمان کی طرف ہاتھ بڑھا کر عالم غیب سے طعام کا ایک طبق لیا اور ایک کے سامنے رکھ دیا۔ پھر ویسے کیا اور طبق پکڑ کر دوسرے کے آگے رکھ دیا۔ الغرض جتنے لوگ تھے اتنی بار آسمان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ طعام کا طبق پکڑا اور باری باری سب کے آگے رکھ دیا۔ ہر ایک کے سامنے اس کی پسند کا کھانا موجود تھا۔

کھانا اتنا لذیذ تھا کہ آج تک نہیں کھایا تھا۔ عرض گزار ہوئے۔

"یا حضرت! اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو کیا اللہ تعالیٰ ہم کو بھی آپ جیسا مرتبہ و عظمت عطا فرمائے گا۔"

ان کی بات سنی تو ارشاد فرمایا۔

"میں بیچارا کیا ہوں اور کس شمار میں ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنا لطف و کرم کرے تو مجھ سے ہزار مرتبہ زیادہ تم کو صاحب نعمت بنا سکتا ہے۔"

یہ سن کر سب کے سب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خدمت میں رہنے لگے حتیٰ کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے مقبولین میں سے ہو گئے۔

جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے مرشد گرامی حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے حالات و احوال نظروں سے گزرے تو بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

"اولیاء اللہ کی زندگی کس قدر قابل رشک ہے۔ سبحان اللہ یہ کتنی عظیم ہستیاں ہیں۔ اور وہ لوگ کتنے مبارک ہیں جنہیں ان کے قدموں میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہے۔"

اور پھر میں نے اس حجرے کی طرف دیکھا جس کے اندر حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ معتکف عبادت و ریاضت میں مصروف تھے۔ اندر سے اللہ اللہ کی روح پرور و جانفزا آواز آرہی تھی جس سے فضا میں عجیب طرح کا کیف و سرور بکھرا پڑا تھا۔

عزلت نشینی میں عبادت و ریاضت و مجاہدات کا عرصہ اڑھائی سالوں پر پھیل گیا۔ اس دوران میں آپ کے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی نظر آپ کے باطن پر رہتی تھی جو اپنی روحانیت سے آپ کو سلوک کی منازل زینہ بہ زینہ طے کرا رہے تھے۔

جب اڑھائی سال بیت گئے تو مرشد نے آپ کو گوشہ نشینی سے باہر آنے کو فرمایا اور کہا۔

"معین الدین! اب کچھ وقت میرے ساتھ گزارا کرو۔"

آپ نے ادب سے سر جھکا دیا۔ محفل سماع بھی منعقد ہوتی تھی، علم و عرفان و

ذکر کی مجلسیں بھی سجتی تھیں۔ غرض مند دیوانے بھی آتے تھے' محبت کے پیاسے بھی حاضر ہوتے تھے۔ صراط مستقیم کے متلاشی بھی در اقدس پر دستک دیتے تھے۔ الغرض ہر طرح کے لوگ آتے تھے اور مرادوں سے جھولیاں بھر کر لوٹتے تھے۔ اس دوران میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ خاموش بیٹھے رہتے تھے اور جس طرح مرشد دوسروں کی دستگیری و رہنمائی فرماتے تھے اس کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے۔ چند دنوں کے بعد مرشد نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"بیٹا معین الدین! دنیا تجربہ گاہ ہے۔ مزرع آخرت ہے۔ مشاہدات کا وسیع و عریض میدان ہے۔ یہاں علم الیقین' حق الیقین اور عین الیقین کی سرسبز و شاداب چراگاہیں بھی ہیں اور منافقتوں اور گمراہیوں کے دلدل بھی۔ یہاں خواہشات انسانی کے اندھیرے بھی ہیں اور خلوص کے اجالے بھی۔ حق کے منور راستے اور ناحق کے اندھے غار بھی یہاں ہیں۔ نفرتیں بھی یہاں بستی ہیں اور محبتیں بھی قیام پذیر ہیں۔ زمانہ سب سے بڑا استاد ہے۔ سیروا فی الارض سے انسان کو جو علم و مشاہدہ و تجربہ حاصل ہوتا ہے وہ خالص اور سچا ہوتا ہے اور ان کا کتب میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ لوگوں کے رشد و ہدایت اور انہیں ظلمت سے نور کی طرف رہنمائی کے لئے زندگی کے صحراؤں' نخلستانوں' دلدلوں' گلستانوں' اندھیروں' طوفانوں اور سمندروں سے حقائق کی جستجو لازمی ہے۔ لہٰذا تم حجرے کی دنیا سے نکل کر دنیا کی وسعتوں میں گشت کرو اور جب مشاہدات و تجربات سے دامن بھر جائے تو لوٹ آنا۔"

جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے سنا تو عرض کی۔

"یا مرشدنا! میری تمنا ہے کہ تاحیات آپ کے قدم میمنت لزوم سے چمٹا

رہوں۔"

"گھبراؤ نہیں۔ انشاء اللہ ہر مقام پر تم ہم کو اپنے ساتھ پاؤ گے۔"

"آپ بہتر سمجھتے ہیں۔"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے جواباً عرض کیا اور اٹھ کر اپنے حجرے میں تشریف لے گئے۔ مرشد سے جدائی کے غم نے آنسوؤں کی صورت اختیار کرلی اور رخساروں پر بہنے لگے۔

دوسرے دن جب آپ ہرون سے روانہ ہونے لگے تو حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ کو سینے سے لگایا اور دعاؤں کے سایہ میں روانہ ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ خانقاہ سے باہر نکل کر آپ نے محبت کی نظر سے اس کے در و دیوار کو دیکھا۔ آنکھیں نم آلود ہو گئیں اور پھر ایک طرف چل پڑے۔ زاد راہ پاس تھی نہ سنگی ساتھی۔ دنیا کی لامحدود وسعتیں سامنے تھیں اور آپ۔ نہ کوئی منزل متعین تھی نہ جادہ۔ انگنت اقسام کے سوالات و خیالات نے ذہن میں ہجوم کر رکھا تھا۔ اور جب آپ سوچوں کے جال کو توڑ کر باہر نکلے تو آپ کے قدم کسی انجانی راہ کی طرف اٹھ رہے تھے۔

باب ۴

مشاہدات و تجربات

راہ سلوک میں جب مرشد اپنے مرید کو گامزن کرتا ہے تو اس کے قدم از خود نہیں اٹھتے بلکہ متعینہ منزل کی طرف اس کا مرشد اپنی روحانیت کے تحت اس کے قدم اٹھواتا ہے۔ اسے کبیر و صغیر مشاہدات سے روشناس کراتے ہوئے مختلف اولیاء اللہ و بزرگان دین کے قریب ہونے کا موقع فراہم کرتا ہے تاکہ ان کی روحانی محافل میں بیٹھ کر مزید فیوض و برکات حاصل کرے۔

ہر ولی اللہ کی محفل کا رنگ جداگانہ ہوتا ہے۔ اور جب کوئی راہ سلوک کا مسافر مختلف مقربین الٰہی کے قرب میں زندگی کے چند ایام' مہینے یا سال بسر کرتا ہے تو وہ مختلف نورانی رنگوں میں رنگ جاتا ہے۔ اس کا سراپا رنگین ہو جاتا ہے اور پھر اسے یہ شرف حاصل ہو جاتا ہے کہ جو بھی کوئی اس کے حلقہ میں داخل ہو اسے بھی رنگ شہودی میں رنگ دے۔ اس کی حیات پر اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے پیار کا رنگ چڑھا دے جو سب سے افضل' اعلیٰ اور دائمی ہے۔

اولیاء اللہ کی خانقاہیں اور ڈیرے نور کے جزیرے ہیں۔ اللہ کی رحمتوں کے گہوارے ہیں۔ انوار و تجلیات ربانی کے مراکز ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ سلوک کی پہلی منزل عبادت و ریاضت و مجاہدات سے گزر کر سلوک کی دوسری منزل میں قدم بڑھا رہے تھے۔ انہوں

نے اپنی ذات کی نفی کر دی تھی۔ کامل طور پر خود کو مرشد کے حوالے کر دیا ہوا تھا۔ آپ کا اعتقاد تھا کہ پیرو مرشد جس راہ پر چلا رہا ہے وہی بہتر ہے۔ سامنے کوئی منزل تھی نہ جادہ مگر قدم اٹھ رہے تھے۔ چند دنوں کی مسافت کے بعد آپ ایک پہاڑی مقام پر پہنچے۔ بڑا خوش کن منظر تھا۔ آفتاب سرخی افق کے پہلو میں تھا۔ کچھ دور فاصلے پر ایک قصبہ دکھائی دیا۔ جب آپ نے ایک موڑ کاٹا تو سامنے اونٹنی سوار پر نظر پڑی۔

"اے اونٹنی سوار! سامنے کونسا قصبہ ہے؟"

آپ نے قدرے بلند آواز سے پوچھا۔

"یہ سنجار ہے"

اونٹنی سوار نے جواب دیا اور دوسری سڑک پر ہو لیا۔

سنجار کو کتب میں سنجان بھی لکھا جاتا ہے لیکن یہ درست نہیں۔ موصل سے لوگ اڑھائی گھنٹے میں یہاں پہنچتے تھے۔ مغرب کی نماز کا وقت قریب آ رہا تھا۔ باجماعت نماز کی ادائیگی کے لئے آپ نے اپنی رفتار تیز کر دی اور جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تو مکبر تکبیر پڑھ رہا تھا۔

نماز سے فراغت کے بعد حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمتہ اللہ علیہ مسجد میں ہی بیٹھے رہے۔ نمازیوں نے دیکھا کہ مسافر ہے تو آپ کے پاس آ گئے۔

"کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

ایک شخص نے دریافت کیا۔

"ہرون سے۔"

آپ نے جواب دیا۔

"حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے قصبے سے۔"

کئی آوازیں یکبارگی فضا میں ابھریں۔ جیسے اس نام کے سننے سے انہیں راحت نصیب ہوئی ہو۔

"جی ہاں! وہ میرے پیرو مرشد ہیں۔"

"آپ ان کے مرید ہیں۔ کیا اسم گرامی ہے۔"

"معین الدین۔"

لوگوں نے سنا تو مودب ہو کر بیٹھ گئے۔

"سنجار میں آپ کا کوئی جان پہچان والا ہے؟"

ایک شخص نے دریافت کیا۔

"نہیں۔"

"آج آپ میرے مہمان ہیں۔ تشریف رکھیں میں کھانا لے کر آتا ہوں۔"

وہی شخص پھر بولا اور اٹھ کر جانے لگا۔

"اس تکلیف کی ضرورت نہیں ہے بھائی۔"

آپ نے کہا تو وہ رک گیا اور عرض کی۔

"یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کی خدمت نہ بجا لاؤں۔ آپ مسافر بھی ہیں اور حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید بھی۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور آپ ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص کھانا لے آیا۔ آپ نے قوت لایموت کے تحت تھوڑا سا کھایا اور اللہ کا شکر بجا لائے۔

"یہاں سے کہاں جانے کا ارادہ ہے؟"

اس شخص نے پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

"اللہ بہتر جانتا ہے۔"

"حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ آج کل اسی قصبے میں مقیم ہیں۔ ولی

کامل ہیں۔ ان کی زیارت ضرور کریں۔"

اس شخص سے سنا تو آپ کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔

"ابھی چلتے ہیں ان کی خدمت میں۔"

آپ نے فرمایا تو اس شخص نے ہاتھ باندھ دیئے اور عرض کی۔

"آج رات مجھے اپنی خدمت میں رہنے دیں۔ حق میزبانی ادا کرنے دیں اور صبح تشریف لے جائیں۔"

آپ نے اس شخص کی محبت اور اخلاص کو دیکھا تو اس کی بات مان لی۔ وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا۔

اولیاء اللہ کا ذکر عود و عنبر کی خاصیت رکھتا ہے اس سے مشام جان کو تازگی نصیب ہوتی ہے۔

"حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں آپ اور کیا جانتے ہیں؟"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے دریافت کیا تو وہ گویا ہوا۔

"حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کا اسم گرامی احمد بن عمر خیوقی ہے۔ لقب کبریٰ ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب آپ علم متداولہ کے حصول میں مصروف تھے تو جس کسی سے مباحثہ و مناظرہ کرتے اس پر غالب آجاتے تھے۔ پس لوگ آپ کو طامتہ الکبریٰ کہنے لگے۔ اس کا مطلب ہے بڑی بلا۔ لیکن رفتہ رفتہ لفظ طامتہ ساقط ہو گیا اور کبریٰ رہنے دیا۔

آپ کاملین وقت اور اکابر اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ سلسلہ فردوسیہ کے مشائخ کے سردار ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع ہیں۔ آپ کے نزدیک سکر صحو سے زیادہ عزیز ہے۔ تحصیل علوم ظاہری سے فراغت کے بعد آپ اسناد

حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہمدان میں وہاں کے محدثین سے حدیث کی اجازت حاصل کی۔ اسی دوران میں سنا کہ اسکندریہ میں ایک محدث عظیم موجود ہیں جو فن حدیث پاک میں بلند مقام و درجہ رکھتے ہیں چنانچہ وہیں سے آپ نے اسکندریہ کا رخ اختیار کیا اور ان کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور ان سے بھی اجازت حاصل کی۔

جب آپ اسکندریہ سے واپس آنے لگے تو نصیب جاگ اٹھا۔ رات کو سرور کونین رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور اپنے دیدار سے مشرف فرمایا۔ آپ نے حالت رویاء میں ہی بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درخواست کی۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری کوئی کنیت رکھ دیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سماعت فرمایا تو مبارک لبوں پر تبسم کھل گیا اور ارشاد فرمایا۔

"تمہاری کنیت ابو الجناب ہے۔"

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ نے درخواست کی۔

"یا ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم! ابو الجناب مخففہ۔"

اس پر ارشاد گرامی ہوا۔

"مشیددہ ابوالجناب۔"

جب آپ خواب سے بیدار ہوئے تو کنیت کا یہ مطلب سمجھے۔

"دنیا سے اجتناب کرنا۔"

یہ مفہوم روشن ہونے کی دیر تھی کہ اسی ہنگام تجرد و تفرید کو اپنا لیا اور کسی مرشد کی جستجو میں چل پڑے۔"

حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمتہ اللہ علیہ بڑے غور سے

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کے واقعات سن رہے تھے۔ اس شخص نے قدرے توقف کیا اور پھر کہنے لگا۔

" چلتے چلتے حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ شہر تبریز میں پہنچے جہاں محی السنتہ کے ایک شاگرد کے پاس جو علم میں بلند مرتبہ رکھتے تھے کتاب شرح السنۃ پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن استاد کے سامنے ارباب علم و فضل بیٹھے تھے اور شرح السنہ کا درس جاری تھا کہ اسی اثنا میں ایک درویش آیا۔ چہرے سے بڑا جلال ٹپک رہا تھا اس کو دیکھتے ہی حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کی حالت متغیر ہو گئی۔ پڑھنے کی ہمت نہ رہی۔ عجیب طرح کی بے قراری نے احاطہ کر لیا تھا۔

" یہ کون بزرگ ہیں ؟"

آپ نے مضطربانہ پوچھا۔ لوگوں نے کہا۔

" یہ بابا خرج تبریزی مجذوبان و محبوبان الٰہی میں سے ہیں "

اتنی دیر میں وہ بزرگ تشریف لے جا چکے تھے۔

دوشیزۂ شب دبے گام گزر رہی تھی لیکن حضرت شیخ کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ بڑے بے چین تھے۔ نیند کوسوں دور تھی۔ حضرت خرج تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کا پر جلال و ہیبت چہرہ نظروں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ جب صبح ہوئی تو اپنے استاد محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

" بابا خرج تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کی آرزو ہے۔"

استاد نے آپ کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور تمام شاگردوں کے ہمراہ حضرت بابا تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ کی طرف چل پڑے۔

" ہم حضرت تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔"

استاد محترم نے بابا شاداں سے کہا۔ اس نے انہیں رکنے کو کہا اور خود اندر جا کر

اس جماعت کی بازیابی کی اجازت طلب کی۔
"ان سے جا کر کہہ دو اگر اس طرح آسکتے ہیں جیسے بارگاہ ایزدی میں ادب و انکساری کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں تو آسکتے ہیں۔"

حضرت بابا شاداں نے باہر آکر بتایا تو سب نے اپنے ہاتھ سینے پر باندھ لئے اور خانقاہ کے اندر داخل ہوئے اور مودب دو زانو بیٹھ گئے۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ حضرت بابا خرج تبریزی رحمتہ اللہ علیہ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ چہرہ مثل آفتاب چمکنے لگا' جسم بڑھنے لگا یہاں تک کہ جو کپڑے زیب تن کر رکھے تھے پھٹ گئے۔ جب وہ عالم صحو میں آئے تو اپنی جگہ سے اٹھے سب حاضرین بھی ادب سے کھڑے ہو گئے۔ حضرت بابا رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پھٹے ہوئے کپڑے حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کو پہنائے اور فرمایا۔
"تمہارا وقت اب کتب بینی کا نہیں بلکہ دنیا کے سردفتر بن جاؤ۔"
یہ فرمانے کی دیر تھی کہ حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کا حال بدل گیا دل ماسوا سے منقطع ہو گیا تھا۔ باطن میں انقلاب عظیم برپا ہو چکا تھا۔
جب وہ لوگ خانقاہ سے باہر آئے تو استاد محترم نے کہا۔
"نجم الدین! میں سمجھتا ہوں کہ آج کے بعد تم پر باطنی علوم منکشف ہوں گے۔ کتاب شرح السنہ تھوڑی سی رہ گئی ہے۔ علم حدیث میں اس کا بلند مقام ہے۔ دو تین دن محنت کر کے اسے ختم کر لو۔ پھر تم کو اختیار ہے۔"
حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ استاد کی بات رد نہ کر سکے۔

دوسرے دن جب آپ درس میں شامل ہوئے تو حضرت خرج تبریزی رحمتہ اللہ علیہ اندر داخل ہوئے اور حضرت کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"کل تم علم الیقین سے ہزار منزل آگے بڑھ گئے تھے اور آج پھر علم کی طرف

لوٹ آئے ہو۔"

یہ سنا تو حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ نے اسی وقت سبق چھوڑ دیا اور خلوت کی ریاضتوں میں مشغول ہو گئے۔ علم لدنی اور غیبی واردات ظہور میں آنے لگیں تو دل میں خیال آیا۔

"کیوں نہ انہیں قلمبند کر لیا جائے ورنہ تلف ہو جائیں گی۔"

پس آپ نے انہیں ضبط تحریر میں لانا شروع کر دیا۔ لیکن جونہی آپ نے قلم اٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے حضرت بابا تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کھڑے ہیں۔ فرمانے لگے۔

" شیطان تم کو پریشان کر رہا ہے۔ ان باتوں کو مت لکھو۔"

چنانچہ آپ نے قلم دوات اٹھا کر پھینک دیا اور دل کو تمام باتوں سے خالی کر لیا۔"

یہاں تک بیان کرنے کے بعد وہ شخص تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ بھی چپ تھے۔

" اللہ والوں کے ذکر سے ہی روح تازہ ہو جاتی ہے۔"

یہ فقرہ اس شخص نے خود سے کہا اور پھر زبان کو جنبش دی۔

" اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ نے شہر تبریز کو خیر باد کہا اور کسی نامعلوم منزل کی طرف چل پڑے۔ دوران سفر کئی بزرگوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ چونکہ بہت علم پڑھ لیا تھا لہٰذا کسی سے اعتقاد درست نہ ہوا۔

ایک دن جب آپ ملک خوزستان میں وارد ہوئے تو وہاں پہنچ کر وجع مفاصل یعنی گنٹھیا کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ مرض میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔ نوبت یہاں تک آپہنچی کہ کوئی اپنے پاس جگہ نہیں دیتا تھا۔ ایک دن

عاجز آکر کسی سے دریافت کیا۔

" یہاں کوئی ایسا شخص ہے جو کسی مسافر کو اپنے ہاں جگہ دے سکے تاکہ چند روز آرام کر سکوں۔"

" تم شیخ اسمٰعیل قصری کی خانقاہ میں چلے جاؤ۔ وہ تمہیں جگہ بھی دیں گے اور تیمارداری بھی کریں گے۔"

اس شخص نے بتایا تو حضرت شیخ کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ لوگوں سے پوچھتے ہوئے اس طرف چل پڑے۔ جب وہاں پہنچے تو انہوں نے آپ کو ایک صفہ پر جگہ دے دی۔ یہ صفہ درویشوں کے صفہ کے بالمقابل تھا۔ آپ وہاں قیام پذیر ہو گئے۔ لیکن بیماری میں روزافزوں اضافہ ہو تا گیا۔

حضرت شیخ اسمٰعیل قصری رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں سماع ہو تا تھا اور حضرت شیخ کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ اس کے سخت مخالف و منکر تھے۔ جب بھی سماع کی آواز کان میں پڑتی تو کہنے لگتے۔

" مجھے جس قدر تکلیف اس سماع سے ہے بیماری سے نہیں ہے۔"

لیکن بیماری کی وجہ سے کہیں جانے سے بھی قاصر تھے۔

ایک دن سماع ہو رہا تھا۔ حضرت شیخ اسمٰعیل قصری رحمتہ اللہ علیہ سماع کی کیفیت سے سرشار حضرت شیخ کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔

" اٹھنا چاہتے ہو"

" جی ہاں"

آپ نے عاجزانہ انداز میں کہا تو حضرت شیخ اسمٰعیل قصری رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور بغل میں لے کر محفل سماع میں لے گئے اور خوب چکر دیئے۔ پھر دیوار کے سہارے کھڑا کر دیا۔

"میں گر جاؤں گا"

آپ کے منہ سے نکلا اور پھر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو آپ نے خود کو بالکل تندرست پایا۔ لہٰذا آپ کو حضرت شیخ اسمٰعیل قصری رحمتہ اللہ علیہ سے خاص قسم کی عقیدت پیدا ہو گئی۔ دوسرے دن آپ نے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیعت سے مشرف ہوئے اور سلوک کی راہ پر گامزن ہوئے۔ کافی عرصہ ان کی خدمت میں رہنے کے بعد جب آپ کو علم باطن سے آگہی ہوئی تو ایک دن دل میں وسوسہ پیدا ہوا۔

"نجم الدین تیرا علم ظاہر حضرت قصری رحمتہ اللہ علیہ سے زیادہ ہے۔"

اگلے دن علی الصبح مرشد نے طلب فرمایا اور کہا۔

"اب تم سفر کی تیاری کرو اور حضرت شیخ عمار یاسر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں جاؤ۔"

آپ سمجھ گئے کہ رات کو جو وسوسہ دل میں پیدا ہوا تھا مرشد کو اس کے بارے میں بذریعہ کشف معلوم ہو گیا ہے لیکن خاموش رہے اور مرشد کے حکم کے مطابق حضرت شیخ عمار یاسر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں پہنچ گئے۔ ان کے پاس ایک عرصہ تک رہے اور جس مقام پر حضرت شیخ اسمٰعیل قصری رحمتہ اللہ علیہ نے پہنچایا تھا ان سے اگلی سلوک کی منازل طے کرانے لگے۔ وقت گزرتا رہا' شیطان ہر وقت انسان کی تاک میں لگا رہتا ہے اور بے راہ کرنے پر کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا۔ ایک دن پھر وہی وسوسہ دل و دماغ پر چھایا۔

"علوم ظاہر میں مرشد سے میں بہتر ہوں"

دوسرے دن حضرت شیخ عمار یاسر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرید حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کو بلایا اور فرمایا۔

"نجم الدین! اٹھو اور مصر میں حضرت شیخ روزبہان رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جاؤ

تیرے دل میں جو وساوس جنم لیتے ہیں وہ انہیں نکالیں گے۔"

چنانچہ آپ نے رخت سفر باندھا اور مصر کا رخ کیا۔

جب آپ منزل مقصود پر پہنچے تو خانقاہ کے اندر حضرت شیخ روزبہان رحمتہ اللہ علیہ کے تمام مریدین مراقبے میں مشغول تھے۔ کسی نے بھی حضرت کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کی طرف توجہ نہیں کی۔ قدرے انتظار کے بعد آپ نے قریب ہی کھڑے ایک شخص سے پوچھا۔

"اس جماعت میں شیخ کون ہیں۔"

"وہ باہر وضو کر رہے ہیں۔"

اس شخص نے بتایا تو آپ باہر چلے گئے۔

حضرت شیخ روزبہان رحمتہ اللہ علیہ بڑے تھوڑے پانی سے وضو فرما رہے تھے۔ آپ کے دل میں خیال گزرا۔

"شیخ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ تھوڑے سے پانی سے وضو جائز نہیں ہے۔ پھر یہ شیخ کیسے بن گئے۔"

وضو کے بعد وہ خانقاہ میں تشریف لے گئے اور تحیۃ الوضو پڑھنے میں مشغول ہو گئے اور حضرت شیخ انجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ منتظر کھڑے رہے کہ شیخ سلام پھریں تو خدمت عالیہ میں سلام عرض کریں۔ لیکن وہ نماز میں کھڑے کھڑے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ادھر آپ کی نظروں کے سامنے یہ منظر گھوم گیا کہ قیامت قائم ہے۔ دوزخ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور فرشتے لوگوں کو پکڑ کر آگ میں پھینک رہے ہیں۔ آگ کے راستے میں ایک ٹیلہ ہے جس پر ایک شخص بیٹھا ہوا ہے۔ جو شخص یہ کہہ دیتا ہے کہ میرا تعلق ٹیلے پر بیٹھے ہوئے شخص سے ہے فرشتے اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی اثنا میں فرشتے حضرت کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کو پکڑ لیتے ہیں اور کھینچ کر دوزخ کی طرف

لے چلے۔ جب آپ ٹیلے کے قریب پہنچے تو بولے۔

"میرا تعلق بھی ٹیلے والے شخص سے ہے"

فرشتے آپ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ ٹیلے پر گئے دیکھا تو وہ حضرت روزبہان رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ آپ ان کے سامنے گئے اور خود کو ان کے قدموں پر گرا دیا۔ انہوں نے زوردار دوہتڑ آپ کی پیٹھ پر مارا جس سے آپ زمین پر گر پڑے اور فرمایا۔

"آئندہ اہل حق کا انکار نہ کرنا۔"

جب آپ گر پڑے تو آپ کو ہوش آ گیا۔ اس وقت حضرت روزبہان رحمتہ اللہ علیہ نماز سے سلام پھیر چکے تھے آپ نے آگے بڑھ کر ان کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے ظاہر میں بھی اسی طرح پیٹھ پر دو تہڑ مارا اور وہی الفاظ فرمائے۔ بس پھر کیا تھا آپ کے دل کی بیماری رخصت ہو چکی تھی۔ انہوں نے حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کو حکم دیا۔

"واپس لوٹ جاؤ اور شیخ عمار یاسر کی خدمت میں رہو۔"

اور ایک رقعہ دیا جس پر حضرت عمار یاسر رحمتہ اللہ علیہ کو لکھا تھا۔

"جتنے لوگ تانبے کی طرح ہوں ان کو میرے پاس بھیج دیا کرو میں ان کو خالص کر کے تمہارے پاس واپس بھیج دیا کروں گا۔"

حضرت عمار یاسر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آپ مدت دراز تک رہے۔ سلوک کی بے شمار منازل طے کیں اور پھر مرشد نے حکم دیا۔

"بیٹا نجم الدین! خوارزم جاؤ۔"

چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے اور تبلیغ کرنے لگے۔ بہت سے لوگ آپ کے مرید ہوئے۔ غلبہ وجد میں جب آپ کی نظر کسی شخص پر پڑ جاتی ہے تو وہ مرتبہ

ولایت تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس سے دریافت کرتے ہیں۔
"کہاں سے آئے ہو؟"
چنانچہ آپ اسے اسی جگہ کا خلافت نامہ لکھ کر دے دیتے ہیں۔ اسی لئے لوگ آپ کو ولی گر کہتے ہیں۔

اللہ والے جب ارادۂ سفر فرماتے یا کہیں قیام کرتے ہیں تو اس میں انگنت حکمتیں اور رموز پنہاں ہوتے ہیں جنہیں کوئی دوسرا سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ آج کل حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ یہاں سنجار میں قیام پذیر ہیں۔ اس میں بھی یقیناً کوئی راز ہو گا اور جب مدعا پورا ہو جائے گا تو "سیروا فی الارض" کے بعد واپس خوارزم لوٹ جائیں گے جہاں آپ نے رشد و ہدایت کے چراغ روشن کر رکھے ہیں۔

آپ کے بہت سے واقعات اور کرامتیں مشہور ہیں لیکن چند ایک کو بہت شہرت ہوئی ہے۔ ایک دن آپ مریدین کے حلقہ میں تشریف فرما تھے کہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا' ایک باز ایک ممولے کا شکار کرنے کے لئے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ جب آپ نے ممولے پر نظر ڈالی تو وہ پلٹا اور باز کو پکڑ کر شیخ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

ایک دن درس کا سلسلہ جاری تھا کہ اصحاب کہف کا ذکر چھڑ گیا۔ ایک مرید کے دل میں یہ خیال گذرا۔
"کیا امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی صحبت کتے میں اثر کرے۔"
نور باطن سے آپ پر یہ خیال عیاں ہو گیا لہٰذا اپنی جگہ سے اٹھے اور خانقاہ کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد ایک کتا آیا اور حضرت شیخ کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے دم ہلانے لگا۔ آپ نے اس پر توجہ فرمائی تو وہ

متحیر و بے خود ہو گیا اور شہر کو چھوڑ کر ایک قبرستان میں چلا گیا جہاں وہ ہر وقت اپنا سر زمین پر رگڑتا رہتا تھا۔ وہ جدھر جاتا تھا بہت سے کتے جمع ہو جاتے تھے اور اس کے گرد حلقہ باندھ لیتے تھے۔ پنجے پر پنجہ رکھ لیتے۔ کھانے کی طرف قطعاً توجہ نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے سامنے خاموش کھڑے رہتے تھے کچھ عرصے کے بعد وہ کتا مر گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کو دفن کر دیں اور اس کے مدفن پر عمارت بنا دیں۔"

جب وہ شخص حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کے احوال و واقعات بیان کر چکا تو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ جو سوچوں کے گہرے پانیوں میں غوطہ زن تھے باہر تشریف لائے تو زبان پاک سے بیساختہ نکلا۔

"یہ میرے رب کریم کا احسان عظیم ہے کہ اس نے میرے مرشد حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے صدقے میں مجھے اپنے ایک ولی کامل کی زیارت کا موقع فراہم کر دیا ہے۔"

اور پھر صبح ہونے کا شدت سے انتظار کرنے لگے۔

لیلائے شب کروٹیں بدلتی رہی حتیٰ کہ آثار صبح نمودار ہوئے۔ فضا اذان کی پر کیف آواز سے معمور ہو گئی۔ موذن کے لحن داؤدی نے ہر شے کو مسحور کر دیا تھا۔ اللہ کے نیک بندے خواب سے بیدار ہوئے اور خانہ خدا کی طرف چل پڑے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ بھی رکوع و سجود کرنے والوں کے ہمراہ بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہوئے۔ جب فارغ ہوئے تو شاہ خاور عالم بسیط پر اپنی شعاعیں پھیلا چکا تھا۔ آپ اپنے میزبان کے ہمراہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کے ڈیرے کی طرف چل پڑے۔

جیسے جیسے نور والوں کا ڈیرہ قریب آ رہا تھا آپ کے شوق دید میں طغیانی آتی جا رہی تھی۔ جب آپ وہاں پہنچے تو دروازے پر رک گئے۔ اندر سے آواز آئی۔

”معین الدین باہر کیوں رک گئے ہو اندر چلے آؤ۔“

کمرے میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا کہ ایک نوجوان اندر داخل ہوا لیکن نا آشنا تھے کہ وہ کون ہے۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ نے خنداں بلب آپ کی طرف دیکھا اور بڑی شفقت و محبت کے ساتھ اپنے قریب جگہ دی۔ حاضرین حیران تھے کہ آخر اس اجنبی شخص سے اس قدر التفات و مہربانی کا کیا مطلب ہے لیکن وہ کچھ نہ سمجھ سکے۔ یہ تو دراصل حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی تکریم تھی کہ ان کا ایک مرید آیا ہے۔

”کچھ دن ہمارے پاس رہو“

حضرت شیخ کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے فرمایا تو آپ نے سر تسلیم خم کر دیا۔

شب و روز عبادت و ذکر و درود پاک میں گزرتے تھے۔ درس و اصلاح باطنی کی محفلیں سجتی تھیں۔ فیض رسانی کا دریا ہمہ وقت موجزن رہتا تھا۔ جو بھی تہی دست و دامن حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کے در اقدس پر آتا بامراد ہو کر جاتا تھا۔ ہر وقت لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ پر بھی خاص نظر لطف و کرم تھی اور فیوض و برکات سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ جب بھی لب کشائی فرماتے علم و حکمت کے موتی بکھر جاتے تھے۔ قلوب میں جنم لینے والے سوالات اور اذہان میں ابھرنے والے وساوس باتوں میں رفع فرما دیا کرتے تھے۔ جس

موضوع پر گفتگو فرماتے اس کے ظاہری و باطنی معانی کلی طور پر آشکار ہو جاتے تھے۔ اس طرح آڑھائی ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ ایک دن حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"معین الدین! عنقریب ہم اس جگہ کو چھوڑنے والے ہیں۔ بہتر ہے اب تم جاؤ کیونکہ ابھی کئی مراحل طے کرنے والے تمہارے سامنے پڑے ہیں۔"

دوسرے دن جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ سنجار سے رخصت ہوئے تو حضرت شیخ کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ نے ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ پھر وہی صورت حال پیدا ہو گئی تھی جو ہرون سے چلتے وقت تھی۔ خود کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ دیا تھا کہ جہاں چاہے گا لے جائے گا۔ دل میں مرشد نا حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کا تصور جانگزیں تھا۔ ان کی یادیں بطور زاد راہ ساتھ تھیں۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کی نورانی و عارفانہ محافل کی یاد بھی کبھی ذہن میں کروٹیں لینے لگتی تھی۔ ان کی صحبت بابرکت میں رہ کر بہت کچھ سیکھا اور فیض پایا تھا۔

کئی دنوں کے سفر کے بعد آپ کوہ جودی کے دامن میں واقع قصبہ جیال اور تاریخ یافعی کے مطابق جیل میں پہنچے۔ بڑا پر فضا مقام تھا۔ اسی قصبے کی نسبت سے حضرت عبدالقادر غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کو جیلانی یا جیلی کہتے ہیں۔ کوہ جودی وہ پہاڑ ہے جس پر طوفان نوح کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی آکر رکی تھی۔ آپ اس کی چوٹی کی طرف دیکھنے لگے نگاہوں کے سامنے معذب قوم کا نقشہ گھوم گیا اور جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ جتنی قوموں پر عذاب الٰہی نازل ہوا تھا وہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے مرسلین علیہم السلام کی نافرمان تھیں۔ آپ انہیں سوچوں میں مستغرق قصبے میں داخل ہوئے۔

"یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں رات بسر کی جا سکے؟"

آپ نے ایک راہ گیر سے پوچھا۔
یہاں تو غوث وقت ' محبوب سبحانی ' پیشوائے عالم اور مقتدائے مشائخ رحمتہ اللہ علیہ قیام رکھتے ہیں پھر آپ کو کیا فکر ہے۔"

اس نے جواب دیا۔
"کیا اسم گرامی ہے ان بزرگ کا؟"
آپ نے دریافت فرمایا تو اس نے کہا۔
"حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ"

آپ نے سنا تو چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ دونوں قریبی رشتہ دار تھے لیکن آج تک ایک دوسرے سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ آپ ان کے آستانے پر پہنچے' وہاں لوگوں کا ہجوم تھا اور وعظ و نصیحت فرمائی جا رہی تھی۔ آپ خاموشی سے بیٹھ گئے۔ وہ فرما رہے تھے۔

"جو آخرت چاہے اسے دنیا سے اور جو اللہ عزوجل کو چاہے اسے عقبیٰ سے زہد اختیار کرنا لازم ہے۔ کل جہتوں سے اندھے بن جاؤ اور ان میں سے کسی ایک سے بھی تعلق مت رکھو کیونکہ جب تک تم ان کو پیش نظر رکھو گے تو اس وقت تک اللہ جل شانہ کے فضل کا دروازہ تم پر بند رہے گا اس لئے تمام جہات کو اپنی توجہ سے بند کر دو اور انہیں اپنے یقین سے بعدہ' اپنی فنا سے بعدہ' اپنے محو سے بعدہ' اپنے علم سے مٹا دو۔ تب جا کر تمہارے قلب کی آنکھوں کے سامنے جہتوں کی جہت کھلے گی اور یہ خدائے کریم کے فضل کی جہت ہو گی۔ پس تم اس جہت کو اپنی چشم سر سے دیکھو گے اور اس کے بعد نہ تم فقر پاؤ گے نہ فنا۔"

جب بیان ختم ہوا تو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اٹھ کر حضرت پیران پیر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس گئے اور قدموں سے لپٹ گئے۔ انہوں نے آپ کی پشت پر دست شفقت پھیرا اور پوچھا۔

"بیٹا کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

"یا حضرت! مجھ ناتواں کو معین الدین حسن سنجری کہتے ہیں۔ میرے والد غیاث الدین حسن تھے۔ حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کا مرید ہوں۔"

"تم ہماری بہن ام الورع کے لخت جگر ہو۔"

"جی ماموں جان"

آپ نے کہا تو انہوں نے فرمایا۔

"اب تم کچھ عرصہ ہمارے پاس رہو گے۔"

انہوں نے فرمایا اور ایک حجرہ اپنے بھانجے کے لئے مخصوص کر دیا۔ وہ حجرہ آج بھی وہاں موجود ہے اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ مادر زاد ولی اللہ تھے لیکن یہ راز ان پر دس سال کی عمر میں منکشف ہوا۔ والد کی جانب سے حسنی اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حسینی ہیں۔ وہ نحیف البدن تھے' سینہ کشادہ تھا' قد درمیانہ' رنگ گندمی اور ابرو پیوستہ تھے۔ علماء کا لباس زیب تن فرماتے تھے اور چادر کندھوں پر رکھتے تھے۔ اونٹ کی سواری کرتے تھے اور پالان کو خود رکھتے تھے۔ تصوف کے تمام سلاسل ان پر مجتمع ہو جاتے ہیں اور پھر سلسلہ نقشبندیہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اور باقی سلاسل حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف چلے جاتے ہیں۔ بے حد ریاضات و مجاہدات کئے اور مرتبہ محبوبیت پر فائز ہوئے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ سفر سے واپس بغداد جا رہے تھے کہ سر راہ ایک بیمار' لاغر اور زرد رنگ شخص کو دیکھا۔ اس نے انہیں دیکھا تو گویا ہوا۔

"عبدالقادر! میرے قریب آؤ۔"

"کیا ہے۔"
انہوں نے اس کے قریب جا کر دریافت کیا تو وہ بولا۔
"میں دین اسلام ہوں اور میری یہ حالت ہو گئی ہے۔ حق تعالیٰ نے مجھے تیری بدولت زندہ کیا ہے اور انت محی الدین۔"
چنانچہ وہ اس لقب سے مشہور ہو گئے اور جہاں جاتے لوگ محی الدین کہہ کر پکارتے تھے۔

ایک دن تاج العارفین حضرت شیخ ابوالقاسم رحمتہ اللہ علیہ بغداد میں منبر پر تشریف فرما وعظ فرما رہے تھے کہ حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اس مجلس میں پہنچے تو حضرت تاج العارفین رحمتہ اللہ علیہ نیچے اتر آئے۔ ان کو گلے لگایا آنکھوں کو بوسہ دیا اور فرمایا۔
"اس اللہ کے ولی کی صحبت اختیار کرو کیونکہ میں اس کے سر پر ایسا نور دیکھتا ہوں کہ جس کی روشنی مشرق و مغرب سے تجاوز کر گئی ہے۔

حضرت غوث الثقلین رحمتہ اللہ علیہ کی محفل وعظ میں بے شمار لوگ حاضر ہوتے تھے۔ حاضرین پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر بعض اوقات ان کے دل میں خیال آتا تھا۔
"کیا ہی اچھا ہوتا اگر میں پہلے کی طرح کسی ویرانے میں ہوتا۔ نہ مجھے کوئی جانتا اور نہ میں کسی کو جانتا۔"
لیکن حق تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ دوسرے ان کی ذات ستودہ صفات سے استفادہ کریں اور صراط مستقیم اختیار کریں۔

دوران وعظ اگر کسی کے دل میں کوئی سوال پیدا ہوتا تو اس سے قبل کہ وہ الفاظ کا جامہ پہنے اس کا جواب عطا فرما دیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ عارفین کے مشاہدات و مقامات وصول الی اللہ کے متعلق ارشاد فرما رہے تھے کہ

ایک صاحب شیخ ابوالمکارم کے دل میں خیال آیا۔

"میری مراد کس طرح پوری ہو سکتی ہے"

انہوں نے اس شخص کی طرف دیکھا اور فرمایا

"اے مکارم! تیرے اور تیری مراد کے درمیان ایک دو قدم سے زیادہ فاصلہ نہیں۔ ایک قدم ترک دنیا میں اور دوسرا ترک نفس میں۔ اس کے بعد تم ہوگے اور تمہارا رب۔"

حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی محفل وعظ میں بڑے صاحب علم' بزرگان دین اور مشائخ موجود ہوتے تھے۔ ایک روز پچاس کے قریب مشائخ وقت حاضر تھے جن میں حضرت شیخ ابو نجیب سہروردی' حضرت شیخ علی میتی' حضرت شیخ ابو سعید قیلولی اور حضرت تصیب البیان موصلی رحم اللہ تعالیٰ بھی شامل تھے۔ ایکا ایکی دوران وعظ حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"هذه علی رقبة کل ولی الله"

یہ سنتے ہی حضرت شیخ علی میتی رحمتہ اللہ علیہ نے ان کا قدم مبارک اپنی گردن پر رکھ لیا اور باقی سب مشائخ نے اپنی گردنیں جھکا دیں۔

حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے در فیض سے انگنت لوگ مستفید ہوئے تھے۔ مختلف سلاسل کے اکابرین نے بھی ان سے تربیت و فیض حاصل کیا تھا۔ حضرت شیخ شہاب الدین عمر رحمتہ اللہ علیہ سلسلہ سہروردیہ کے سرخیل اسی ہستی کے فیض یافتہ تھے۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ان سے تربیت حاصل کی تھی۔ سلسلہ نقشبندیہ کے پیشوا حضرت خواجہ ابو یوسف ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ بھی اسی گلشن سے متمتع ہوئے تھے اور سلسلہ چشتیہ کے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ بھی

اپنے حصے کا فیض لینے کے لئے حاضر خدمت ہو گئے تھے۔ ظاہری و باطنی دونوں طرح سے تربیت و فیض حاصل کر رہے تھے۔ ایک دن نورانی محفل برپا تھی کہ حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا۔

"یہ مرد مقتدائے مشائخ زمانہ ہو گا۔ بہت سے لوگ اس کے ذریعے منزل کمالات تک پہنچیں گے۔"

آپ پانچ ماہ سات دن اپنے ماموں حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں رہے۔ خوب فیض یابی کی۔ بوقت رخصت انہوں نے اپنے بھانجے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو کان میں ایک شغل کی تعلیم دی جسے طریقہ عالیہ چشتیہ میں شغل سرگوشی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ شغل حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچا۔ لیکن انہوں نے اسے کسی کو تعلیم نہ کیا اور اپنے ساتھ ہی مدفن میں لے گئے۔

جیل سے جب آپ روانہ ہوئے تو پیرو مرشد حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کا خیال آیا جن کے کرشمہ فیض سے آپ کو عظیم المرتبت اولیاء کرام کی صحبت نصیب ہوئی تھی اور بہت کچھ حاصل ہوا تھا لہٰذا ادب سے گردن جھک گئی اور پھر آپ کو جیل کے شب و روز یاد آنے لگے۔ اب تک آپ نے جو مشاہدات کئے تھے وہ گرانمایہ سرمایہ تھا جو دل و دماغ میں محفوظ ہو کر رہ گیا تھا۔

جیل سے بغداد شریف سات دن کی مسافت پر تھا۔ اب راہ سلوک کے مسافر حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کا رخ اس طرف تھا جہاں کئی انبیاء علیہم السلام' صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ کے مزارات مقدسہ تھے۔ راستے میں کئی جگہوں پر قیام کرتے۔

قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوتے۔ مشاہدات و تجربات سے دو چار ہوتے بالآخر عروس البلاد بغداد میں وارد ہوئے۔ یہاں پہنچے تو مشفق باپ کی یاد نے سینے میں کروٹ لی۔ بچپن کے کئی واقعات تصویر کی طرح نظروں میں گھوم گئے۔ قریب سے گزرنے والے ایک شخص کو روک کر پوچھا۔

"غیاث الدین حسن صاحب کا مزار کدھر ہے؟"

"غیاث الدین نوری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اس درخت سے بائیں جانب مڑیں گے تو سامنے نظر آجائے گا۔"

اس شخص نے تھوڑے فاصلے پر ایک بڑے سے گھنے درخت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

جب آپ وہاں پہنچے تو کافی لوگ کھڑے فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ صاحب مزار کا بیٹا معین الدین قبر کے قریب بیٹھ کر مراقبے میں چلا گیا۔ کافی دیر تک وہ ایسی ہی حالت میں بیٹھا رہا۔ اس دوران میں وطن بھی یاد آیا تھا' ماں کی محبت کا خیال بھی آیا تھا جو اس پر جان نثار کرتی تھی۔ بھائیوں اور بہنوں کا نقشہ بھی آنکھوں میں ابھرا تھا۔ آنکھیں نم آلود تھیں۔ زبان پر آیات قرآنی جاری تھیں اور پھر بارگاہ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھ گئے' کافی دیر تک دعا مانگی۔ قدم بوسی کی اور پھر احاطے سے باہر نکل گئے۔

چلتے چلتے اچانک ایک جگہ آپ کے قدم رک گئے۔ ادھر ادھر نظریں اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک خانقاہ دکھائی دی۔ دل میں نامعلوم سی کشش پیدا ہوئی۔ لہٰذا آپ اس کی جانب چل پڑے یہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر عبداللہ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کا ڈیرہ تھا۔ بارہ واسطوں سے ان کا سلسلہ نسب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر ملتا تھا۔ علوم ظاہری و باطنی میں باکمال تھے۔ حضرت شیخ احمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ

کے مرید تھے۔ اپنے چچا حضرت شیخ وجیہہ الدین ابو حفص رحمتہ اللہ علیہ سے بھی خلافت ملی تھی اور حضرت شیخ حماد بن ابو مسلم دباش رحمتہ اللہ علیہ کے بھی صحبت یافتہ تھے۔ پیشوائے قوم اور سرحلقہ اولیاء تھے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے چچا اور مرشد تھے جو ان دنوں سلوک کی منازل طے کر رہے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ بغداد کے بازار سے گزر رہے تھے۔ ایک قصابؒ کی دکان پر ایک بکری لٹکی ہوئی دیکھی تو وہاں رک گئے اور فرمایا۔

"یہ بکری کہتی ہے میں مردہ ہوں' نہ کہ ذبح شدہ"

یہ سن کر قصاب بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو اپنے جرم کا اقرار کر کے تائب ہوا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ خانقاہ کے اندر داخل ہوئے تو حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کا تاباں و روشن چہرہ مبارک دکھائی دیا۔ انہوں نے چشم بصیرت سے پہچان لیا تھا کہ آنے والا کون ہے۔ اس ہنگام حضرت شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ بھی وہاں موجود تھے جن کی عمر اس وقت بائیس سال تھی اور وہ حضرت خواجہ حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ سے تقریباً چھ برس چھوٹے تھے۔

"آؤ بیٹا! ہمیں تمہارا انتظار تھا۔ اب تم کچھ عرصہ ہمارے پاس رہو گے۔"

حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اور پھر خادم سے آپ کی رہائش کے انتظام کے لئے کہا۔

اب آپ کے لیل و نہار سلسلہ سہروردیہ کی نورانی و عارفانہ محفلوں میں بیٹھنے' ذکر و اذکار و ریاضت میں مشغول رہنے' بغداد کے علماء کے خطبات

سننے اور دیگر بزرگوں کی زیارت میں بسر ہونے لگے۔

حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی محفل میں جید علماء' ہدایت کے طالب' بزرگ اور علم دین کے متلاشی حاضر ہوا کرتے تھے۔ لوگ ان کی محفل میں خاموش و باادب بیٹھتے تھے۔ آپس میں بھی ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ بھی ادب کے منافی تھا۔ حضرت شیخ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ بھی خاموش بیٹھ جایا کرتے تھے اور پھر از خود کسی موضوع پر اظہار خیال فرمانے لگتے تھے۔

ایک دن اسی نوع کی محفل سجی تھی کہ ان کی آواز فضا میں ابھری۔

"فقر غنا سے بہتر ہے جب کہ وہ اپنی رضامندی کے ساتھ ہو۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کو اپنے لئے پسند فرمایا۔ ایک دن جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے زمین کے خزانوں کی کنجیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیں اور عرض کیا۔

"اس سے جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس میں ایک مکھی کے پر کے برابر بھی کمی نہ ہو گی۔"

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن شکم سیر ہوں۔ جب بھوکا رہوں تو اللہ کی بارگاہ میں تضرع و زاری کروں اور جب شکم سیر ہوں گا تو اللہ کی تعریف کروں گا' اس کو یاد کروں گا اور اس کی شکرگزاری کروں گا۔"

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

"اے اللہ! مجھ کو مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مجھ کو مسکینی کی حالت میں موت دے اور قیامت کے دن زمرۂ مساکین میں میرا حشر فرما۔"

یہاں قدرے سکوت فرمانے کے بعد حضرت شیخ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ پھر گویا

ہوئے۔

"اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ مسکینوں کا حشر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمرہ میں ہو تو ان کے لئے بڑی فضیلت کی بات ہوتی چہ جائیکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لئے ان کے زمرہ میں شامل ہونے کی دعا فرماتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر استدلال کیا کہ اونچا ہاتھ بہتر ہے نیچے ہاتھ سے تو کہا جائے گا کہ اونچے ہاتھ نے فضیلت اس وجہ سے حاصل کی کہ اس نے جو کچھ ہاتھ میں تھا اس کو دے دیا اور نیچے ہاتھ میں اس وجہ سے نقص پیدا ہوا کہ اس نے حاصل کیا۔"

اس مقام پر قدرے رک کر انہوں نے فرمایا۔

"سخاوت اور عطا کی فضیلت سے اس بات پر دلیل ملتی ہے کہ فقر افضل ہے کیونکہ اگر کسی شے کا مالک ہونا محمود ہوتا تو اس کا عطا کے ذریعے خرچ کرنا مذموم ہوتا۔ پس جس شخص نے تونگری کو خرچ کرنے اور عطا کی وجہ سے فضیلت دی تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی نے معصیت کو طاعت پر توبہ کی فضیلت کی وجہ سے فضیلت دی کیونکہ توبہ کی فضیلت معاصی مذمومہ کے ترک کی وجہ سے ہے اور اسی طرح خرچ کرنے کی فضیلت کا حال ہے کہ وہ مال کو نکالتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے۔"

جب حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے بیان ختم کیا تو سب کے لبوں پر سبحان اللہ تھا۔ کس قدر خوبصورت انداز میں فقر اور غنا کی وضاحت فرما دی تھی کہ کسی نوع کا ابہام نہیں رہا تھا۔ اسی محفل میں حضرت اجل شیرازی رحمتہ اللہ علیہ سے حضرت خواجہ سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات ہوئی اور وہ دونوں بیٹھے تھوڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔

ایک روز حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ

بغداد کی مسجد ککسری میں تشریف لے گئے۔ وہاں اور بھی اولیائے کرام موجود تھے۔ بے حد پاکیزہ ماحول تھا۔ اچانک گفتگو انگلیوں کے خلال کے بارے میں شروع ہو گئی اور کہا کہ وضو کرتے وقت انگلیوں میں خلال کرنا سنت ہے۔ اس واسطے کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ میں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو انگلیوں کا خلال کرنے کو کہا۔ جو آب دست کے وقت انگلیوں کا خلال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی انگلیوں کو شفاعت سے محروم نہیں رکھے گا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب لوگ اٹھ کر جانے لگے تو آپ بھی مسجد سے باہر تشریف لائے اور سوچنے لگے۔

" اولیاء اللہ کی کیا شان ہے کہ رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک حدیث پاک پر عمل کرنے کا کس قدر اہتمام فرماتے ہیں۔"

انہیں سوچوں میں مستغرق جب آپ خانقاہ میں داخل ہوئے تو اندر حسب معمول بہت سے لوگ تشریف فرما تھے۔ حضرت خواجہ حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ بھی جا کر بیٹھ گئے۔ اسی اثنا میں حضرت شیخ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ بھی تشریف لے آئے۔ ادباً سب کھڑے ہو گئے جب انہوں نے اپنی مسند پر تشریف رکھی تو ایک صاحب نے عرض کیا۔

" یا شیخ! اہل تصوف کے طبقات کے بارے میں حکمت عطا ہو۔"

انہوں نے اس شخص کی طرف دیکھا' قدرے توقف فرمایا اور پھر اپنی زبان مبارک کو جنبش دی۔

" ان کے تین طبقات ہیں۔ مرید طالب' متوسط سالک اور منتہی واصل۔ پس مرید صاحب وقت ہے۔ متوسط صاحب حال ہے اور منتہی صاحب نفس یعنی دل کا مشاہدہ غیب سے محظوظ ہونا۔ اور سب سے بہترین چیز ان کے پاس " پاس انفاس " ہے۔ پس مرید طلب مراد ہے۔ تکلیف اٹھاتا ہے۔ متوسط منازل کے

آداب کو طلب کرتا ہے اور صاحب تلوین رنگ بدلتا رہتا ہے کیونکہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے۔ اور اس کی زیادتی اور اضافہ میں مشغول رہتا ہے۔ منتہی واصل ہے جس نے تمام مقامات طے کر لئے ہیں اور تمکین کے مقام کو پہنچ گیا ہے جس کو کوئی حالت متغیر نہیں کر سکتی۔ اور اہوال و خطرات اس پر اثر نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں صاحب تمکین تھی۔ اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے دیدار نے ان میں کوئی اثر پیدا نہیں کیا جیسا کہ ان عورتوں میں پیدا ہوا جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ حالانکہ زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں ان سے زیادہ کامل تھی۔"

یہ فرما کر وہ لمحہ بھر کے لئے رکے۔ ماحول پر مکمل خاموشی محیط تھی۔ حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی آواز پھر فضا میں ابھری۔

"پس مرید کا مقام مجاہدات کرنا' تکالیف کو برداشت کرنا' کڑوے گھونٹ پینا اور نفس کی خواہشوں اور منفعتوں سے دور رہنا ہے۔ متوسط کا مقام طلب مراد میں خطرات میں در آنا اور ہر حالت میں سچائی کو مرعی رکھنا اور ہر مقام پر ادب کو ملحوظ رکھنا ہے۔ منتہی کا مقام بیداری اور تمکین ہے اور جہاں کہیں حق اس کو بلائے اس کو قبول کرے۔ اس کی حالت سختی اور مرفہ الحالی اور منع و عطا اور جفا و وفا میں مساوی ہے۔ اس کا کھانا اس کی بھوک کی طرح ہو جائے' اس کا سونا اس کی بیداری کی طرح اور اس کی خواہشات فنا ہو جائیں اور حقوق و واجبات باقی رہ جائیں۔ اس کا ظاہر خلق کے ساتھ ہو اور اس کا باطن حق کے ساتھ ہو۔ اور یہ تمام باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات سے منقول ہیں۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غار حرا میں گوشہ نشین رہے۔ پھر خلق کے ساتھ رہے اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ

وسلم کے پاس خلوت و جلوت میں کوئی فرق نہ تھا۔ اور یہی حال اہل صفہ کا تھا کہ وہ حالت تمکین میں تھے اور امراء اور وزراء ہونے پر بھی مخالفت نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا۔"

جب بیان اختتام پذیر ہوا تو وہاں پر موجود ہر شخص سوچوں کی گہری گھاٹیوں میں اتر گیا۔ وہ اپنے اپنے حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ اور حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ دل ہی دل میں اپنے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی محبت و عنایت کے گیت گا رہے تھے اور یہ سب انہیں کے قرب و معیت کا ثمرہ تھا کہ ہر مقام سے گزرنے کی سبیل فرما دی تھی۔ مشاہدات بھی ہو رہے تھے۔ علم بھی عطا ہو رہا تھا۔ تجربات سے بھی دوچار کیا جارہا تھا۔ حفاظت بھی ہو رہی تھی اور مبتدی سے منتہی کی منازل بھی رفتہ رفتہ طے ہو رہی تھیں۔ حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے بیان نے سب کے حال کو روشن کر دیا تھا۔ اہل تصوف کے جن طبقات کا انہوں نے ذکر فرمایا تھا ان راستوں سے صرف وہی گزار سکتا ہے جو ان راہوں سے خود گزرا ہو۔ یہ راہیں اتنی آسان نہیں جتنی خیال کی جاتی ہیں۔ اس بیان کے بعد محلسرائے تصوف کی طرف جانے والے راستے کے ہر مسافر نے اپنی مساعی دو چند کر دی۔

ایک دن حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ سرراہ حضرت اجل شیرازی رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہو گئی۔

"اجازت ہو تو آپ کی معیت میں تھوڑا وقت گزار لوں۔"

آپ نے اجازت طلب کی تو انہوں نے محبت سے اپنا ہاتھ آپ کے کندھے پر رکھ دیا اور ایک طرف چل پڑے۔ ایک مقام پر پہنچے تو شام کی نماز کا وقت تھا۔

حضرت اجل شیرازی رحمتہ اللہ علیہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو فرماتے تھے۔ اتفاقاً انہیں انگلیوں میں خلال کرنا بھول گیا۔ غیب سے آواز آئی۔

"اے اجل ! تو ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے' اس کی امت بنتا ہے' لیکن اس کی سنت کو ترک کرتا ہے۔"

اس کے بعد انہوں نے قسم کھائی کہ مرتے دم تک کوئی سنت ترک نہیں کریں گے۔

وقت گزرتا رہا۔ ایک دن آپ نے حضرت خواجہ اجل شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کو بڑا متردد و پریشان پایا۔

"یا خواجہ ! یہ کیا حالت ہے ؟"

آپ نے دریافت فرمایا تو وہ گویا ہوئے۔

"معین الدین ! جس روز مجھ سے انگلیوں کا خلال سہواً ترک ہوا اسی وقت سے فکرمند ہوں کہ روز قیامت اپنے ملجا و ماوا' رؤف الرحیم' رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منہ کیسے دکھاؤں گا۔"

اس کے بعد دونوں حضرات کی زبانوں پر چپ کے تالے لگ گئے۔ کافی دور تک انہوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعویٰ محبت اور ترک سنت دو متضاد چیزیں ہیں۔ دونوں اپنا اپنا جائزہ لے رہے تھے اور پھر ایک موڑ پر پہنچ کر وہ اپنے اپنے راستوں پر چل پڑے۔

حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کا عمر میں بڑے ہونے کی وجہ سے بڑا احترام کرتے تھے۔ ایک دن دونوں حضرات یکجا تشریف فرما تھے کہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر عبداللہ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ تشریف لے آئے۔ دونوں اٹھ کر احترام بجالائے اور ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ وہ وہیں

ان کے پاس بیٹھ گئے۔

مردان حق اور اولیاء اللہ رشد و ہدایت کے قاسم ہوتے ہیں اور اپنے مریدین اور اپنے عقیدت مندوں کی موجودگی و غیر موجودگی میں ان کی اصلاح و تربیت فرماتے رہتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اپنے بھانجے اور مرید حضرت شہاب الدین سہروردی کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"اخوان طریقت کے ساتھ میل جول اس طرح ہو کہ جہاں تک ممکن ہو ان کے ساتھ موافقت کی جائے اور ان کی مخالفت کو ترک کیا جائے بجز ان باتوں کے جن کو شریعت نے جائز نہیں رکھا۔ اور کینہ و حسد سے پرہیز کیا جائے اور اس چیز کو اختیار کیا جائے جس میں ایک دوسرے کی سلامتی ہو۔"

دونوں حضرات سر جھکائے ادب سے ان کی باتیں سن رہے تھے انہوں نے پھر ارشاد فرمایا۔

"طالب کو اس شخص کی صحبت اختیار کرنی چاہئے جس کی دینداری' امانتداری' مذہب اور پرہیزگاری پر ظاہر و باطن میں وہ بھروسہ رکھتا ہے۔"

یہ ایسے اقوال زریں تھے جن کے مقابل لعل و جواہر کی کوئی اہمیت و وقعت نہ تھی۔ وہ پھر گویا ہوئے۔

"غرباء کے ساتھ برتاؤ بشاشت' مسرت' کشادہ روئی اور حسن ادب کے ساتھ ہونا چاہئے اور یہ تم کو غور کرنا چاہئے کہ انہوں نے تمہاری تعظیم کر کے اور تمہارے پاس آکر اور تمہاری جانب متوجہ ہو کر تم کو تمہارے ہمسروں میں ممتاز کیا۔ پھر ان کی خدمت اور اکرام و تعظیم میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے ان کی خواہشات کو سکون کے ساتھ سننا اور ان کی فرمائشوں پر صبر کرنا چاہئے۔"

یہ فرما کر حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ اٹھ کر تشریف لے گئے اور یہ دونوں حضرات ان کے فرمودات پر غور کرنے لگے۔ کوزے میں دریا بند

تھے۔ قدم قدم پر تعلیم و تربیت ہو رہی تھی۔ ہر مقام کو واضح اور روشن کیا جارہا تھا۔

ایک دن صوفیوں کی جماعت آئی۔ خاصر مدارات کے بعد محفل منعقد ہوئی۔ صوفیوں کے اخلاق کے بارے میں ذکر چھڑ گیا تو حضرت شیخ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

" حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا۔
" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اخلاق قرآن پاک پر مبنی تھے۔"
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
" ایسے اخلاق اختیار کرو جو آسان اور سہل ہوں اور نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے روگردانی کرو۔"
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"کیا تم کو خبر ہے کہ کون تم میں میرا زیادہ دوست اور قیامت کے دن میری مجلس میں نزدیک تر ہو گا۔"
لوگوں نے عرض کیا۔
" ارشاد ہو۔"
آپ ﷺ نے فرمایا۔
" تم میں جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں گے' جو دوسروں کے لئے سپر ہوں گے' جو ملنسار ہوں گے اور میل جول کرانے والے ہوں گے۔"
اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
"بد خلقی بدبختی ہے اور تم میں بد وہ ہے جس کے اخلاق بد ہوں۔"
حضرت ابو بکر کنانی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

" تصوف تمام تر اخلاق ہی کا نام ہے۔ جس کا اخلاق زیادہ اچھا ہو گا اس کا تصوف زیادہ ہو گا۔"

اور پھر فرمایا۔

" صوفیوں کے اخلاق میں حلم' تواضع' نصیحت' شفقت' برداشت' موافقت' احسان' مدارات' ایثار' خدمت' الفت' بشاشت' فتوت' کرم' بذل جاہ' مروت' تلطف' طلاقت' سکون' وقار' مسلمانوں کے لئے اور جو اس پر زیادتی کرے اس کے لئے دعا کرنا۔ ان کی تعریف کرنا۔ ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا۔ اپنے نفس کو چھوٹا سمجھنا۔ بھائیوں کی توقیر کرنا۔ مشائخ کی تعظیم کرنا۔ چھوٹوں بڑوں پر ترحم کرنا۔ جو کچھ کسی کو دے اگرچہ بہت ہو اس کو کم سمجھنا اور جو کچھ کسی سے لے اگرچہ وہ کم ہو اس کو زیادہ جاننا' یہ سب باتیں داخل ہیں۔"

صوفیوں کے اخلاق کی تصویر کشی کے بعد ہر شخص سوچ رہا تھا کہ متذکرہ اوصاف میں سے اس کی ذات کے اندر کتنے ہیں کہ فضا میں نماز عشاء کی اذان کی آواز گونجنے لگی اور پھر سب نماز کی تیاری کرنے لگے۔

جمعہ کا دن تھا۔ بغداد کی جامع مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ خطیب مسجد مولانا عماد الدین بخاری رحمتہ اللہ علیہ نہایت صالح مرد تھے۔ انہوں نے ایک حکایت بیان کی کہ ایک مرتبہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ ! میں نے دوزخ میں ایک وادی ہاویہ پیدا کی ہے جو ساتواں دوزخ ہے اور سب سے خوفناک اور سیاہ ہے۔ اس کی آگ بھی سیاہ اور نہایت تیز ہے۔ اس میں سانپ بچھو بکثرت ہیں۔ وہ گندھک کے پتھروں سے ہر روز تپایا جاتا ہے۔ اگر اس گندھک کا ایک قطرہ دنیا میں آپڑے تو تمام پانی خشک ہو جائے اور تمام پہاڑ گل جائیں اور اس کی گرمی سے زمین پھٹ جائے۔ اے

موسیٰ! ایسا عذاب دو شخصوں کے لئے بنایا ہے ایک وہ جو نماز ادا نہیں کرتا اور دوسرا وہ جو میرے نام کی جھوٹی قسم کھاتا ہے۔

یہ سن کر لوگوں کے چہرے خشیت الٰہی سے زرد پڑ گئے۔ نماز میں کوتاہی برتنے اور اللہ کے نام کی جھوٹی قسمیں کھانے والوں کے لئے تازیانہ عبرت تھا۔

"اگر قولی عبادت کی اتنی بڑی سزا ہے تو زکوٰۃ جو عملی عبادت ہے اس کی عدم ادائیگی کی کتنی بڑی سزا ہو گی۔"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ سوچ رہے تھے اور قدم آہستہ آہستہ سوئے خانقاہ اٹھ رہے تھے۔

ایک دن آپ دریا کی جانب نکل گئے۔ اور اس کے کنارے کنارے چلنے لگے۔ دریا کا پانی اپنے رب کریم کی حمد و ثنا کرتا ہوا بڑے آرام سے بہہ رہا تھا۔ آپ اللہ تعالیٰ کی نیرنگیوں میں کھو گئے۔ فطرت اپنے جمال کے ساتھ جلوہ فگن تھی۔ کچھ فاصلے پر دریا کے کنارے ایک جھونپڑی دیکھی۔ جب اس کے قریب پہنچے تو ایک بزرگ دکھائی دیئے۔ آپ نے انہیں سلام کہا تو اس نے سلام کا جواب اشارے سے دیا اور پھر اشارے سے ہی کہا۔

"بیٹھ جاؤ"

آپ زمین پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے آپ کو مخاطب کر کے کہا۔

"اے درویش! قریباً پچاس سال سے میں نے گوشہ تنہائی اختیار کر رکھی ہے۔ جس طرح تم جہان میں سفر کر رہے ہو اسی طرح میں سفر کرتا تھا۔ میں نے ایک دنیادار بزرگ کو ایک شہر میں دیکھا جو خلق خدا کو لین دین میں ستاتا تھا۔ میں نے اسے کچھ نہ کہا' نہ اسے باز رکھا' میں اسے دیکھ کر چلا آیا۔ فرشتے نے آواز دی۔

"اے درویش! اگر حق کی خاطر اس دنیادار کو کہہ دیتا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خلقت سے زیادتی نہ کرو تو وہ تیرے کہنے سے باز آجاتا۔ لیکن تو اس بات سے ڈر گیا کہ وہ دنیادار جو تجھ پر مہربانی کرتا تھا شاید نہ کرے۔"

جب سے میں نے غیب کی آواز سنی مارے شرم کے کئی سال اس اندیشے میں ہوں کہ اگر قیامت کو مجھ سے اس معاملے کی بابت پوچھا گیا تو کیا جواب دوں گا۔ پس اے درویش! اس روز سے میں نے قسم کھالی ہے کہ میں کسی طرف نہیں نکلوں گا تاکہ کسی فعل کو دیکھ کر اس کا گواہ نہ بننا پڑے۔"

یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا اور آپ بھی اس واقع پر غور کرنے لگے۔

"نہی عن المنکر کی کس قدر اہمیت ہے۔"

اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک یاد آگئی کہ جہاں کہیں برائی دیکھو اسے ہاتھ سے روکو۔ اس کی قدرت نہ ہو تو زبان سے منع کرو۔ اگر یہ بھی نہ کر سکو تو دل سے برا جانو۔ یہ ایمان کی ادنیٰ قسم ہے۔

جب شام کا وقت ہوا تو اس کے لئے جو کی دو روٹیاں ایک پیالہ اور ایک کوزہ پانی کا اترا۔ حضرت معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اور اس درویش نے مل کر افطار کیا۔ جب آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو اس نے دو سیب مصلے کے نیچے سے نکال کر آپ کو دیئے۔ آپ نے سلام کیا اور واپس چلے گئے۔

چند دنوں کے بعد خانقاہ میں محفل منعقد ہوئی۔ بہت سے لوگ حاضر تھے۔ اس مرتبہ اعضاء و جوارح کے آداب کے بارے میں ذکر شروع ہوا۔ دوران گفتار حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی زیادہ تر توجہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی طرف تھی۔ وہ فرما رہے تھے۔

"کان کا ادب یہ ہے کہ وہ فحش اور بے ہودہ باتوں' غیبت و چغل خوری اور ہر قسم کی بری باتوں کو نہ سنے۔ بلکہ ذکر و موعظت و حکمت کی باتوں کو سنے اور ایسی باتیں سنے جن سے دین و دنیا کا کوئی فائدہ حاصل ہو اور جو کوئی اس سے گفتگو کرے اس کو توجہ کے ساتھ سنے۔ زبان کا ادب یہ ہے کہ وہ اللہ کا ذکر سے تر رہے۔ اپنے بھائیوں کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرے اور ان کو دعا دیتا رہے۔ ان کو وعظ و نصیحت کرے اور ایسی بات نہ کہے جو ان کو ناگوار ہو۔ مرید کی غیبت نہ کرے۔ نہ چغل خوری کرے اور نہ گالی دے اور نہ بیکار باتوں میں منہمک ہو۔ اگر وہ کسی جماعت میں ہو تو جب تک لوگ کام کی باتیں کرتے رہیں ان سے گفتگو کرے لیکن جب وہ بیکار باتیں کرنے لگیں ان کو چھوڑ دے یا خاموش ہو جائے۔ ہر جگہ وہاں کی حالت کے مطابق گفتگو کرے کیونکہ کہا گیا ہے کہ ہر مقام کے لئے ایک مقال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زبان کو قلب کا ترجمان اور خیرو شر کی کنجی بنایا ہے۔"

کہا گیا ہے کہ اگر تم اپنے قلب کی بھلائی چاہتے ہو تو اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ طالب کو چاہئے کہ خاموشی اختیار کرے کیونکہ خاموشی جاہل کے لئے پردہ پوشی اور عقلمند کے لئے زینت ہے۔ نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

"لوگوں کو ان کی زبان سے کاٹی ہوئی پیداوار منہ کے بل گرائے گی۔"

یہ فرما کر وہ تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے۔ ماحول سحرزدہ دکھائی دیتا تھا۔ انہوں نے طائرانہ نظر حاضرین پر ڈالی اور زبان گوہر افشاں کو جنبش دی۔

"آنکھ کا ادب یہ ہے کہ حرام چیزوں کو' لوگوں اور اپنے بھائیوں کے عیوب و منکرات و محرمات کو دیکھنے سے آنکھ بند کرے کیونکہ رب کریم فرمایا ہے۔

"اللہ تعالیٰ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو اور جو سینوں میں چھپی ہوئی باتیں

ہیں۔"
کہا گیا ہے جو شخص اپنی آنکھ کی فرمابرداری کرے گا تو اس کو اپنی موت کے پیچھے جانا پڑے گا۔ نیز کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنی آنکھ بند کرے گا تو اس کا ظرف کامل ہو گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس شخص کی نظر بازی زیادہ ہو گی اس کی حسرتیں بھی زیادہ ہوں گی۔

اس کی نگاہ عبرت کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت اور اس کی صفت کی خوبصورتی پر استدلال کے لئے ہونی چاہئے اور نفس امارہ کی خواہشات سے اس کو عاری ہونا چاہئے۔ حکایت ہے کہ ایک صوفی نے کسی کو شہوت کی نظر سے دیکھا خواب میں اس نے ایک آدمی کو کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"دنیا میرا گھر ہے اور مخلوق اس میں میرے بندے اور کنیزیں ہیں پس جو شخص بغیر کسی حق کے ان کو دیکھے گا اس نے میرے ساتھ خیانت کی۔"
وہ گبھرا کر اٹھ بیٹھا اور قسم کھائی کہ آئندہ کسی شخص کو بجز امانت کی حد کے نہ دیکھے گا۔
قلب کے آداب یہ ہیں کہ اچھے اور اعلیٰ احوال کی مراعات رکھی جائیں اور برے اور خراب خیالات کو دور کیا جائے اور اللہ کریم کی نوازشوں' نعمتوں اور عجائبات میں غور و فکر کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ گھڑی بھر کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

قلب کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن رکھے۔ کینہ' دھوکا' حسد' خیانت اور بدعقیدگی سے دل کو پاک کرے کہ یہ چیزیں قلب کی خیانتوں میں داخل ہیں۔

ہاتھ کا ادب یہ ہے کہ بذل و احسان اور بھائیوں کی خدمت کرے

اور اپنے ہاتھوں سے معصیت کا کوئی کام نہ کرے۔ اور پاؤں کا ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت اور اپنے بھائیوں کی اصلاح میں کوشش کرے اور اللہ کی زمین پر فخر و تکبر کے ساتھ نہ چلے اور تبختر نہ کرے کیونکہ یہ باتیں اللہ کو ناپسند ہیں۔"

ماحول پر اسرار خاموشی کی گرفت میں تھا۔ وہاں پر موجود ہر فرد اپنے ہاتھ اور پاؤں کی طرف دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ اپنے اعضاء و جوارح کے آداب کماحقہ پورے کر رہا ہے یا نہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ بھی گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ نہ جانے دل میں یہ خیال کیوں ابھر رہا تھا کہ شاید اب یہاں سے رخصتی کا وقت آگیا ہے۔ حضرت شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے حاضرین کو جانے کا اشارہ کیا تو وہ خاموشی کے ساتھ رخصت ہو گئے۔ تو حضرت خواجہ سنجری رحمتہ اللہ علیہ بھی جانے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھے تو حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فرمایا۔

"معین الدین! ہم نے اپنا حق ادا کر دیا ہے تم نے ابھی بہت کچھ حاصل کرنا ہے۔"

"یا شیخ! آپ کی دعا برکت سے میں نے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو انہوں نے محبت سے آپ کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور دعائے خیر کی۔ اپنے بھائی حضرت شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے بغل گیر ہوئے اور خانقاہ سے باہر نکل گئے۔

زندگی ہر انسان گزارتا ہے لیکن بامقصد زندگی بسر کرنے کے لئے

بہت تگ و دو کرنا پڑتی ہے۔ خاص طور پر جب کوئی اپنی زندگی رب کریم کے لئے وقف کر دے۔ اس کے قرب کو مقصودِ حیات بنا لے تو اس کے لئے سوئی کے ناکے سے گزرنا پڑتا ہے۔ نفس کشی کی تیز دھار تلوار پر چلنا پڑتا ہے۔ خواہشات کی نماز جنازہ خود ہی پڑھنی پڑتی ہے۔ ذات کی نفی کرنی ہوتی ہے۔ حزم و احتیاط کو ایک ایک قدم پر ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ مرشد کامل کا فرمان سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس پر بسرو چشم عمل کرنا پڑتا ہے۔ اور دنیا کے خارزاروں سے دامن کو بچانا ہوتا ہے۔ پھر کہیں جا کر معرفت الٰہیہ' قرب ربانی اور عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روپہلی و نورانی چراغ سے زندگی منور ہوتی ہے۔ یہی حال حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کا تھا۔ مرشد کے فرمان کے مطابق مشاہدات و تجربات کرتے۔ علم و معلومات حاصل کرتے۔ مختلف بزرگان دین کے قرب اور ان کی روح پرور اور روحانی محفلوں سے اکتساب فیض کرتے ہوئے جانب منزل رواں دواں تھے۔ بغداد کی تجارتی شاہراہ پر رے کا شہر تھا۔ بڑا آباد بارونق اور خوشحال تھا۔ تجارتی قافلے اکثر یہاں رکتے تھے۔ جب منزلوں پہ منزلیں طے کرتے ہوئے آپ یہاں پہنچے تو شام کا ملگجا چھا رہا تھا۔ قیام کے لئے آپ مسجد' مزار یا قبرستان پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک چھوٹی سی مسجد کا رخ کیا اور وہاں جا کر بیٹھ گئے۔

اللہ والوں کو خورد و نوش کی فکر نہیں ہوتی۔ جو اللہ کی راہ میں نکلتا ہے تو اس کے لئے انتظامات پہلے سے کر دیئے جاتے ہیں۔ لوگ بھی مسافروں کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ اور بفرمان ربی اپنے مال میں ان کا حق سمجھتے تھے۔ مسجد میں پہنچتے ہی آپ ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

دوسرے دن نماز اشراق کے بعد آپ رے شہر سے چل پڑے سورج کی تمازت میں لحظہ بہ لحظہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سر پر کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔

لبوں پر ذکر جاری تھا۔ قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے اور نظریں گرد و نواح کا جائزہ لے رہی تھیں۔ نہ بھوک نڈھال کرتی تھی' نہ پیاس تڑپاتی تھی۔ جو میسر آجاتا صد شکر کر کے کھا پی لیتے تھے۔ جہاں رات پڑ جاتی تو رک جاتے تھے اور پھر اگلے روز چل پڑتے تھے۔ آخر کار آپ بصرہ میں پہنچے۔ بڑا زرخیز شہر تھا۔ کھیت اور نخلستان کثرت سے تھے۔

بصرہ میں حضرت شیخ ابو محمد بن عبداللہ بصری رحمتہ اللہ علیہ رہتے تھے جو دنیا میں عقبٰی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ کمال صفائے باطنی سے ان کا وجود ملائکہ کے اوصاف سے متصف ہو چکا تھا۔ ان کی نسبت حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ جیسی تھی۔ ان کے بارے میں بڑی باتیں مشہور اور زبان زد خاص و عام تھیں۔ لیکن ان دنوں وہ یہاں موجود نہیں تھے۔ لہٰذا حضرت خواجہ سنجری رحمتہ اللہ علیہ ان کی زیارت نہ کر سکے۔

یہاں صحابی رسول حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مزار مقدس ہے۔ آپ نے وہاں حاضری دی اور مشاہدہ کی آنکھ سے دیکھا کہ آسمان سے مزار اقدس تک نور کی چادر تنی ہوئی ہے۔ ذہن میں اسلامی تاریخ اپنے ورق الٹنے لگی یہ اس عظیم ہستی کا مزار مبارک تھا جنہیں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل تھا اور اپنی آنکھوں سے ان کی زیارت کی تھی۔ یہ ستاروں کی مانند تھے جن کی اتباع سے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ اس مایہ ناز صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں محبت و ادب و عقیدت کے پھول پیش کئے اور واپس آ گئے۔

ایک دن بصرہ میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کو دیکھا جو از حد یاد الٰہی میں مشغول تھے۔ ایک دن آپ ان کے ساتھ قبرستان میں گئے۔ وہ صاحب کشف تھے۔ ایک قبر کے قریب بیٹھ

گئے وہ کیا دیکھتے ہیں کہ فرشتے اس مردے کو بڑا سخت عذاب کر رہے ہیں۔ جب ان بزرگ نے یہ دیکھا تو نعرہ مار کر گر پڑے۔ حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی طرف دیکھا۔ یوں لگتا تھا جیسے داعی اجل کو لبیک کہہ گئے ہوں۔ اور پھر ایک گھڑی کے بعد نمک کی طرح پانی بن کر غائب ہو گئے۔ جیسا خوف ان بزرگ پر طاری ہوتے آپ نے دیکھا تھا ایسا آج تک مشاہدے میں نہیں آیا تھا اور نہ ہی سنا تھا۔ آپ حیران بیٹھے تھے کہ وہ پھر ظاہر ہوئے اور فرمایا۔

"میں ایسا اپنے آپ میں محو ہوں کہ ہر روز اپنے آپ میں گھلتا ہوں۔ تیس سال بعد میں نے تم سے بات کی ہے۔ پس اے عزیز! جس قدر لوگ خلقت میں مشغول رہتے ہیں اسی قدر خالق سے دور جا پڑتے ہیں۔ پس جا کر توشہ آخرت کی تیاری کرو کیونکہ ہم سب کو ایک سخت دن پیش آنے والا ہے۔ ممکن ہے کہ ہم ایمان سلامت لے جائیں۔"

یہ کہہ کر دو کھجوریں جو ان کے پاس تھیں وہ حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو دیں اور گویا ہوئے۔

"اے درویش! مجھے اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ روز موت اور قبر کی ہیبت سے گھلا جاتا ہوں میرے پاس نہ سواری ہے نہ توشہ آخرت جس کی وجہ سے میں خوف سے بے کھٹکے ہو جاؤں۔"

اور پھر رونے لگے اور بعد ازاں عالم تحیر میں محو ہو گئے۔

اس کی باتیں یاد کر کے حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ بھی زار زار رونے لگے۔

بصرہ میں چند روز قیام فرمانے کے بعد پھر سفر پر روانہ ہوئے۔ ہر جگہ نت نئے تجربات و مشاہدات سے واسطہ پڑتا تھا جو قلب و ذہن میں انمٹ نقوش

چھوڑ جاتا تھا۔ شب و روز کی گردشوں نے ملک شام کے قریب ایک شہر میں پہنچا دیا۔ شہر سے باہر ایک غار دکھائی دیا تو آپ اس طرف گئے اور اس کے دہانے پر جا کر رک گئے۔ اندر جھانک کر دیکھا تو ایک نورانی چہرہ بزرگ سجادے پر تشریف فرما نظر آئے۔ وجود مبارک پر چمڑا ہی چمڑا تھا۔ اندر داخل ہونے کے لئے قدم اٹھایا ہی تھا کہ ان کے پاس دو شیر کھڑے دکھائی دیئے۔ آپ کے قدم وہیں رک گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان بزرگ کی نگاہ آپ پر پڑی تو فرمایا۔

"اندر آجاؤ ڈرو نہیں"

آپ اندر تشریف لے گئے اور ادب سے سلام کر کے بیٹھ گئے۔ ماحول میں بالکل خاموشی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بزرگ فرمانے لگے۔

"اگر تو کسی کا ارادہ نہ کرے گا تو وہ تیرا بھی ارادہ نہ کرے گا۔ اس شیر کی کیا ہستی ہے کہ تو اس سے ڈرتا ہے۔"

فضا میں پھر سکوت طاری ہو گیا۔ انہوں نے ایک نظر آپ پر ڈالی اور بولے۔

"جب تیرے دل میں خوف خدا ہو گا سب تم سے ڈریں گے۔ شیر کی کیا حقیقت ہے۔ وہ لوگوں سے بھی نہیں ڈرے گا۔"

ان بزرگ کا اسم گرامی حضرت شیخ اوحد محمد الواحد غزنوی رحمتہ اللہ علیہ تھا۔ انہوں نے آپ کو بہت پند و نصائح کئے اور پھر دریافت فرمایا۔

"کہاں سے آنا ہوا؟"

تو آپ نے عرض کی۔

"ہرون شریف سے جہاں میرے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کا مستقر ہے۔"

سنا تو بولے۔

"آنا مبارک ہو۔ لیکن لازم ہے کہ تو درویشوں کی خدمت کرے۔"

یہ فرما کر تھوڑی دیر کے لئے توقف فرمایا اور پھر بولے۔

" سنو! مجھے اس غار میں رہتے ہوئے کئی سال گذر گئے ہیں تمام خلقت سے عزلت نشینی و تنہائی اختیار کی ہے لیکن تیس سال سے ایک چیز کے سبب سے رو رہا ہوں۔

" یا حضرت! وہ کیا ہے؟"

حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا تو فرمانے لگے۔

" جب میں نماز ادا کرتا ہوں تو اپنے آپ کو دیکھ کر روتا ہوں کہ اگر ذرہ بھر شرط نماز ادا نہ ہوئی تو سب کچھ ضائع جائے گا۔ اسی وقت یہ طاعت میرے منہ پر دے ماریں گے۔ پس اے درویش! اگر تو نماز کے حق سے عہدہ برا ہو جائے تو واقعی تو نے بڑا کام کیا ہے۔ نہیں تو تو اپنی عمر ضائع کرے گا۔"

اور پھر یہ حدیث پاک بیان فرمائی:

" ہمارے ہادی برحق' نور مجسم' سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی گناہ دنیا میں اور کوئی دشمن قیامت میں اس سے بڑھ کر نہیں کہ نماز کو باشرائط ادا نہ کیا جائے۔"

آپ نے ان کی طرف دیکھا تو آنکھیں نم آلود تھیں۔ پھر ارشاد فرمانے لگے۔

" میرے بدن پر جو ہڈیاں اور چمڑا دکھائی دیتا ہے یہ اسی کے سبب سے ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا مجھ سے نماز کا حق ادا ہوا بھی ہے یا نہیں۔"

حضرت شیخ غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کی باتیں سنیں تو حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کی آنکھیں بھی ڈبڈبا آئیں اور پھر بڑے ادب سے عرض کی۔

" اے شیخ! نماز دین کا رکن ہے اور رکن ستون ہوتا ہے۔ پس جب ستون قائم ہو جائے تو گھر بھی قائم ہو گا۔ جب ستون نکل جائے گا تو چھت فوراً گر پڑے

گی۔ چونکہ اسلام اور دین کے لئے نماز بمنزلہ ستون ہے جب نماز کے اندر فرض، سنت، رکوع اور سجود میں خلل[1] آئے گا تو حقیقتاً اسلام اور دین وغیرہ خراب ہو جائیں گے۔

جب آپ بات ختم کر چکے تو حضرت شیخ غزنوی قدس سرہ نے ایک سیب اٹھایا جو ان کے پاس تھا اور حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کو عطا فرمایا۔

اس گفتگو کے بعد پھر فضا میں خاموشی چھا گئی۔ تھوڑی دیر دونوں حضرات گرامی چپ چاپ بیٹھے رہے اور پھر حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے اجازت طلب کی۔

غار سے جب آپ باہر نکلے تو ابھی کافی دن پڑا تھا۔ نماز سے متعلق حضرت شیخ غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کی باتوں کا رہ رہ کر خیال آتا تھا۔ شہر میں آپ ادائیگی نماز کے لئے رکے اور پھر چل پڑے۔ چند کوسوں کے فاصلے پر ایک اور چھوٹا سا شہر نظر آیا۔ سورج قریب غروب تھا لہٰذا آپ نے یہیں شب بسر کرنے کا ارادہ فرمایا۔

اس شہر میں آپ نے ایک عجیب رسم دیکھی کہ وقت سے بہت پہلے لوگ نماز کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ آپ نے ایک شخص سے اس کے بارے میں پوچھا۔

"اس میں کیا حکمت ہے"

وہ بولا۔

"سبب یہ ہے کہ جب وقت ہو فوراً نماز ادا کر لیں۔ جب تیار نہ ہوں گے تو شاید وقت گزر جائے۔ پھر یہ منہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح دکھا سکیں گے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ موت سے قبل توبہ کے لئے جلدی کرو اور فوت ہو جانے سے پیشتر نماز کے لئے جلدی کرو۔"

دوسرے دن علی الصبح آپ پھر سفر پر چل پڑے۔ منزلوں پہ منزلیں طے کرتے ہوئے اور مشاہدات و تجربات سے دامن بھرتے ہوئے۔ ایک دن قریب شام ہمدان کے شہر میں پہنچے اور حسب معمول حضرت شیخ کمس بن حسین ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پاک پر پہنچے۔

صاحب مزار کی کنیت ابو محمد تھی۔ بہت سے مشائخ کی صحبت بابرکت سے استفادہ کیا تھا۔ ایک شب وہ گھر میں تشریف فرما تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ انہوں نے دل میں خیال فرمایا کہ اگر شیخ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ ہوں تو کیا بات ہے۔ اور پھر دروازہ کھولا تو سامنے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ ہی کھڑے تھے۔

"السلام علیکم یا شیخ"

انہوں نے کہا تو حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"میں تم سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔ تیرے دل کی صداقت ظاہر ہو گئی۔"

اور پھر واپس لوٹ گئے۔

دوسرے دن حضرت کمس بن حسین رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شیخ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو ہمدان میں تلاش کیا لیکن کہیں نہ ملے۔ کچھ مشائخ اور صوفیہ جو بغداد سے آئے تھے ان سے پوچھا لیکن کوئی نہ بتا سکا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ ایک گوشہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے لگے۔ اہل اللہ کھانے پینے کی فکر سے آزاد ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ از خود ان کے لئے انتظام فرما دیتا ہے۔ اہل اللہ سے محبت کرنے والے ہر جگہ موجود ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ڈال دیتا ہے کہ درویشوں کی خدمت کریں۔ چنانچہ جب وہاں پر موجود لوگوں نے دیکھا کہ ایک مسافر جس کے چہرے سے بزرگی و نیکی کے آثار ہویدا ہیں ذکر میں

مشغول ہے تو خود ہی کھانا لا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

دوسرے دن آپ حضرت شیخ زاہد الکبیر ہمدانی قدس سرہ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ اپنے وقت کے زبردست فقیہ اور مجیب الدعوات بزرگ تھے اور حضرت شیخ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے تھے۔ الغرض حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے مختلف مزارات اولیاء اللہ پر حاضری دی۔ فیوض و برکات حاصل کیں اور چند روز قیام فرمانے کے بعد آپ نے ہمدان کو الوداع کہا اور نئے سفر پر روانہ ہو گئے۔

اب آپ کا رخ تبریز کی جانب تھا۔ سرراہ آپ کا گزر قصبہ میانجی سے ہوا۔ یہاں ایک برگزیدہ ولی اللہ نے جنم لیا تھا۔ ان کا نام عبداللہ بن محمد المیانجی رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ کنیت ابوالفضل اور لقب عین القضات تھا۔ حضرت امام احمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ مرتاض بزرگ تھے۔ جب ان پر تجلی خاص ہوئی تو دعا کی۔

"اے محبوب! مجھے جلایا جائے اور تو دیکھتا رہے"

دعا قبول ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد خلیفہ وقت کا ایک خدمت گار جو اسے بہت محبوب تھا فوت ہو گیا۔ خلیفہ کو بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے علماء کو جمع کیا اور کہا کہ رسالت پناہ علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

"میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں۔"

اور پھر بولا۔

"اگر یہ حدیث صحیح ہے تو چونکہ انبیاء بنی اسرائیل مردہ کو زندہ کر دیتے تھے تم بھی یہی کام کرو تاکہ میرا یہ خدمت گار زندہ ہو جائے یا یہ کہو کہ یہ حدیث پاک غلط ہے (نعوذ باللہ) علماء حیران و ششدر رہ گئے۔ چنانچہ علماء کی جماعت حضرت عین القضات رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آئی اور عرض کی۔

"علم انبیاء کے وارث دراصل آپ ہیں۔ آپ اس معاملہ میں غور فرمائیں۔"
جب حضرت عین القضات رحمتہ اللہ علیہ نے سنا تو ارشاد فرمایا۔
"فقرا کے نزدیک اس قسم کا کام مشکل نہیں لیکن اس واقع کے وقوع کے بعد تم سب میرے قتل کا فتویٰ لکھ دو گے۔"
انہوں نے کہا۔
"نہیں حضور یہ کب ممکن ہو سکتا ہے۔ آپ ضرور مہربانی کریں۔ یہ سن کر وہ وجد میں آکر اٹھ کھڑے ہوئے اور میت کے نزدیک تشریف لے گئے۔ اس وقت ان پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ بے اختیار ان کی زبان سے نکلا۔
"قم باذنی"
یہ سنتے ہی مردہ زندہ ہو گیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس سے دنیا میں شور مچ گیا۔ علماء ظاہر نے شدت اختیار کی اور کہا۔
"حضرت عیسیٰ علیہ السلام قم باذن اللہ کہتے تھے اور تم نے قم باذنی کہا لہٰذا واجب القتل ہو۔"
چنانچہ سب علماء نے ان کے قتل کے فتویٰ پر دستخط کر دیئے۔
جب ان کو زندہ آگ میں ڈال گیا تو ان کے دل سے آہ نکلی لوگوں نے کہا۔
"تم تو کہتے تھے کہ یہ چیز میں نے دعائیں مانگ کر حاصل کی ہے پھر آہ کا کیا مطلب ہے۔"
انہوں نے فرمایا۔
"میری آہ اس وجہ سے نہیں کہ جل رہا ہوں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ خود بخود جل رہا ہوں۔ یعنی آہ محبت ہے نہ کہ آہ دکھ"
جس وقت ان کو جلا دیا گیا تو ان کی راکھ سے ایک ڈبیہ برآمد ہوئی

جس میں سے ایک کاغذ نکلا۔ کاغذ پر ایک رباعی لکھی تھی۔ جس کا مطلب تھا۔
" ہم نے اللہ سے شہادت کی موت طلب کی ہے اور حق تعالیٰ سے دو تین کم چیزیں طلب کی ہیں یعنی آگ' آبلہ اور بوریا طلب کیا ہے۔"
لہٰذا جب ان کو بوریا میں لپیٹ کر آگ میں پھینکا گیا تھا تو جسم پر آبلے ہو گئے تھے۔

حضرت عین القضات رحمتہ اللہ علیہ کو ۵۲۵ ہجری میں شہید کیا گیا تھا اور ابھی بہت زیادہ سال نہیں گزرے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی چشم تصور میں یہ واقعہ ہوا کے جھونکے کی طرح گزر گیا۔ آپ میانجی میں تھوڑی دیر کے لئے رک گئے۔ یہ اس شہید اور ولی کامل کی عظمت و بزرگی کا اعتراف تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کو حضرت شیخ عین القضات رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی جان دے کر سچا ثابت کر دیا تھا۔ چندے قیام کے بعد آپ پھر جانب منزل روانہ ہوئے اور چند دنوں میں وارد تبریز ہوئے۔

حضرت شیخ ابو سعید تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کا آستانہ بڑا مشہور و معروف تھا۔ عالی ہمت' صاحب تجرید و تفرید اور متوکل بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ نہایت محبت و شفقت سے پیش آئے اور اپنے پاس رکھا۔ آپ کچھ عرصہ ان کے پاس مقیم رہے اور ان کی روحانی و علمی محفلوں سے مستفید ہوئے۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمتہ اللہ علیہ انہیں حضرت کے مرید تھے لیکن حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ تبریز کے دیگر بزرگ علماء و مشائخ سے بھی ملاقات ہوئی اور بعض مزارات پر بھی حاضری دی۔

تبریز سے آپ نے استر آباد کا رخ کیا۔ ان دنوں وہاں حضرت شیخ

ناصر الدین قدس سرہ تھے جن سے ایک دنیا فیض یاب ہو رہی تھی۔ وہ عالی مرتبہ، عظیم القدر شیخ، کامل الولایت بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ طیفور بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے اور درمیان میں دو یا تین واسطے تھے۔ انہوں نے حضرت ابوالحسن خرقانی اور حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمہم اللہ کی صحبت پائی تھی۔ طویل العمر تھے۔ تقریباً ایک سو ستر سال کے تھے لیکن ہنوز روحانی محفلیں سجتی تھیں۔ محبتیں بٹتی تھیں۔ رشد و ہدایت کے چراغ روشن ہوتے تھے۔ بڑے بڑے مشائخ قدم بوسی اور زیارت کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ دور و نزدیک مشہور تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے ان کے متعلق پہلے سے سن رکھا تھا۔ تیز تیز ڈگ بھرتے چلے جا رہے تھے۔ آخر طویل سفر طے کرنے کے بعد اس عظیم ہستی کے در اقدس پر پہنچے۔

اللہ والوں کے دروازے ہمہ وقت کھلے ہوتے ہیں اور شاہ و گدا کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں۔ حضرت شیخ ناصر الدین قدس سرہ نے نور ولایت سے دیکھ لیا کہ آنے والا اجنبی نوجوان کون ہے اور اس کے توسط سے کس قدر چراغ روشن ہوں گے اور کشت اسلام کی کفر و شرک کے اندھیروں میں اس طرح آبیاری ہو گی کہ دور دور تک توحید و رسالت کے گل و گلزار کھل اٹھیں گے۔ چنانچہ انہوں نے محبت سے اپنے پاس جگہ دی۔ آپ کو بھی ان قدموں میں بیٹھنے سے قلبی سکون و طمانیت نصیب ہوئی۔ زیادہ تر وقت ان کی خدمت میں بسر کرتے تھے اور عشق و عرفان، علم و عمل اور معرفت و اخلاص کے ٹھاٹیں مارتے سمندر سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی سعی بلیغ کرتے تھے۔ اور حضرت شیخ ناصر الدین رحمتہ اللہ علیہ بھی حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔

کافی دنوں کے بعد حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ناصرالدین رحمتہ اللہ علیہ سے اجازت طلب کی تو انہوں نے بصد خوشی آپ کو رخصت فرمایا۔ اور نصیحتیں فرمائیں۔ راستے میں کافی دیر تک آپ ان کی محبتوں اور قربتوں کو یاد کرتے رہے اور قدم سوئے خرقان اٹھ رہے تھے۔ جہاں غوث زماں حضرت شیخ علی بن جعفر ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کا مزار پاک تھا۔ تصوف کی دنیا میں ان کا بڑا نام و شہرہ تھا۔ ان کی نسبت سلطان العارفین حضرت طیفور بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے تھی۔

شوق فراواں ہو تو فاصلے بے معنی ہوتے ہیں اور تیزی کے ساتھ سمٹنے لگتے ہیں۔ بالآخر شب و روز مسافت طے کرتے ہوئے شہر خوباں میں پہنچے۔ مزار خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کی مقناطیسیت نے از خود حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو اپنی جانب کھینچا' جہاں شاہ تصوف محو خواب تھا۔ لہٰذا آپ اس جانب چل پڑے۔

مزار پر لوگوں کو ہجوم تھا۔ کوئی آ رہا تھا کوئی جا رہا تھا۔ کوئی قرآن پاک پڑھنے میں مصروف تھا اور کوئی ذکر میں مشغول تھا۔ کوئی ان کے واسطے سے رب کریم سے ہدایت کی بھیک مانگ رہا تھا اور کوئی گرفتار بلا مشکلات میں آسانی اور ان کے دفعیہ کے لئے اللہ کے آگے ان کے وسیلے سے گڑگڑا رہا تھا۔ آپ بھی اندر داخل ہوئے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ طویل دعا کے بعد آپ وہاں سے ہٹ کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے اور اپنے اللہ تعالیٰ کی یاد سے دل کی وادیوں میں خوشبوئیں بکھیرنے لگے۔

حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے خرقان اور اس کے نواح میں تقریباً دو سال قیام فرمایا۔ اگر کسی بزرگ یا مزار کے بارے میں سنتے تو وہاں تشریف لے جاتے تھے اور اپنے حصے کا فیض حاصل کرتے تھے۔ جس محفل میں

تشریف لے جاتے تو کسی نہ کسی طرح حضرت ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر چھڑ جاتا تھا یا ان کے کسی ارشاد کو دوہرایا جاتا تھا تو روح کی گہرائیوں میں اتر جاتا تھا اور اس کی صداقت نہ صرف قلب و نظر بلکہ پورے وجود میں پھیل جاتی تھی۔ وہ ارشادات یہ تھے۔

☆ سب سے بہتر وہ دل ہے جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی یاد ہو۔

☆ صوفی جبہ و دستار اور مصلے سے صوفی بنتا ہے اور نہ رسم و عادات سے صوفی ہوتا ہے بلکہ صوفی وہ ہے جو خود کچھ نہ ہو۔

☆ سالک بیدار وہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو از سر تا پا اللہ تعالیٰ کی یاد سے باخبر ہو۔

☆ صدق یہ ہے کہ جو کچھ کہے دل سے کہے۔

☆ اخلاص اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے تو وہ اخلاص ہے اور جو کچھ لوگوں کے لئے کیا جائے وہ ریا ہے۔

☆ فنا و بقا کی بات وہ کرے کہ اگر اس کو ایک ریشمی ڈوری سے باندھ کر آسمان سے لٹکا دیں اور ایسی تند ہوا چلے کہ درخت' مکانات اور پہاڑ تک اکھڑ جائیں۔ دریاؤں کے بہاؤ بگاڑ دے لیکن اس کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے۔

☆ کبھی ایسے شخص سے صحبت نہ رکھو کہ کسی چیز کے بارے میں تم کہو کہ اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور وہ شخص کہے کہ فلاں شخص نے دی ہے۔

☆ غم طلب کرو۔ یہاں تک کہ تمہاری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں کیونکہ حق تعالیٰ بندوں کے رونے کو پسند کرتا ہے۔

☆ جو شخص گانا گا کر کہے کہ اس سے مقصود اللہ کا چاہنا ہے تو اس سے

وہ بہتر ہے جو قرآن پڑھے اور اس سے حق کو طلب نہ کرے۔

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث وہ شخص ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی پیروی کرے' وہ شخص نہیں جو کاغذ سیاہ کرتا ہے یعنی عالم بے عمل۔

☆ علماء اور عابد تو دنیا میں بہت ہیں تم کو چاہئے کہ اس طرح رات کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور رات کو اس طرح دن بنا دو جس طرح رب کریم پسند کرتا ہے۔

☆ دلوں میں سب سے روشن وہ دل ہے جس میں مخلوق کا گزر نہ رہے۔

☆ سب سے بہتر کام وہ ہے کہ اس میں مخلوق کا ڈر نہ رہے۔

☆ تمام نعمتوں سے حلال تر نعمت وہ ہے جو تمہاری اپنی کوشش سے جائز طور پر حاصل ہو۔

☆ بہتر ساتھی وہ ہے کہ اس کی زندگانی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ سوچ رہے تھے کہ ان ارشادات میں سے ہر ایک ارشاد کے اندر ایک کائنات پوشیدہ ہے۔ ایک دنیا جہان آباد ہے۔ ایک خزانہ پنہاں ہے۔ سر بفلک بلندی مخفی ہے۔ ایک شفاف و منزہ اور شیریں پانی کا سمندر موجزن ہے۔ جنت کی بہاریں ہیں۔ رشد و ہدایت کا مینار ہے۔ علم و عرفان کی کہکشاں جلوہ گر ہے۔ عشق و محبت کی قوس قزح کے رنگ ہیں اور لعل و گوہران کے مقابل بے وقعت و حقیر ہیں۔

آپ غور فرما رہے تھے کہ اللہ والوں کی شان بھی کیا شان ہے۔ بقید حیات ہوں تو مشائخ و علماء و شاہان وقت ان کے در اقدس پر حاضر ہونے

میں سعادت محسوس کرتے ہیں اور جب وہ مزارات میں آسودۂ خواب ہوتے ہیں تو پھر بھی لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ لاریب جو لافانی سے جڑ جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیتا ہے۔

دو سال کے قیام کے دوران میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے بے شمار باطنی فیوض و برکات سے اپنا دامن بھرا۔ اب خرقان سے روانگی کا وقت آگیا تھا۔ لہٰذا آپ نے چشت کا رخ کیا جو سلسلہ چشتیہ کا مرکز تھا۔

چشت کا علاقہ ایران و افغانستان کی سرحد پر ہرات کے مضافات میں واقع ہے۔ سلسلہ چشتیہ کے عظیم روحانی پیشوا حضرت مودود چشتی اور حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی اور حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی رحمتہ اللہ علیہم کے مزارات چشت میں تھے۔ ایک روحانی کشش تھی جو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اپنے اندر محسوس کرتے تھے۔ دل چاہتا تھا کہ زمین کی طنابیں کھچ جائیں اور آپ جلد از جلد وہاں پہنچ جائیں۔ آپ جس شجرہ طریقت میں پروئے ہوئے تھے وہ اس طرح تھا۔

☆ سید المرسلین رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم
☆ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
☆ حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت خواجہ عبدالواحد زید رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت شفیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت خواجہ حذیفة المرعشی رحمتہ اللہ علیہ

☆ حضرت خواجہ امین الدین ابی ھبیرۃ بصری رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت خواجہ علوی دینوری رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت قطب الدین مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت خواجہ شریف زندنی رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ

دوران سفر آپ کو اپنے اکابرین کا رہ رہ کر خیال آتا تھا جنہوں نے دین اسلام کی بے پناہ خدمت کی تھی۔ بے شمار لوگوں کو راہ ہدایت دکھائی تھی۔ کئی افراد کو اللہ کی نزدیکی کا شرف ہوا تھا۔ انگنت لوگ دامن اسلام سے وابستہ ہوئے تھے۔ کفر و شرک کی تاریک فضاء میں دین حنیف کے چراغ جلائے تھے۔

سب سے پہلے آپ کو حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا خیال آیا۔ جو فنائے احدیت میں گم رہتے تھے۔ وہ سلطان فرستانہ کے صاجزادے تھے۔ خرقہ خلافت حضرت خواجہ ابواسحاق شامی چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کیا تھا۔ جب حضرت خواجہ ابو احمد بیس سال کے تھے تو ایک دن اپنے والد شاہ فرستانہ کے ہمراہ پہاڑ کی طرف شکار کو گئے۔ دوران شکار میں وہ اپنے والد اور ہمراہیوں سے جدا ہو گئے۔ ایک جگہ دیکھتے ہیں کہ چالیس رجال اللہ ایک پہاڑ پر کھڑے ہیں اور حضرت خواجہ ابواسحاق چشتی رحمتہ اللہ علیہ ان کے درمیان ہیں۔ حضرت خواجہ ابو احمد گھوڑے سے اتر کر ادھر گئے اور حضرت

خواجہ ابواسحاق چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے پاؤں پر گر پڑے۔ اور تمام ظاہری و باطنی مقاصد ترک کر کے اونی لباس پہنا اور رجال اللہ کے ساتھ چلے گئے۔ شاہ فرستانہ نے بیٹے کو بہت تلاش کیا لیکن کہیں نہ ملا۔ کچھ عرصہ بعد خبر ملی کہ اس کا بیٹا حضرت خواجہ ابواسحاق چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس فلاں مقام پر ہے لہٰذا وہ خدام کے ساتھ وہاں پہنچا تاکہ بیٹے کو گھر لے آئے لیکن انتہائی کوشش کے باوجود وہ واپس نہ گئے۔ دراصل جب سالک کو توحید میں فنا حاصل ہوتی ہے تو وہ ہرگز اس مقام سے واپس نہیں آتا۔ کیونکہ وحدت سے مراجعت دوئی ہے اور یہاں دوئی کا نام نہیں۔

سلطان فرستانہ کا ایک شراب خانہ تھا۔ ایک دن حضرت خواجہ ابواحمد رحمتہ اللہ علیہ وہاں پہنچ گئے۔ شراب خانے کا دروازہ بند کر کے تمام جام و ساغر توڑ ڈالے۔ لوگوں نے ان کے والد کو اطلاع دی۔ وہ چھت پر آیا اور روزن سے ایک بڑا پتھر بیٹے پر پھینکا لیکن پتھر ہوا میں معلق ہو گیا۔ یہ دیکھ کر والد نے بیٹے کے ہاتھ پر توبہ کی۔

جب حضرت خواجہ ابواسحاق شامی چشتی رحمتہ اللہ علیہ حضرت خواجہ ابواحمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی تربیت مکمل کر چکے تو خود روم کی طرف واپس چلے گئے اور مرید باصفا قصبہ چشت میں مسند ارشاد پر متمکن ہوا اور مخلوق اللہ ان سے ہدایت پا کر اصل مقصد تک پہنچنے لگی۔ وہ مشائخ چشت کے سردار اور خانوادۂ کریم اہل چشت کے شیخ تھے۔ بالاتفاق قطب ابدال تھے اور تمام کرہ ارض پر متصرف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دراز عمر عطا فرمائی تھی۔

حضرت خواجہ ابواحمد ابدال چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی یاد نے آپ کی روح کو تازگی بخشی' سینے میں محبت کی لہریں اٹھنے لگیں۔ کتنے عظیم تھے وہ جنہوں نے حکومت دھتکار کر فقیری اختیار کی اور مقربین الٰہی میں سے ہوئے۔

اس مقام پر پہنچ کر سوچیں رک گئیں۔ کافی دیر تک حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ اس طرح چلتے رہے جیسے خالی الذہن ہوں۔ اور پھر آپ کے خیالات حضرت خواجہ ابویوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے گرد جمع ہونے لگے۔

حضرت خواجہ ابواحمد ابدال چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے خلافت حضرت خواجہ ابومحمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو عطا کی تھی جنہوں نے پینسٹھ سال تک شادی نہ کی۔ ان کی ایک ہمشیرہ تھیں جو ہمیشہ اپنے بھائی کی خدمت کرتی تھیں۔ چالیس سال تک وہ ہمشیرہ بھی بھائی کی خدمت گزاری اور عبادت الٰہی میں اس قدر منہمک رہیں کہ شادی کا خیال تک نہ آیا۔ ایک رات انہوں نے اپنے والد گرامی حضرت خواجہ ابواحمد رحمتہ اللہ علیہ کو عالم خواب میں فرماتے سنا۔

"بیٹا ابو محمد! ولایت شافلاں میں محمد سمعان نامی شخص نے علم حاصل کر لیا ہے اور نیکی کے کام میں کمربستہ ہے اپنی ہمشیرہ کی شادی اس کے ساتھ کر دو۔"

جب ابواحمد خواب سے بیدار ہوئے تو اس شخص کو تلاش کیا اور اس سے اپنی ہمشیرہ کی شادی کر دی۔ شادی کے بعد انہوں نے بھی سکونت چشت میں اختیار کر لی۔ خواجہ ابویوسف نے ان کے ہاں جنم لیا۔ حضرت خواجہ ابومحمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بھانجے ابویوسف کی اپنی بچوں کی طرح پرورش کی اور سلوک الی اللہ کی تربیت دی۔ اور جب ماموں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے تو حضرت خواجہ ابویوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ ان کے قائم مقام ہوئے۔

جب ان کی عمر پچاس سال کی ہوئی تو محبت اور ترک دنیا نے غلبہ کیا۔ چنانچہ حضرت خواجہ ابواسحاق شامی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ حضرت

خواجہ حاجی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس تہ خانہ میں اعتکاف کے لئے ایک حجرہ بنایا جس میں وہ بارہ سال معتکف رہے۔ اس عرصہ میں ان پر اس قدر فنا اور سکر و حیرت طاری ہوتی تھی کہ کبھی کبھار جب خادم ان کو وضو کراتا تو وضو کرتے کرتے گم ہو جاتے تھے اور کئی کئی گھنٹوں کے بعد ظاہر ہوتے تھے اور وضو پورا کرتے تھے۔ رات کو رجال الغیب بھی ملاقات کے لئے آتے تھے۔ جن اور پریاں بھی حاضری دیا کرتے تھے۔ مریدین میں دو جن بھی تھے۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رحمتہ اللہ علیہ پیران چشت کے مزارات کی زیارت کے لئے چشت تشریف لے گئے تو حضرت خواجہ ابویوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ملاقات کی اور جب وہ ہرات واپس گئے تو اکثر مجالس و محافل میں ان کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ کو سماع کا بڑا شوق تھا۔ سماع کے وقت ان کی جبیں مبارک سے ایسا نور نکلتا تھا جو آسمان کی بلندیوں کو چھوتا تھا۔ حضرت خواجہ ابوبکر شبلی رحمتہ اللہ علیہ اکثر آپ کی مجلس سماع میں شامل ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ وہ ہرات تشریف لے گئے۔ راستے میں کفک نامی گاؤں پڑتا تھا جہاں ایک درویش رہتا تھا جو نہایت متقی و پرہیزگار تھا۔ اس کی ایک بیٹی بڑی حسین و پارسا تھی۔ رات کو اس نے خواب دیکھا کہ چودھویں کا چاند اتر کر اس کے پاس آگیا ہے اور وہ چاند اس سے کہہ رہا ہے۔

"تم میری بیوی ہو۔ تمہیں میں نے اللہ سے چاہا ہے۔"

صبح اٹھ کر لڑکی نے خواب اپنے باپ کے گوش گزار کیا اور اس کی تعبیر پوچھی۔

"اس کی تعبیر حضرت خواجہ ابویوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھ کر بتاؤں گا۔"

باپ نے جواب دیا اور حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔

ابھی اس درویش نے کچھ نہیں کہا تھا کہ حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی لڑکی کا خواب سنا دیا اور فرمایا۔

"وہ چاند میں ہوں اور میں نے تمہاری لڑکی کو اللہ سے مانگا ہے۔"

جب درویش نے یہ سنا تو اس نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ سے کر دیا اور وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر واپس چشت آ گئے۔ اس نیک و پارسا بی بی کے بطن سے حضرت خواجہ مودود چشتی اور حضرت خواجہ تاج الدین ابوالفتح رحمہم اللہ علیہ تولد ہوئے۔ اور جب حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے صاحبزادے خواجہ قطب الدین مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو تحصیل علم کی وصیت فرمائی اور اپنا قائم مقام فرمایا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اپنے روحانی پیشواؤں کے خیالات میں اس قدر کھوئے ہوئے تھے کہ گرد و پیش کا ہوش نہ تھا۔ انہیں یاد کرتے تھے اور دل ہی دل میں خدائے ذوالجلال کا شکر ادا کرتے تھے کہ اس نے اپنے کن عظیم بندوں کے ساتھ منسلک کر دیا ہے۔ ان کی یادوں سے آپ کو یوں لگتا تھا جیسے معرفتوں کے دریچے کھلتے چلے جا رہے ہوں۔ ہر سو روشنی ہی روشنی پھیلی ہوئی ہو۔ جیسے جیسے منزل قریب آ رہی تھی قدموں میں تیزی آتی جا رہی تھی۔ آپ پھر خیالات کی جولا نگاہوں میں کھو گئے اور ذہن میں حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا تصور ابھرا۔

وہ مادر زاد ولی اللہ تھے۔ قطب الدین لقب تھا۔ شمع صوفیاء اور چراغ چشتیہ خطابات تھے۔ خرقہ خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا تھا۔

سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ سولہ سال کی عمر میں علوم دینیہ سے فارغ ہو گئے تھے۔ جب وہ انیس سال کے ہوئے تو والد محترم داغ مفارقت دے گئے۔ دنیا کے کسی حصے میں ان کے کسی مرید کو کوئی مشکل پیش آتی تو مدد کے لئے وہاں پہنچتے تھے۔ ہوا میں پرواز کر لیتے تھے۔ حضرت شیخ احمد جام زندہ پیل رحمتہ اللہ علیہ مشہور اولیاء میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت خواجہ ابویوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کی خبر سنی تو حضرت خواجہ مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے چشت کے لئے روانہ ہوئے۔ بدخواہوں نے مشہور کر دیا کہ حضرت احمد جام رحمتہ اللہ علیہ ان کی ولایت پر قبضہ کرنے کے لئے آ رہے ہیں۔ چنانچہ مراقبہ کیا اور فرمایا۔

"حضرت احمد جام رحمتہ اللہ علیہ تو محبت و خلوص کے ساتھ آ رہے ہیں۔"

لہٰذا اپنے مریدین کے ہمراہ ان کے استقبال کے لئے گئے۔ دریائے نوتک کے کنارے دونوں حضرات کی ملاقات ہوئی اور ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے۔ تین یوم خواجہ علی حکیم کے ہاں قیام فرمایا۔ محفل سماع بھی منعقد ہوئی اور خلوت میں بھی ایک دوسرے سے روحانی استفادہ کیا۔

حضرت خواجہ مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے بے شمار خلفاء و مریدین تھے۔ یوم وصال بار بار دروازے کی طرف دیکھتے تھے جیسے کسی پیارے کے آنے کا انتظار ہو۔ اسی اثنا میں ایک شخص نورانی چہرے اور پاکیزہ لباس کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اور سلام کرنے کے بعد ریشمی کپڑے کا ایک ٹکڑا پیش کیا۔ جس پر سبز خط سے چند سطور لکھی ہوئی تھیں۔ حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس کپڑے کو ایک نظر دیکھا۔ اپنی آنکھوں پر رکھا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ خیالات

کے جزیروں سے باہر نکلے تو دور انہیں چشت کے در و دیوار دکھائی دیئے۔ دل بلبوں اچھلنے لگا جیسے کونین کی دولت مل گئی ہو۔ تینوں پیشواؤں کے مزارات مقدسہ اپنی جانب کشش کر رہے تھے۔ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ پہلے کس درگاہ عالیہ پر حاضری دی جائے۔ معاً دل سے آواز آئی۔

" ادب کا مقام ہے جو قریب ہے وہاں پہلے حاضری دی جائے۔ مرشدنا حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے مرشد حضرت خواجہ شریف زندنی رحمتہ اللہ علیہ تھے اور ان کے مرشد حضرت خواجہ مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ تھے لہٰذا آپ نے ادھر کا رخ کیا۔

مزار پاک پر کھڑے بہت سے لوگ دعا مانگ رہے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ بھی ایک طرف کھڑے ہو کر دعا مانگنے لگے۔ کافی دیر تک محو دعا رہے اور پھر حضرت احمد بن مودود چشتی قدس سرہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے جو ان دنوں مسند سجادگی پر جلوہ افروز تھے۔ عاشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ صاحب کمالات و کرامات تھے۔ بروایت کتب چشت کی سجادہ نشینی آج تک ان کی اولاد میں چلی آرہی ہے اور ان کی اولاد سے ہر زمانے میں ایک مرد عارف پیدا ہوتا ہے۔ الغرض جب حضرت احمد بن مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں علم ہوا کہ وہ حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہیں تو بے حد محبت و شفقت سے پیش آئے۔ اور قیام کا بندوبست فرمایا۔ حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کو بھی یہاں اپنائیت کا سا احساس ہوا جیسے اپنوں میں آ گئے ہوں۔ دن کو آپ حضرت احمد چشتی قدس سرہ کے قریب بیٹھتے یا پھر مزار پر بیٹھے قرآن پاک پڑھتے رہتے تھے اور رات کو عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ بزرگان چشت کے دوسرے مزارات پر بھی تشریف لے جاتے اور

کئی کئی دن وہاں قیام فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ حضرت خواجہ ابویوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر موجود تھے کہ چند صاحب جمال و نعمت درویش آئے۔ سماع کا بندوبست ہوا۔ قوال پڑھنے لگے۔

عاشق بہوائے دوست بے ہوش بود
و زیاد محب خویش مدہوش بود

فرط کہ بحشر خلق حیراں باشد
نام تو درون سینہ و گوش بود

اور وہ درویش رقص میں محو ہو گئے۔ اگر قوال کوئی دوسرا شعر پڑھنے لگتے تو وہ انہیں روک دیتے اور انہیں اشعار کے پڑھنے کو کہتے تھے۔ وہ درویش سات دن رات تک اس کیفیت میں رہے۔ ان میں سے دو بے خبر ہو کر زمین پر گر پڑے اور درمیان سے غائب ہو گئے۔

چشت میں رہتے ہوئے آپ کو دو سال بیت گئے تھے۔ اس دوران میں بزرگان چشت نے آپ پر فیوض و برکات کے در باز کر دیئے تھے لیکن ابھی عشق کے اور بھی امتحان تھے۔ جن سے گزرنا تھا لہٰذا ایک روز حضرت احمد بن مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔
"یا حضرت! اب رخصتی کی اجازت مرحمت فرمائیں۔"
انہوں نے متبسم آپ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔
"تم سے جدا ہونے کو دل تو نہیں چاہتا لیکن ابھی سلوک کی بڑی منزلیں پڑی ہیں جو طے کرنے والی رہتی ہیں لہٰذا میں روکوں گا نہیں۔"
چنانچہ انہوں نے آپ کو سینے سے لگایا۔ باہر تک چھوڑنے آئے اور دعاؤں کے

ساتھ رخصت کیا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ جب چشت سے روانہ ہوئے تو دل وہیں اٹکا ہوا تھا۔ وہاں دو سال قیام کی یادیں۔ بزرگان چشت کے قرب کی سعادتیں اور صاجزادہ حضرت احمد بن مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی بابرکت محفلیں دل و دماغ میں گردش کر رہی تھیں۔ جنگلوں' صحراؤں' ویرانوں' کھنڈرات اور آبادیوں سے گزرتے ہوئے آپ نے سرزمین بخارا میں قدم رکھا۔ جانا پہچانا علاقہ تھا۔ تحصیل علم کے سلسلہ میں کئی سال یہاں بسر کئے تھے۔ اساتذہ کرام کے چہرے بھی نظروں میں گھومے اور ہم مکتبوں سے صحبتیں بھی یاد آئیں۔ آپ سیدھے اپنے استاد محترم حضرت شیخ حسام الدین قدس سرہ کی خدمت میں پہنچے۔ وہ اپنے ہونہار شاگرد کو دیکھ کر بے حد مسرور و شاداں ہوئے اور مدرسے میں ہی قیام کا بندوست کر دیا۔

ایک دن آپ ایک محفل میں تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب نے بتایا کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک شخص کو نماز ادا کرتے دیکھا جو رکوع و سجود میں نماز کا حق اچھی طرح ادا نہیں کرتا تھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو دریافت فرمایا۔

"کب سے اس طرح نماز ادا کر رہے ہو؟"

عرض کی۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! کافی سال ہو گئے ہیں۔"

فرمایا۔

" ان سالوں میں تم نے کوئی نماز ادا نہیں کی۔ اگر مر جائے گا تو میری سنت پر نہیں رہے گا۔"

بخارا میں ایک نابینا شخص رہتا تھا جو ازحد یاد الٰہی میں مشغول رہتا

تھا۔ ایک روز حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اس کے پاس گئے اور پوچھا۔

”کب سے نابینا ہوئے ہو؟“

اس نے کہا۔

”جب میرا کام کمالیت کو پہنچ گیا اور وحدانیت و جلال و عظمت پر نگاہ پڑنی شروع ہوئی تو ایک دن بیٹھے بیٹھے میری نگاہ ایک غیر پر جا پڑی۔ غیب سے آواز آئی۔

”اے مدعی! دعویٰ تو تو ہماری محبت کا کرے اور دیکھے غیر کی جانب۔“

جب یہ آواز سنی تو بے حد خجل و شرمندہ ہوا۔ منہ سے بات تک نہیں نکلتی تھی۔ محبت کی دنیا میں یہ بات گناہ عظیم ہے کہ محبت کہیں ہو اور نگاہ غیر پر پڑے۔ چنانچہ بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔

”اے اللہ! جو آنکھ دوست کے سوا کسی غیر کو دیکھے وہ اندھی ہو جائے۔“

چنانچہ ابھی یہ بات اچھی طرح نہ کہنے پایا تھا کہ دونوں آنکھوں سے اندھا ہو گیا۔

آپ نے یہ بات سنی تو سوچوں میں مستغرق ہو گئے۔

”اللہ تعالیٰ بڑا باغیرت ہے۔ اسے یہ قطعاً برداشت نہیں کہ اس سے محبت کرنے والا کسی اور کی طرف دیکھے۔“

اور پھر اٹھ کر واپس چلے گئے۔

بخارا میں چند یوم ٹھہرنے کے بعد آپ نے رخت سفر باندھا۔ اپنے استاد محترم سے اجازت طلب کی اور سمرقند کی طرف چل پڑے۔ راہیں آشنا تھیں۔ گلیاں اور محلے جانے پہچانے تھے۔ شہر میں پہنچ کر سیدھے حضرت مولانا شرف الدین رحمتہ اللہ علیہ کے پاس گئے اور سلام ادب بجالائے۔ عرصہ دراز کے بعد جب انہوں نے اپنے شاگرد کو سامنے کھڑے پایا تو خوشگوار حیرت و محبت

سے گلے لگایا۔ جن منزلوں کے حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ مسافر تھے ان کے بارے میں جان کر استاد ذی احترام کو بے حد مسرت ہوئے اور اپنے پاس ٹھہرایا۔ ماضی حال کی شکل میں سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ کیا وقت اور زمانہ تھا۔ ہر سو محبتوں کی بو باس پھیلی ہوئی تھی۔ علم کے پھول کھلے ہوئے تھے۔

سمرقند میں کئی ایک بزرگان دین کے مزارات تھے۔ انہیں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں تھی وہ ازخود اپنی جانب توجہ منعطف کرا لیتے تھے۔

حضرت خواجہ ابوعبداللہ محمد بن فضیل رحمتہ اللہ علیہ کا تعلق طبقہ ثانی سے تھا۔ ان کا مزار مرجع خلائق تھا۔ حضرت ابو عثمان حیری رحمتہ اللہ علیہ کو ان سے بڑی محبت تھی۔ ایک بار انہوں نے خط میں لکھا۔

"شقاوت و بدبختی کی علامت کیا ہے؟"

تو حضرت خواجہ ابوعبداللہ رحمتہ اللہ علیہ نے جواباً تحریر کیا۔

"بدبختی کی تین علامتیں ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے علم دے لیکن عمل سے محروم کر دے۔ دوم یہ کہ توفیق عمل دے لیکن اخلاص سے محروم کر دے اور تیسری یہ کہ صالحین کی صحبت اختیار کرے لیکن ان کے ادب سے روگردانی کرے۔"

جب یہ خط حضرت خواجہ ابو عثمان حیری رحمتہ اللہ علیہ کو ملا تو ارشاد فرمایا۔

"محمد بن فضیل بلخی شیر مرد ہے۔"

متعصب لوگوں نے مذہبی اختلاف کی بنا پر ان کو شہر بدر کر دیا چنانچہ بلخ سے سمرقند آگئے اور یہیں آسودہ خواب ہوئے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ جب ان کے مزار پر پہنچے تو ایک انجانا سا سکون محسوس ہوا۔ آپ وہاں تھوڑی دیر رکے اور پھر باہر نکل گئے۔ راستے میں حضرت ابراہیم شمس سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ کا مزار

تھا لہٰذا وہاں تشریف لے گئے۔ ان کا زیادہ تر وقت بغداد میں گزرا تھا۔ مدت مدید کے بعد وطن سمرقند میں واپس آئے تھے۔ ایک بار لشکر کفار نے سمرقند کو گھیر لیا۔ لہٰذا یہ رات کو اٹھے اور باہر نکل کر لشکر پر ایک آواز لگائی جس سے وہ سہم کر منتشر ہو گیا اور لشکری آپس میں ایک دوسرے کو مارنے لگے۔ ان کا یہ قول جلی حروف میں ایک کتبہ پر آویزاں تھا۔

"ادب یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو پہچان لے۔"

حضرت خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ اس قول کی گہرائیوں میں کھو گئے اور پھر ان کے لئے دعا کی۔

امام ابو اللیث کے محل کے قریب ایک بزرگ مسجد تعمیر کرا رہے تھے۔ قریب ہی ایک دانشمند کھڑا تھا اور مشورہ دے رہا تھا۔

"محراب اس طرف رکھو۔"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ وہاں سے گزر رہے تھے۔ جب آپ نے اس شخص کی بات سنی تو رک گئے اور فرمایا۔

"کعبہ اس طرف نہیں بلکہ اس طرف ہے۔"

وہ شخص بضد تھا کہ کعبہ اسی جانب ہے جس طرف وہ کہتا ہے۔ جب کسی طور نہ مانا تو آپ نے اس کی گردن پکڑی اور کہا۔

"دیکھو۔ جدھر میں کہتا ہوں کعبہ اسی جانب ہے۔"

آپ نے عالم وارفتگی میں کہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے الفاظ کی لاج رکھ لی اور درمیان سے حجابات اٹھا دیئے۔ اس شخص نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو کعبہ شریف سامنے نظر آیا۔

یہاں سے فراغت کے بعد آپ حضرت شیخ ابوالعباس دینوری اور حضرت شیخ فارس بن عیسیٰ بغدادی رحمتہ اللہ علیہم کے مزارات پر گئے۔ فاتحہ

...ھی' تھوڑی دیر وہاں قیام کیا اور واپس لوٹ گئے۔

رات کو جب آپ بغرض آرام لیٹے تو طائر خیال مرشدنا حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس لے گیا جو ہرون سے بغداد شریف منتقل ہو گئے تھے۔ دل ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ چارپائی سے اٹھ بیٹھے اور کمرے سے باہر نکل کر آسمان کی طرف دیکھنے لگے جہاں ستاروں کی بارات سجی تھی۔ ان سے جدا ہوئے چھ سات سال کا عرصہ بیت چکا تھا۔ ہجرو فراق کا احساس یکدم ابھرا تھا اور بڑی شدت سے ابھرا تھا۔ خیالات کے دھارے کا رخ موڑنے کی مقدور بھر کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی بلکہ مرشد اور زیادہ یاد آنے لگے۔ کبھی خیال آتا۔

"واپس بغداد مرشد کے پاس چلو۔"

پھر ذہن میں آتا۔

"بغیر اذن واپسی پر کہیں حضرت عثمان ہرونی قدس سرہ ناراض نہ ہو جائیں۔"

اسی ادھیڑبن میں تھے کہ مرغان سحر کی آوازیں سنائی دیں۔ اٹھے اور عبادت الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ فراغت کے بعد پھر مرشد کی یاد نے گھیرے میں لے لیا۔

"مرشد کی یاد نے اس سے قبل کبھی اتنا بیکل نہیں کیا تھا' اس میں بھی کوئی حکمت ہو گی۔"

آپ سوچنے لگے اور پھر انہیں سوچوں میں مدغم مولانا شرف الدین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور جانے کی اجازت طلب کی۔

"ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں جو جانے کا کہہ رہے ہو۔"

استاد نے محبت کا ظہار کرتے ہوئے کہا۔

"مرشد سے ملاقات کے لئے دل تڑپ رہا ہے۔"

آپ نے بتایا تو استاد مکرم نے اجازت دے دی۔ تو اسی وقت اٹھ کر چل

دیئے۔ یہی دل چاہتا تھا کہ پر لگ جائیں اور اڑ کر حضرت شیخ قدس سرہ کے قدموں میں پہنچ جاؤں۔

راستے میں مہنہ پڑا جہاں حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ کا مزار پاک تھا۔ شب گزارنے کے لئے آپ وہاں رک گئے۔ مزار پر ہر وقت لوگوں کی آمدورفت جاری رہتی تھی۔ تمام مشائخ عصران کے مسخر اور گرویدہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا ہر لحظہ نزول ہوتا رہتا تھا۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

☆ اللہ تبارک و تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے تعداد میں تمام موجودات کے ذرات کے برابر ہیں لیکن کسی کا دل خوش کرنے سے بہتر کوئی راستہ نہیں۔ اور ہم نے حق تعالیٰ کو اسی طریقے سے پایا ہے اور اسی کی ہم وصیت کرتے ہیں۔

☆ بندے اور پروردیگار کے درمیان زمین و آسمان اور عرش و کرسی پردہ نہیں ہے بلکہ بندے کا غرور اور انانیت پردہ ہے۔ اس انانیت اور غرور کے پردے کو اٹھادے پھر تو اللہ تک پہنچ جائے گا۔"

صبح ہوتے ہی حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے مزار پر دعا مانگی اور پھر سفر پر روانہ ہو پڑے۔ اب ذہن میں سوائے مرشد کے اور کوئی خیال نہیں تھا۔ کئی دنوں کی مسافت کے بعد بغداد پہنچے۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ وجود میں حب شیخ کی روئیں دوڑ رہی تھیں۔ لرزاں و ترساں مرشد کی خدمت عالیہ میں پہنچے۔ دیکھا تو وہ پیکر اشتیاق بنے بیٹھے تھے اور انگ انگ سے مسرت ٹپک رہی تھی۔ بس پھر کیا تھا بھاگ کر گئے اور قدموں سے لپٹ کر بوسے لینے لگے اور آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

باب ۵

مرشد کے سنگ

سیر وا فی الارض سے جب انسان انگنت تجربات و مشاہدات کے گلی کوچوں سے گزرتا ہے تو اس کی زندگی میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔ خیر اور غیر میں حد امتیاز برقرار رکھنے کا شعور بیدار ہوتا ہے اور علم و حکمت کے سربستہ اسرار و رموز کی پردہ کشائی ہوتی ہے۔ اور جب یہ سفر مرشد کامل کے اذن سے اختیار کیا جائے تو اس سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ مرید کو کسی اگلی منزل سے گزارنے کے لئے اسے تیار کیا جارہا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اپنے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ سے چھ سات سال جدا رہے اس دوران میں آپ کو کئی مقامات سے گزرنے کا موقع ملا۔ عشق و محبت میں پختگی آئی اور جب مرشد نے محسوس کیا کہ مقصود حاصل ہوگیا ہے تو یکدم مرید کے سینے میں آتش فراق شعلہ زن کردی اور واپس بلالیا۔ اب آپ تھے اور مرشد کی صحبتیں، قرب، محبت، نوازشیں اور فیض جس سے ہمہ وقت مستفید ہو رہے تھے۔

جب کوئی مرید سلوک کی منازل طے کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت وہ خود سپردگی کے عالم میں ہوتا ہے۔ اس نے کماحقہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ مرشد کی تحویل میں دے دیا ہوتا ہے اور مرشد کامل مرید کے اس فنا فی الشیخ

جذبہ کی روشنی میں اسے ایسی ایسی منزلوں سے گزرتا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

نفس کا یہ مزاج ہے کہ وہ ہر چیز برضا و رغبت قبول کر لیتا ہے لیکن خدمت سے گریزاں رہتا ہے لہٰذا اس سے پہلو تہی کے لئے ہزارہا عذر تراشتا رہتا ہے۔ کیونکہ بقول حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ خدمت کی قضا نہیں ہے۔

راہ سلوک میں مرشد کی خدمت کا بڑا مقام و مرتبہ ہے۔ اور یہی سب سے مشکل ترین گھاٹی ہوتی ہے۔ لیکن جو بہ دل و جان اس کا حق ادا کرتا ہے اس پر روز افزوں نت نئی منزلیں جلوہ گری کرتی ہیں۔ انتہائی بلندیوں پر پرواز کرتا ہے۔ تقرب الی اللہ نصیب ہوتا ہے لیکن اس میں ذرہ برابر تغافل و بے اعتنائی معرفت کی منزل کھوٹی کر دیتی ہے۔ راستے طویل ہو جاتے ہیں اور خدمت میں مسلسل و پیہم کوتاہی سے مرید بلندیوں پر چڑھنے کی بجائے پستیوں میں اتر جاتا ہے اور وہیں کہیں حق سے بعد و دوری کی قبر میں دفن ہو جاتا ہے۔

مرشد کی ذات کے اندر ایک متنوع جہان آباد ہوتا ہے۔ اور جب کوئی مرید اس کی خدمت میں پورا اترتا ہے تو پھر وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اللہ کے ہزاروں بندوں کی خدمت کرے تو یہ اس پر گراں نہیں گزرتا اور وہ "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد" کی زندہ جاوید تصویر ہوتا ہے۔

سفر سے واپس آئے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے کہ ایک روز حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ مجلس میں تشریف لائے اور فرمایا۔

"ہمارا ارادہ سفر کا ہے۔"

اور پھر متبسم حضرت معین الدین رحمتہ اللہ علیہ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"اگر تم چاہو تو ساتھ چلو۔"

یہ مژدہ جانفزا سنا تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔ سر تسلیم خم کر دیا۔ اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی تھی کہ مرشد کے ساتھ ہمرکابی کا شرف حاصل ہو۔ لیکن یہ سفر تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف تھا۔

حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ جو کہ منتہی کے مقام پر تھے اور عطائے الٰہی کو انعامات کی شکل میں تقسیم فرما رہے تھے انہیں سفر پر جانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی یہ تو سب کچھ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی تربیت کے لئے کیا جا رہا تھا تاکہ مرشد کی معیت میں آپ کو راہ عشق و محبت پر چلنا آ جائے۔ خدمت خلق کا ڈھنگ روشن ہو جائے۔ رخ کی سمت متعین ہو جائے' طبیعت کے رجحانات کا جائزہ لے کر رہنمائی کی جائے۔ بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں آپ کو پیش کر کے سند قبولیت کی درخواست کی جائے۔ یہ تیسری منزل تھی جہاں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے کڑے امتحان سے دوچار ہونا تھا۔ اس منزل میں سرخروی سے ہی ولایت و معرفت الٰہیہ کے در باز ہونے تھے۔

جس دن حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے سفر پر روانہ ہونا تھا تو جب وہ اپنے کمرے سے باہر تشریف لائے تو انہوں نے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو کندھے پر مرشد کا بستر اور سر پر گرم انگیٹھی کے اوپر توشہ دان رکھے کھڑے پایا تاکہ جب بھی مرشد کھانا طلب کریں گرم کھانا پیش کریں۔ انہوں نے اپنے مرید باصفا پر نظر فرمائی اور چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے۔ عطا کا دروازہ کھلا اور اس کمربستگی پر بہت سے روحانی انعامات سے نواز دیا۔

اب مرشد آگے اور حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ

اللہ علیہ ان کے نقش قدم پر پیچھے چل رہے تھے اور ہمہ تن متوجہ تھے کہ مرشد جو ارشاد فرمائیں اس کی فوراً تعمیل ہو۔

اوش نام کے دو شہر ہیں ایک فرغانہ میں اور دوسرا مضافات بغداد میں۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کا رخ موخرالذکر شہر کی جانب تھا۔ جب یہ چھوٹا سا قافلہ وہاں پہنچا تو حضرت بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ جن کا تعلق بختیاری قبیلہ سے تھا اور عرف عام میں بہاء الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے معروف تھے۔ انہوں نے چند یوم یہاں قیام فرمایا۔ اس خانقاہ کا دستور تھا کہ جو کوئی آتا خالی نہ جاتا تھا۔ اگر ننگا ہوتا تو نفیس کپڑے اسے دیئے جاتے۔ ابھی وہ دے نہ چکتے تھے کہ غیب سے ویسے ہی اور آجاتے تھے۔ ایک دن سب لوگ بیٹھے تھے کہ حضرت بہاء الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے جو ازحد بزرگ تھے نصیحت فرمائی۔

"جو کچھ ہے اسے اللہ کی راہ میں صرف کرنا چاہئے یہاں تک کہ ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہ رکھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی دوستی حاصل ہو۔"

جب سب لوگ اٹھ کر چلے گئے تو حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"معین الدین! مرد کو چاہئے کہ اس دنیا کی طرف نگاہ نہ کرے اور اس کے نزدیک نہ پھٹکے اور جو کچھ اسے ملے اللہ کی راہ میں خرچ کردے اور کچھ ذخیرہ نہ کرے۔"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت بہاء الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کی نصیحت اور اپنے مرشد کے قول صادق کی عملی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھی کہ جو چیز اللہ کی راہ میں دی جاتی

ویسی ہی غیب سے اور آجاتی تھی۔ یہی دست غیب تھا۔

مرشد کی معیت میں سفر کرتے ہوئے آپ نے محسوس کیا کہ ایک ایک قدم پر سینے کے اندر روحانی انقلاب برپا ہو رہا ہے۔ سفر و حضر میں مرشد حسب حال مختلف اقوال سے نوازتے رہتے تھے جن کے اندر علم و معرفت کا سمندر موجزن ہوتا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی بھی انتھک کوشش تھی کہ مرشد کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔ ہر وقت حاضر باش رہتے تھے۔ رات اور دن کے جس حصے میں بھی مرشد آواز دیتے تو آپ کو حاضر پاتے تھے۔

اوش کے بعد اگلی منزل بدخشاں تھی۔ پیر و مرید دونوں چلے جا رہے تھے۔ رات اگر آبادی میں نہ آتی تو کسی قبرستان میں بسر کرتے تھے۔ آرام کرنا مقصود ہوتا تو کسی جنگل یا سایہ دار درخت کے نیچے کرتے تھے۔ نماز کا وقت ہوتا تو کسی صحرا میں اللہ اکبر کی صدا بلند ہوتی اور مرشد کی اقتداء میں نماز ادا کی جاتی تھی۔ کھانے کی طلب ہوتی تو گرما گرم مرشد کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ ایک دن کسی شجر کے سایہ میں بیٹھے تھے کہ حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"معین الدین!"

سنا تو ہمہ تن گوش ہو گئے۔ مرشد پھر گویا ہوئے۔

"عمل کی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے۔ یہ خواص کا عمل ہے اور دوسرا جو نمائش کے لئے کیا جائے اس کا بدلہ نہیں ملتا اور ایسا کرنا اچھا نہیں۔"

مرشد جو فرماتے تھے آپ دل پر نقش کر لیتے تھے۔

بدخشاں میں پہنچ کر ایک مسجد میں قیام کیا۔ ایک دن ان کی ملاقات

ایک بزرگ سے ہوئی جو سید الطائفہ حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے پیش کاروں میں سے تھے۔ جن کی عمر اس وقت ایک سو سات سال تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں از حد مشغول تھے۔ لیکن ان کا ایک پاؤں نہیں تھا۔

"آپ کے پاؤں کو کیا ہوا؟"

جب ان سے پوچھا گیا تو بولے۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نفسانی خواہش کی خاطر میں جھونپڑی سے باہر قدم رکھنا ہی چاہتا تھا کہ آواز آئی۔ یہی تیرا اقرار تھا جو تو نے فراموش کر دیا۔" چھری پاس پڑی تھی' میں نے اٹھا کر اپنا پاؤں کاٹ ڈالا اور باہر پھینک دیا۔ آج چالیس سال کا عرصہ گزرا ہے کہ میں نے اپنے پاؤں کو کاٹا تھا اور حیرانگی کے عالم میں مبتلا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ کل درویشوں میں یہ منہ کس طرح دکھاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس بزرگ پر غم و اندوہ کے بادل محیط ہو گئے اور پھر حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اپنے مرشد کے ہمراہ جھونپڑی سے باہر نکلے اور واپس لوٹ گئے۔

"یہ خواص کا عمل ہے۔"

آپ سوچ رہے تھے کہ حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ پر یہ سوچ منکشف ہو گئی اور فرمایا۔

"بے شک یہ خواص کا عمل ہے۔"

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔ ایک وقت وہ تھا کہ حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ جب سلوک کے مراحل طے کر رہے تھے تو اپنے مرشد حضرت خواجہ شریف زندنی رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ بدخشاں میں آئے تھے اور اب وہی کل کا مرید اور آج کا مرشد اپنے مرید حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو ہمراہ لے کر بدخشاں میں آیا تھا۔ اور جن مقامات سے

خود گزرا تھا آج اپنے مرید کو وہاں سے گزار رہا تھا۔ چراغ سے چراغ ایسے ہی تو روشن ہوتے ہیں۔ بہرکیف جب مرشد نے مناسب سمجھا کہ مزید قیام کی ضرورت نہیں تو بدخشاں کو خیرباد کہا اور پھر سفر پر چل پڑے۔

کئی دنوں کے بعد یہ دونوں بزرگ دمشق کے قریب پہنچے۔ یہ ملک شام کا مشہور ترین شہر ہے۔ یہ مقام کبھی قیصر روم کی مملکت میں شامل تھا لیکن اب مسلمانوں کے زیر تسلط تھا۔ دمشق اس کے مضافات اور نزدیکی شہروں میں ہزاروں کی تعداد میں انبیاء کرام علیہم السلام کے مطہر و مقدس مزارات ہیں۔ اس خطہ ارض نے بے شمار و لاتعداد اصحاب رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مبارک قدموں کو بوسے دیئے تھے جن میں سے بعض کے مقابر موجود ہیں۔

انگنت اولیاء اللہ بھی یہاں آسودۂ خواب ہیں۔ عجب شان والا شہر مقدس ہے جو لحظہ بہ لحظہ قریب آ رہا تھا۔

دمشق میں حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہما نے مسجد کے سامنے بارہ ہزار انبیاء علیہم السلام کے روضے دیکھے جہاں ہر وقت نور برستا اور لوگوں کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے ان روضوں پر حاضری دی اور زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ بے حد ادب کا مقام تھا۔ یہ سلسلہ کئی مہینوں تک پھیل گیا۔ ہر روز مختلف انبیاء علیہم السلام کے مزارات پر حاضری دیتے اور فیض حاصل کرتے تھے۔

"یہاں پر کن اصحاب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مزارات ہیں؟"

ایک شخص سے دریافت کیا تو اس نے کہا۔

"حضرت ابان سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید جنگ مرج الصفر کا مزار

پاک تو دمشق میں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان اور حضرت بشر بن جحاش رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزارات حمص میں ہیں۔ حضرت اوس بن صامت اور حضرت شداد بن اوس انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزارات رملہ میں ہیں۔ حضرت افلس' حضرت اوس بن اوس' حضرت اوس بن سعد اور عاشق رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت بلال بن رباح حبشی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مزارات بھی یہیں شام میں ہیں۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلاموں کی اپنی شان ہے۔ ستاروں کی مانند ہیں۔ جس کی بھی اتباع کی جائے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ ان عاشقان رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقابر پر حاضری سے مشرف ہونے پر کافی عرصہ لگ گیا۔ فیوض و برکات سے دامن بھرے۔ لیکن جی نہیں بھرتا تھا۔

جب ان مقابر پر حاضری نصیب ہو گئی تو پھر ایک دن کسی سے دریافت کیا۔

"یہاں بزرگان دین کے کون سے مزارات ہیں؟"

تو مخاطب نے کہا۔

"حضرت خواجہ احمد حواری' حضرت شیخ عبداللہ جناء' حضرت ابوبکر الدقی' حضرت شیخ ابوبکر سوسی' حضرت ابوسلیمان مغربی رحمتہ اللہ علیہم کے مزارات تو دمشق میں ہیں اور حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی رحمتہ اللہ علیہ کا مزار بیت الجن گاؤں میں ہے جو دمشق کے قریب گھاٹی میں ہے۔ حضرت شیخ ابوبکر کفشیری رحمتہ اللہ علیہ کا مزار کفشیر گاؤں میں ہے۔ حضرت ابوبکر بن داؤد دینوری اور حضرت ابوعبداللہ دینوری رحمہم اللہ کے مزار دینور میں ہیں۔

حضرت ابو عبداللہ رودباری رحمتہ اللہ علیہ کا مقبرہ شہر صور میں دریائے صور کے کنارے واقع ہے۔ ان کے علاوہ حضرت ابراہیم بن ادھم' حضرت شیخ طاہر مقدسی' حضرت شیخ ابراہیم بن داؤد القصاد الرقی اور حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی رحمتہ اللہ علیہم کے مزارات بھی شام میں ہیں۔"

جب حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرشد حضرت شریف زندنی رحمتہ اللہ علیہ کا اسم گرامی سنا تو ادب سے سر خم کر دیا اور ان کے دیکھا دیکھی حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنے سر کو جھکا دیا۔

سب سے پہلے حضرت شریف زندنی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پاک پر ان ہر دو بزرگوں نے حاضری دی اور کافی دن وہاں بسر کئے۔ حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اس سے زیادہ اور کیا خوشی کی بات ہو سکتی تھی کہ مرشد کی معیت میں دادا مرشد کی خدمت کا بھی موقع میسر آگیا تھا۔

ایک دن دمشق کی مسجد میں واصل حق درویش محمد عارف قدس سرہ کو دیکھا۔ چند ایک اور بزرگ بھی ان کے پاس بیٹھے تھے۔ حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ بھی قریب بیٹھ گئے۔ وہ بزرگ کہہ رہے تھے۔

"قیامت میں مالداروں سے حساب ہوگا اور درویش معذور ہوں گے۔"

وہاں پر بیٹھے ایک درویش کو یہ بات پسند نہ آئی۔ بولا۔

"یہ کس کتاب میں لکھا ہے؟"

حضرت خواجہ محمد عارف قدس سرہ کو کتاب کا نام یاد نہ تھا۔ کچھ دیر مراقبہ کر کے نام بتایا تو اس شخص نے پھر کہا۔

"جب تک مجھے کتاب نہ دکھائیں میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔"

ان بزرگ نے کہا۔

"جو بندگان خدا کو دکھایا ہے اس کو بھی دکھا دے۔"

چنانچہ روحانی طور پر اس درویش کو وہ کتاب معائنہ کرا دی گئی۔ اس نے اٹھ کر اقرار کیا اور قدموں پر گر پڑا اور کہا۔

"دیکھو یہ ہیں اللہ والے۔"

بعد ازاں گفتگو نے عجیب رخ اختیار کر لیا اور کہا گیا۔

"جو شخص اس مجلس میں حاضر ہے وہ اپنی کرامت دکھائے۔"

یہ سنتے ہی حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے فوراً مصلے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور مٹھی بھر اشرفیاں نکالیں اور ایک درویش کو دے کر فرمایا۔

"درویشوں کے لئے حلوا لے آ۔"

ایک اور بزرگ بیٹھے تھے انہوں نے قریب پڑی ہوئی لکڑی پر ہاتھ مارا۔ حکم الٰہی سے وہ لکڑی سونے کی بن گئی۔ حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرید حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

"تم کیوں نہیں کچھ کہتے۔"

وہاں پر ایک بھوکا درویش تھا جو شرم کے مارے سوال نہیں کرتا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے گدڑی میں سے جو کی چار روٹیاں نکال کر اسے دے دیں۔ یہ دیکھ کر حضرت خواجہ محمد عارف نے کہا۔

"درویش میں جب تک اتنی قوت نہ ہو اسے درویش نہیں کہتے۔"

دمشق میں مدت قیام خاصی طویل ہو گئی۔ مزارات مقدسہ پر حاضری اور حال پر موجود اولیاء اللہ اور بزرگان دین سے ملاقاتوں سے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو مرشد نے جن حقائق' مقامات' احوال

اور درجات سے گزارا اس نے آپ کو دنیائے روحانیت کی بلند چوٹیوں پر پہنچا دیا۔ لیکن معرفت الٰہیہ کی کوئی انتہا نہیں۔ یہ تو رب کریم کا فضل و کرم ہے کہ وہ کس کو کتنی پرواز عطا کرتا ہے۔ ایک دن حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ مصلے پر تشریف فرما تھے کہ گویا ہوئے۔

"معین الدین! کل انشاء اللہ روانہ ہوں گے۔"

"جیسا آپ کا حکم حضور۔"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی اور ادب سے بیٹھے رہے۔ مرشد نے پھر اپنی زبان حق بیان کو جنبش دی اور فرمایا۔

"جس میں یہ تین صفات ہوں اللہ اس کو دوست رکھتا ہے۔ اول دریا کی سی سخاوت' دوم آفتاب کی سی شفقت اور سوم زمین کی سی عاجزی۔"

"سبحان اللہ!"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ مرشد نے پھر کہا۔

"جس وقت کوئی آدمی پیاسے کو پانی دیتا ہے اسی گھڑی اس کے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں گویا کہ ابھی ماں کے شکم سے نکلا ہے۔ اور بغیر حساب کے بہشت میں جائے گا۔ اور اگر اسی وقت فوت ہو جائے تو شہید ہو کر فوت ہو گا۔"

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ نماز عشا کی اذان سنائی دی دونوں بزرگ اٹھ کر جانب مسجد چل پڑے۔

اگلے دن نماز اشراق کے بعد یہ دونوں حضرات پھر سفر پر چل پڑے۔ ایک دن دریائے دجلہ کے کنارے پہنچے تو وہاں پل تھا نہ کوئی کشتی۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو آنکھیں بند کرنے کو فرمایا۔ آپ نے حسب الارشاد

آنکھیں بند کیں تو اپنے آپ کو اور مرشد کو دریا کے دوسرے کنارے پر کھڑے پایا۔

"یا مرشدنا! اس کی حکمت عطا ہو کہ یہ سب کیسے ہوا؟"

فرمایا۔

"میں نے پانچ مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر پانی پر قدم رکھا اور پار ہو گئے۔"

یہ کہہ کر وہ چپ ہو گئے۔ قدرے سکوت فرمایا اور پھر کہا۔

"اگر کوئی شخص کسی مہم کے لئے سورہ فاتحہ پڑھے اور حاجت پوری نہ ہو تو میرا دامن پکڑ لے۔"

اب یہ دونوں عظیم ہستیاں اس راستے پر چل رہی تھیں جو مکہ مکرمہ کو جاتا تھا۔ راستے میں ایک شہر پڑا انہوں نے چند روز پڑاؤ ڈالا۔ اس شہر میں اللہ کے مقربین کی ایک جماعت تھی جن کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ یہ ان کے پاس رک گئے اور منتظر رہے کہ کب عالم صحو میں آتے ہیں۔ اس طرح چند روز گزر گئے لیکن وہ ہوش میں نہ آئے تو رخت سفر باندھا اور سوئے خانہ کعبہ چل پڑے۔

جب یہ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تو اس کی عظمت و جلال نے ان کو گھیرے میں لے لیا۔ حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑا اور خانہ کعبہ کے پرنالے کے نیچے کھڑے ہو کر اپنے رب کی مناجات کی اور پھر عرض کی۔

"اے بار الٰہ! معین الدین میرا مرید ہے۔ اس کو تیرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا فیض پہنچایا ہے۔ تو اس کو قبول فرما۔"

ابھی یہ دعا ختم ہی ہوئی تھی کہ ندا آئی۔

"ہم نے معین الدین کو قبول کیا۔"

حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے جب یہ آوازۂ غیب سنا تو اللہ تبارک وتعالٰی کا بہ دل و جان شکر بجا لائے اور حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے بارگاہ ایزدی میں سر جھکا دیا۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا جو آپ کو نصیب ہوا تھا۔ ساکت و صامت کھڑے تھے کہ مرشد نے ہاتھ تھاما اور ایک طرف لے گئے۔

"معین الدین! اللہ تبارک و تعالٰی کی اس قبولیت پر مبارک ہو۔"

حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا تو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔

"حضور! یہ آپ کی نظر و دعا کا فیض ہے وگرنہ میری کیا حیثیت ہے۔"

مکہ مکرمہ میں کچھ عرصہ قیام رہا۔ سارا وقت مرشد کی خدمت اور اللہ تعالٰی کی عبادت میں گزرتا تھا۔ اور پھر اللہ تعالٰی کے محبوب و حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر خوباں کا رخ کیا۔ جہاں حضرت جنید بغدادی اور حضرت بایزید بسطامی رحمہم اللہ تعالٰی اونچا سانس نہیں لیتے تھے۔ جہاں حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ گلی اور کوچوں کے کنارے کنارے ننگے پاؤں چلتے تھے کہ مبادا ان کا پاؤں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک پر آجائے' ساری عمر مدینۃ الرسول سے باہر نہیں گئے کہ کہیں موت نہ آجائے اور مدینہ منورہ کے علاوہ کہیں اور دفن کر دیئے جائیں۔ جہاں ہر روز ستر ہزار ملائکہ سلامی کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور پھر ان کی باری قیامت تک نہیں آئے گی۔ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر ہی تو کائنات کو تخلیق فرمایا تھا اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و اطاعت کو اپنی محبت و اطاعت قرار دیا ہے۔ اور جب عشاق مدینۃ الرسول کا رخ کرتے ہیں ان کی حالت کچھ ایسی ہوتی ہے۔

ادھر پاک مدینہ دے ایدھر میریاں اکھاں
راہواں دے وچ روندا جاواں تے چماں پھڑ پھڑ کھاں

تھاں تھاں تے انوار دسن محبوب دے جلوے تکاں
دو اکھاں مجبور ظہوری تے میں کتھے کتھے رکھاں

یہی حال حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کا تھا۔ حضور اکرم، نور مجسم، رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر دل میں صلوٰۃ و سلام پڑھتے چلے جارہے تھے۔ دور سے سبز گنبد نظر آیا تو محبت کے دریاؤں کے دہانے کھل گئے۔ آنکھیں نم آلود ہو گئیں۔ مسجد نبوی کے اندر داخل ہوئے تو سیدھے روضہ اقدس و مطہر کی طرف گئے اور سر جھکائے ہاتھ باندھے ادب سے کھڑے ہو گئے۔

"معین الدین! بارگاہ رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں نذرانہ عقیدت اور صلوٰۃ و سلام کا ہدیہ پیش کرو۔"

مرشد نے کہا تو آپ نے عرض کی۔

"الصلوۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے عاجزانہ سلام بارگاہ رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں پیش کیا تو روضہ پاک کے اندر سے آواز آئی۔

"وعلیکم السلام یا قطب المشائخ بر و بحر۔"

یہ سن کر حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"بس تمہارا کام بن گیا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اللہ کے مقبول بندے معین الدین کو

مشائخ بر و بحر فرما کر سند عطا فرما دی تھی۔ آپ کی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔ عنایات و کرم کی بارش ہو رہی تھی جس کا وہم و گمان نہیں کیا جاسکتا تھا۔ محبت، ادب، خلوص اور خدمت سے اللہ تعالیٰ کے فضل اور محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں منگتوں، سالکوں، تہی دامنوں کے دامن تنگ ہو جاتے ہیں لیکن عطا کی فراوانی میں رتی برابر کمی واقع نہیں ہوتی۔ چند یوم یہاں قیام فرمایا۔ صلوٰۃ والسلام کے محبت بھرے نذرانے بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کئے۔ انعامات مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھولی بھری۔ رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا مشاہدہ کیا۔ دل چاہتا تھا کہ سبز گنبد کے سائے میں ساری عمر بیت جائے لیکن جانا ضروری تھا۔ چشم نم کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں رخصت ہونے کی اجازت طلب کی۔ سنہری جالی کو بوسہ دیا اور روضہ مبارک کی طرف پشت کئے بغیر مسجد نبوی ﷺ سے باہر نکل گئے۔

مدینہ منورہ سے روانہ ہوتے وقت حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو قطعاً علم نہیں تھا کہ اب وہ کس امتحان سے گزرنے والے ہیں۔ مرشد کے بستر کو کندھے پر اٹھائے اور سر پر گرم انگیٹھی پر توشہ دان رکھے قدموں پر نظریں جمائے پیچھے چلے جارہے تھے۔ قریب مغرب ایک ویرانے میں ڈیرہ ڈالا۔ مرشد کی امامت میں نماز ادا کی۔ پھر گرما گرم کھانا مرشد کے حضور میں پیش کیا۔ عشاء کی نماز کے بعد مرشد اور مرید دونوں بیٹھے تھے ایک عالم استغراق میں اور دوسرا حکم کی بجا آوری کے لئے ہمہ تن گوش، آسمان پر چودھویں کا چاند کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں تھا۔

کئی دنوں کی مسافت کے بعد حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے

اس راستے پر قدم رکھے جو سیستان یا سیوستان کو جاتا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کا یہ آبائی وطن تھا۔ اس کے ایک قصبے سنجر میں آپ کی ولادت ہوئی تھی۔ بہن بھائی اسی سرزمین پر آباد تھے۔ بچپن یہیں گزرا تھا۔ اس کے گلی کوچوں میں پرانی یادوں کا بسیرا تھا اور مقناطیسیت تھی۔ ماں کا مرقد بھی تو یہیں تھا۔ مرشد نے مرید کے امتحان کے لئے اسی جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ عارضی وطن کی محبت کشش کرتی ہے یا اصلی وطن پر نگاہ رہتی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ڈیرے ڈالے گئے۔ قیام کے دوران میں عارضی وطن کی محبت نے کسی نوع جلوہ گری نہ کی کوئی یاد' کوئی کشش باقی نہ تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کسی اجنبی بستی میں قیام پذیر ہوں۔ مرشد کی نظر' تربیت' فیض اور وہ اوصاف جو مرشد کی معیت میں آپ کے اندر رونق افروز ہوئے تھے انہوں نے ماضی کے ایک ایک نقش کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا تھا۔ مرشد آپ کے ادب اور خدمت سے پہلے ہی مطمئن تھے۔ اللہ کا شکر ادا کیا کہ محنت بھر آئی لہٰذا بغداد واپسی کا ارادہ فرمایا۔

واپسی سے قبل حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو ساتھ لے کر حضرت شیخ صدر الدین محمد احمد سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کو تشریف لے گئے جو شیخ سیوستانی سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ وہ ایک غار میں رہتے تھے۔ بڑی بزرگی و ہیبت کے مالک تھے۔ ازحد یادالٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ اکثر تحیر کا غلبہ رہتا تھا۔ یہ دونوں حضرات ان کے پاس جا کر بیٹھے تو شیخ سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

" اے درویش ! آج تقریباً ستر سال کا عرصہ گزرا ہے کہ سوائے اللہ کے کسی

اور شے میں مشغول نہیں ہوا۔ لیکن تیرے ساتھ جو میں مشغول ہوتا ہوں یہ حکم الٰہی ہے۔ سن اگر تو محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے سوا کسی اور چیز میں مشغول نہ ہونا اور کسی سے میل جول نہ کرنا تاکہ تو جلایا نہ جائے کیونکہ غیرت کی آگ عاشقوں کے اردگرد رہتی ہے۔ جب عاشق نے معشوق کے سوا کسی چیز کا خیال کیا اسی دم غیرت کی آگ نے اسے جلایا۔ لیکن تجھے یاد رہے کہ محبت کی راہ میں جو درخت ہے اس کی دو شاخیں ہیں۔ ایک کو نرگس وصال کہتے ہیں اور دوسری کو نرگس فراق۔ پس جو شخص سب سے فارغ ہو کر دوست میں مشغول ہو وہ دوست کے وصال کی دولت سے مشرف ہوتا ہے اور جو اس کے سوا کسی اور چیز کی رغبت رکھتا ہے وہ فراق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

ان دونوں حضرات نے دیکھا کہ جو بھی حضرت شیخ سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آتا محروم نہ جاتا تھا۔ عالم غیب سے کچھ نہ کچھ اسے عطا کرتے تھے اور کہتے۔

"اس درویش کو دعائے ایمان سے یاد کرو۔ اگر میں اپنا ایمان گور میں سلامت لے جاؤں گا تو گویا میں بڑا کام کروں گا۔"

جب وہ بزرگ موت اور قبر کی ہیبت کے بارے میں سنتے تو بید کی طرح کانپنے لگتے تھے۔ آنکھوں سے خون جاری ہو جاتا تھا گویا پانی کا چشمہ ہے۔ اس کے بعد سات دن رات تک وہ روتے رہتے تھے لیکن کھڑے ہو کر آنکھیں آسمان کی طرف کئے ہوئے۔ جب رونے سے فارغ ہوتے تو کہتے تھے۔

"اے عزیزو! جسے موت آنی ہے ملک الموت کا سا حریف اس کا پیچھا کئے ہوئے ہے اور روز قیامت کا دن اس کے پیش آنا ہے تو اسے خواب و اقرار اور خندہ و خوش دلی سے کیا واسطہ اور دوسرے کام میں مشغول ہونا اسے کس طرح بھلا معلوم ہوتا ہے۔"

تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد پھر بولے۔

" اے عزیزو! اگر تم کو مردوں کا حال جو چیونٹیوں اور سانپوں کے بس میں ہیں اور مٹی کے قید خانے میں بند ہیں ذرہ بھر بھی معلوم ہو جائے جو ان سے معاملہ ہو رہا ہے تو کھڑے کھڑے نمک کی طرح پانی بن جاؤ گے۔"

اور پھر چند دن شیخ سیوستانی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ٹھہرنے کے بعد یہ دونوں حضرات عازم بغداد ہوئے۔

• باب ۶

مجالس علم و حکمت

آٹھ سال مسلسل سفر میں رہنے کے بعد جب حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ بمع حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے واپس بغداد شریف تشریف لائے تو مریدین اور عقیدت مندوں کا زیارت و ملاقات کے لئے ہجوم ہو گیا۔ سب خاموش و مودب بیٹھے تھے کہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔

"معین الدین اللہ تعالیٰ کا مقبول' نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سند یافتہ ہے اور ہم اس کی مریدی پر فخر کرتے ہیں۔"

حاضرین نے سنا تو نظریں اٹھا کر حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی طرف دیکھا جو سر جھکائے ادب سے دو زانو بیٹھے تھے۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے پھر اپنی زبان درفشاں کو جنبش دی اور فرمایا۔

"ہم کچھ عرصہ کے لئے معتکف ہونا چاہتے ہیں۔"

اور پھر حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے گویا ہوئے۔

"تم چاشت کے وقت آجایا کرو تاکہ مزید علم و معرفت عطا کروں۔"

بعد ازاں حاضرین سے کہا۔

"اگر تم میں سے کوئی بھی آنا چاہے تو دروازے کھلے ہیں۔"

مرشد کے معتکف ہونے کے بعد نیابت حضرت خواجہ معین الدین

حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو ملی۔

حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس کے شرکاء حضرت شیخ داؤد کرمانی' حضرت شیخ برہان الدین محمد چشتی' حضرت مولانا بہاء الدین بخاری' حضرت شہاب الدین محمد بغدادی' حضرت مولانا عماد الدین بخاری' حضرت خواجہ اجل شیرازی' حضرت شیخ علی سنجری' حضرت شیخ واحد برہان غزنوی' حضرت خواجہ سلیمان عبدالرحمٰن' حضرت شیخ محمد احد چشتی۔ حضرت شیخ محمد صفاہانی وغیرہم رحمھم اللہ علیہم اجمعین حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے اخلاق کریمانہ سے بہت خوش تھے۔

یہ چوتھی منزل تھی جس میں سے مرشد آپ کو گزار رہا تھا۔ دیکھنا تھا کہ حاضرین سے کیا سلوک روا رکھتے ہیں۔ عام لوگوں کی دلگیری کس طرح کرتے ہیں۔ مخلوق اللہ کی آمد و رفت کے باوجود مجاہدہ و ریاضت و عبادت کا کیا طریق کار اختیار کرتے ہیں۔ مشاہدات و تجربات کی روشنی میں کس طرح کے رویہ کا اظہار کرتے ہیں۔ جو انعامات عطا ہوئے ہیں انہیں کس طرح تقسیم کرتے ہیں۔ مشکل میں گھرے افراد کی کس طرح دستگیری و رہنمائی کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ مرشد کے نظروں کے سامنے ہو رہا تھا۔

جب چاشت کا وقت ہوتا تو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ مرشدنا حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس خلوت میں حاضر ہوتے۔ اور لوگ بھی آجاتے تھے۔ سب ہمہ تن گوش ادب سے بیٹھ جاتے تو وہ علم و معرفت و حکمت کے موتی لٹانے لگتے تھے۔ ان محافل کا انتظام دراصل حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی تربیت کے لئے ہی کیا گیا تھا جس سے دوسرے حضرات بھی حاضر ہو کر استفادہ کرتے تھے۔ یہ کل اٹھائیس محفلیں تھیں جن میں حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے

اپنے مرید خاص کو کئی ایک موضوعات سے بہرہ ور کیا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اپنے مرشد کے فرمودات کو حوالہ قلم بھی کرتے رہتے تھے جنہیں بعد میں کتاب " انیس الارواح " کا نام دیا۔ ان خصوصی محفلوں میں جن اہم نکات و رموز پر روشنی ڈالی گئی ان کا نچوڑ درج ذیل ہے :

۱۔ فرمایا ایمان ننگا ہے اور اس کا لباس پرہیزگاری ہے' اس کا سرہانہ فقر ہے اور اس کی دوا علم ہے اور اس بات کی شہادت لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ پر ایمان ہے۔

۲۔ فرمایا اگر فرضوں میں کسی قسم کا نقصان کیا ہو تو خداوند تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ دیکھو اس نے کوئی دیدہ و دانستہ نقصان تو نہیں کیا اور عبادت کی ہے تو فرضوں کے عوض اسے شمار کر لو۔ اور اگر اس نے فرض بھی پورے سے ادا نہ کئے ہوں اور نہ ہی کوئی فاضلہ عبادت کی ہو تو وہ دوزخ کے لائق ہوتا ہے۔ بشرطیکہ خدا کی رحمت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شفاعت نہ ہو۔

۳۔ فرمایا اہل شرع کا قول ہے کہ جو شخص فرض کا منکر ہے وہ کافر ہے۔

۴۔ فرمایا خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی "عمدۃ السلوک" میں خواجہ یوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جس وقت الست بربکم (کیا میں تمہارا پروردیگار نہیں ہوں) کی آواز آئی تو اس وقت تمام مسلمانوں اور کافروں کی روحیں ایک جگہ تھیں۔ آواز کے آتے ہی یہ چار اقسام میں منقسم ہوگئیں۔

پہلی قسم کی روحوں نے جب آواز سنی تو اسی وقت سجدہ میں گر پڑیں اور

دل اور زبان سے کہا۔ قالوا بلیٰ (انہوں نے کہا ہاں)

دوسری قسم کی روحوں نے بھی سجدہ کیا اور زبان سے کہا۔ قالوا بلیٰ لیکن دل سے نہ کہا۔

تیسری قسم کی روحوں نے دل سے کہا۔

چوتھی قسم کی روحوں نے نہ دل سے کہا اور نہ ہی زبان سے کہا۔

اور اس کی تفصیل یوں ہے کہ جنہوں نے سجدہ کیا اور دل اور زبان سے اقرار کیا وہ اولیاء' نبی اور مومن تھے۔ اور جنہوں نے زبان سے کہا اور دل سے نہ کہا وہ ان مسلمانوں کا گروہ تھا جو پہلے مسلمان ہوتے ہیں اور مرتے وقت بے ایمان ہو کر دنیا سے جاتے ہیں۔ اور تیسری قسم جنہوں نے زبان سے نہ کہا لیکن دل سے کہا وہ ایسے کافر تھے جو پہلے کافر ہوتے ہیں بعد میں مسلمان ہو جاتے ہیں۔ لیکن چوتھی قسم جنہوں نے نہ دل سے کہا اور نہ زبان سے' وہ کافر تھے جو پہلے ہی کافر ہوتے ہیں اور بعد میں بھی کافر ہی ہو کر دنیا سے گزر جاتے ہیں۔

۵ - فرمایا آخری زمانے میں شہر بہ سبب گناہوں کی شامت کے برباد ہو جائیں گے۔

٦ - فرمایا اے درویش! وہ مردہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو مد نظر رکھے لہٰذا دنیا و آخرت میں مبتلا نہ ہو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کی طرف نگاہ نہ کرو۔ جب انسان اس مرتبے پر پہنچ جاتا ہے تو جو کچھ اس کے دوست کی ملکیت ہوتا ہے وہ اسی کی ہو جاتی ہے۔ کعبہ اس کے گرد طواف کرتا ہے اور اس کا دامن نہیں چھوڑتا۔ پس اے درویش! اسی مقام پر غور کر کہ جب سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بن گیا اور درمیان

میں کوئی چیز حائل نہ رہی تو آواز آئی کہ کہو لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ' جونہی کہ یہ معاملہ جو کچھ آسمان سے لیکر زمین تک اور دنیا اور آخرت میں ہے سب نے دیکھا تو فرشتے انسان اور جن وغیرہ سب نے اپنے آپ کو طفیلی خیال کر کے آنجناب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دامن پکڑا اور عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن ہمیں نہ چھوڑنا' اور اپنی شفاعت سے محروم نہ رکھنا۔

۷ - فرمایا جب آدمی دوست کا بن جاتا ہے تو سب چیزیں اس کی بن جاتی ہیں لہٰذا مرد کو چاہئے کہ تمام موجودات سے فارغ ہو کر دوست کی طرف مشغول رہے۔

۸ - فرمایا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ سب عملوں سے اچھا عمل کونسا ہے' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ دینا دوزخ کی آگ کے لئے پردہ ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ صدقے کے بعد دوسرے درجے پر کونسا نیک عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن حکیم پڑھنا۔

۹ - فرمایا حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے ستر سال تک اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں نے مصیبتیں بہت اٹھائی ہیں۔ لیکن بارگاہ الٰہی کا دروازہ نہیں کھلا۔ جونہی میں نے اپنی طرف خیال کیا اور جو مال میری ملکیت میں تھا سب راہ خدا میں صرف کیا تو دوست یعنی خدا میرا بن گیا۔ اور جو دوست کی ملکیت تھی سب میری ملکیت ہو گئی۔

۱۰ - فرمایا ایک درم صدقہ دینا ایک سال کی ایسی عبادت سے بہتر ہے جس میں دن کو روزہ رکھا جائے اور رات کو کھڑے ہو کر عبادت کی جائے۔

۱۱ - فرمایا ایک دفعہ امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن شریف پڑھنا بہتر ہے یا صدقہ دینا؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ دینا بہتر ہے کیونکہ صدقہ دوزخ کی آگ سے بچاتا ہے۔

۱۲ - فرمایا ایک دفعہ ایک یہودی راستے میں کھڑا ایک کتے کو روٹی کا ٹکڑا کھلا رہا تھا۔ اتفاق سے خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا بھی ادھر سے گزر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اپنا ہے یا بیگانہ؟ اس نے کہا مرد بیگانہ کا ہے۔ خواجہ صاحب نے کہا جب یہ حالت ہے تو تو کیا کرتا ہے کیونکہ یہ قبول نہیں۔ اس نے کہا کہ اگر یہ قبول نہیں تاہم وہ خدا تو دیکھتا ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ الغرض مدت کے بعد خواجہ رحمتہ اللہ علیہ بیت اللہ شریف میں پہنچے تو پرنالے کے نیچے سے آواز آئی یاربّی (یعنی اے میرے رب) پھر غیب سے آواز آئی لبیک عبدی (اے میرے بندے! میں حاضر ہوں) خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حیران ہوئے کہ چل کر دیکھوں تو سہی وہ کون نیک بخت بندہ ہے جونہی آپ وہاں پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص سجدے میں سر رکھ کر ربی (اے میرے رب) پکار رہا ہے۔ آپ تھوڑی دیر وہاں ٹھہرے۔ اتنے میں اس شخص نے سر اٹھایا اور خواجہ صاحب سے کہا۔ کیا تو مجھے پہچانتا ہے خواجہ صاحب نے کہا نہیں۔ اس نے کہا میں وہی آدمی ہوں جسے تو کہتا تھا کہ میری نیکی قبول نہیں۔ دیکھا میری چیز کو اس نے قبول کیا اور مجھے بلا لیا۔

۱۳۔ فرمایا صدقہ نوری ہے اور حوروں کی خوبصورتی کا باعث اور صدقہ ہزار رکعت نماز سے بہتر ہے۔ پھر فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو صدقہ دینے والوں کا ایک گروہ عرش کے نیچے مقام پائے گا۔ اور جن لوگوں نے موت سے پہلے صدقہ دیا ہے۔ موت کے بعد وہ ان کے لئے گنبد بنے گا۔

۱۴۔ فرمایا صدقہ بہشت کی سیدھی راہ ہے اور جو شخص صدقہ دیتا ہے وہ خدا کی رحمت سے دور نہیں ہوتا۔

۱۵۔ فرمایا زمین سخی آدمی پر فخر کرتی ہے اور جب وہ رات دن زمین پر چلتا ہے تو نیکیاں اس کے اعمال نامے میں لکھی جاتی ہیں۔ اور سخی لوگ ایک ہزار سال سب سے پہلے بہشت کی بو سونگھیں گے۔

۱۶۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو شراب پیئے یا بیچے یا اس کی قیمت میں سے کچھ کھائے۔

۱۷۔ فرمایا اگر طریقت میں ندی کا پانی پینے سے خدا کی بندگی میں سستی ہو تو وہ بمنزلہ شراب کے ہے۔

۱۸۔ فرمایا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جس شخص نے مومن کو ستایا سمجھو کہ اس نے مجھ کو ناراض کیا اور جس نے مجھے ناراض کیا اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو ناراض کیا۔ ہر مومن کے سینے میں اسی پردے ہوتے ہیں اور ہر پردہ پر فرشتہ کھڑا ہوتا ہے جو شخص کسی مومن کو ستاتا ہے۔ وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے اسی فرشتوں کو ناراض کیا۔

۱۹۔ فرمایا جو شخص ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعت نماز ادا کرے اور جو کچھ قرآن پاک سے جانتا ہو پڑھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے بہشت کی

خوشخبری دیتا ہے۔ اس وقت ستر ہزار فرشتے ہدیئے لے کر آتے ہیں اور اس نماز کے ادا کرنے والے کے سر پر قربان کرتے ہیں اور جب قبر سے اٹھتا ہے تو ستر پوشاکیں پہنا کر بہشت میں لے جاتے ہیں۔ اور جو شخص اس نماز کو ظہر کی نماز کے بعد ادا کرے اس میں قرآن مقرر نہیں۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رکعت کے بدلے اس کی ہزار حاجتیں روا کرتا ہے اور ہزار نیکی اس کے لئے لکھی جاتی ہے۔ اور ایک سال کی عبادت کا ثواب اسے ملتا ہے۔

۲۰ - فرمایا ایک دفعہ خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اور خواجہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ بغداد سے باہر نکلے تو نماز کا وقت قریب آن پہنچا۔ دونوں بزرگ تازہ وضو کرنے میں مشغول ہوئے اور وضو کرنے کے بعد نماز ادا کرنے لگے۔ اتنے میں ایک شخص لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے جارہا تھا۔ جب اس نے ان کو دیکھا تو فوراً ایندھن کا گٹھا نیچے رکھ کر وضو میں مشغول ہوا ان بزرگوں نے عقل سے معلوم کر لیا کہ یہ مرد خدا رسیدوں میں سے ہے' سب نے اس کو امام مقرر کیا جب نماز شروع کی تو رکوع اور سجود میں دیر تک رہا۔ نماز سے فارغ ہو کر اس سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ دیر اس وجہ سے کرتا تھا کہ جب تک ایک تسبیح پڑھ کر لبیک عبدی (اے میرے بندے! میں حاضر ہوں) نہ سن لیتا دوسری تسبیح نہ کرتا تھا۔

۲۱ - فرمایا علم علم ہے جس کو عالم جانتے ہیں اور زہد زہد ہے جس کو زاہد جانتے ہیں اور یہ بھید ہے جس کو اہل معنی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

۲۲ - فرمایا جو شخص عصر کی نماز سے پہلے چار رکعت نماز ادا کرے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس کو ہر رکعت کے

بدلے بہشت میں ایک محل ملتا ہے اور ایسا ہے کہ گویا اس نے ساری عمر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بسر کی ہے اور جو شخص مغرب اور عشاء کے درمیان چار رکعت نماز ادا کرے وہ بہشت میں جاتا ہے اور مصیبتوں سے امن میں ہوتا ہے۔ اور جو شخص عشاء کے بعد چار رکعت نماز ادا کرے۔ بغیر حساب کے بہشت میں جائے گا اور یہ نماز سوائے خدا کے دوست کے اور کوئی ادا نہیں کرتا۔

۲۳۔ فرمایا جو شخص نماز زیادہ کرتا ہے وہ حساب میں بہت زیادہ رہتا ہے۔

۲۴۔ فرمایا مومن کو منافق اور لعنتی کے سوا اور کوئی نہیں ستاتا۔

۲۵۔ فرمایا جو شخص مومن کو گالی دیتا ہے وہ گویا اپنی ماں اور لڑکی کے ساتھ زنا کرتا ہے یہ ایسے ہے کہ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لڑائی میں فرعون کی مدد کرنا۔ پھر فرمایا کہ جو شخص مومن کو گالی دیتا ہے اس کی دعا چند روز تک قبول نہیں ہوتی اور اگر بغیر توبہ کئے مرجائے تو گنہگار ٹھہرتا ہے۔

۲۶۔ فرمایا یہ معاملہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیش آیا تھا۔ جب آپ ابتدائی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک پر پہنچے اور کہا۔ "اے مرسلوں کے سردار! تجھ پر سلام ہو۔ تو آواز آئی۔ علیک السلام یا امام المسلمین! اے مسلمانوں کے امام! تجھ پر سلام ہو۔"

۲۷۔ فرمایا خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا خطاب سلطان العارفین تھا۔ ایک رات آدھی رات کے وقت اٹھ کر مکان کی چھت پر آکر خلقت کو سویا دیکھا اور کسی شخص کو جاگتے ہوئے نہ پایا تو خواجہ

صاحب کے دل میں خیال گزرا کہ افسوس! ایسی باعظمت درگاہ میں بیدار اور مشغول کیوں نہیں ہیں۔ چاہا کہ اللہ تعالیٰ سے ساری خلقت کے جاگنے اور مشغول ہونے کی دعا کریں۔ پھر دل میں خیال آیا کہ یہ شفاعت کا مقام سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہے۔ مجھے کیا مجال ہے کہ ایسی درخواست کروں۔ جونہی دل میں یہ خیال پیدا ہوا غیب سے آواز آئی کہ اے بایزید! اس قدر ادب جو تو نے ملحوظ رکھا میں نے تیرا نام خلقت میں سلطان العارفین رکھا۔

۲۸ - فرمایا ایک دفعہ احمد معشوق رحمتہ اللہ علیہ جاڑے کے موسم میں رات نصف شب کے قریب جب باہر نکلے تو پانی میں چلے گئے اور دل میں ٹھان لی کہ جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو جائے گا کہ میں کون ہوں ہرگز پانی سے باہر نہ نکلوں گا۔ آواز آئی کہ تو وہ شخص ہے جس کی شفاعت سے قیامت کے دن بہت سے آدمی بخشے جائیں گے۔ پھر آواز سنی کہ میں نے حکم کیا ہے کہ تمام درویش اور عارف میرے عاشق ہوں اور تو میرا معشوق ہو۔ پھر خواجہ صاحب وہاں سے باہر نکلے اور جو شخص آپ کو ملتا السلام علیکم احمد معشوق کہتا تھا۔

۲۹ - فرمایا ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے اٹھ کر پوچھا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! میرے پیشے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا پیشہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ درزی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو راستی سے یہ کام کرے تو بہت اچھا ہے۔ قیامت کے دن تو پیغمبر ادریس علیہ السلام کے ہمراہ بہشت میں جائے گا۔

پھر ایک اور آدمی نے اٹھ کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے پیشے کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو کیا کام کرتا ہے؟ اس نے عرض کی کھیتی باڑی۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بہت اچھا کام ہے' اس واسطے کہ یہ کام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا' یہ مبارک اور فائدہ مند کام ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے تجھے برکت دے گا اور قیامت کے دن بہشت میں تو حضرت ابراہیم علیہ لسلام کے نزدیک ہوگا۔

پھر ایک اور آدمی نے اٹھ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی رائے میں میرا پیشہ کیسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو کیا کام کرتا ہے۔ اس نے عرض کی میرا کام تعلیم دینا ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے کام کو اللہ تعالیٰ بہت ہی اچھا جانتا ہے۔ اگر تو خلقت کو نصیحت کرے گا تو قیامت کے دن حضرت خضر علیہ السلام کا سا ثواب تجھے ملے گا اور اگر تو عدل کرے گا تو آسمان کے فرشتے تیرے لئے معافی کے خواستگار ہوں گے۔

پھر ایک اور آدمی نے اٹھ کر عرض کی کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے پیشے کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا پیشہ کیا ہے۔ اس نے عرض کی سوداگری۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو راستی سے کام کرے گا تو بہشت میں پیغمبروں کا ہمراہی ہوگا۔

اے درویش! روزی کمانے والا خدا کا دوست ہوتا ہے لیکن اسے چاہئے کہ نماز ہر وقت ادا کرے اور شریعت کی حد سے قدم

باہر نہ رکھے کیونکہ حدیث ہے کہ ایسا روزی کمانے والا خدا کا پیارا ہے اور خدا کا صدیق ہے۔ حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے جب آخری زمانے میں آپ کو مسلمانی کی حقیقت معلوم ہوئی تو آپ نے دکانداری ترک کر دی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے دکان کیوں چھوڑ دی؟ آپ نے فرمایا کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ دکانداری کے ہمراہ مسلمانی ٹھیک طور پر نہیں رہتی تو میں نے دکانداری چھوڑ دی۔ پھر فرمایا کہ روزی کمانے والا خدا کا صدیق ہوتا ہے کیونکہ اس شخص کو خدا پر بھروسہ ہوتا ہے بشرطیکہ جس وقت نماز کا وقت قریب ہو سب کام دھندے چھوڑ کر نماز ادا کرے۔

۳۰ - فرمایا حضرت عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جو شخص مصیبت میں آہ و زاری کرتا ہے خدا اس پر لعنت کرتا ہے۔ مشائخ طبقات نے کہا ہے کہ مصیبت میں آہ و زاری کرنا کفر ہے اور جو شخص کہ ایسا کرتا ہے اس کا نام منافق مومنوں میں لکھا جاتا ہے۔ چالیس روز کے گناہ اس کے ذمے لگ جاتے ہیں اور سو سال کی عبادت اس کی ضبط کی جاتی ہے اور اگر اسی حالت میں بغیر توبہ کئے مر جائے تو دوزخ میں شیطان کے ہمراہ ہو گا۔ اور جو شخص مصیبت کے وقت اپنا گریبان چاک کرے خدا اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھتا اور قیامت کے دن اس کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ جس شخص نے کپڑے پھاڑ ڈالے تو قیامت کے دن اس کی دونوں بھوؤں کے درمیان لکھا ہو گا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہے مگر توبہ کرے تو نہیں۔ اور جو شخص مصیبت کے وقت لباس کو سیاہ کرے اس کے لئے

دوزخ میں ستر گھر تیار ہوتے ہیں' اس کی کسی قسم کی اطاعت قبول نہیں ہوتی۔ اور اس نے گویا ستّر مومنوں کو جان سے مار ڈالا ہے۔ ہزار بدی اس کے اعمال نامہ میں لکھی جاتی ہے اور آسمان و زمین کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں جب تک کہ وہ سیاہ کپڑا پہنے رہے۔

۳۱ - فرمایا جس وقت کوئی آدمی پیاسے کو پانی دیتا ہے اسی گھڑی اس کے تمام گناہ بخشے دیئے جاتے ہیں گویا کہ وہ ابھی ماں کے شکم سے نکلا ہے۔ اور بغیر حساب کے بہشت میں جائے گا اور اگر اسی روز فوت ہو جائے تو شہید ہو کر فوت ہو گا۔

۳۲ - فرمایا جو شخص بھوکے کو کھانا کھلائے۔ اللہ تعالٰی اس کی ہزار حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔ دوزخ کی آگ سے آزاد کرتا ہے اور بہشت میں اس کے لئے ایک محل بنا دیا جاتا ہے۔

۳۳ - فرمایا لڑکیاں خدا کا ہدیہ ہیں۔ پس جو شخص ان کو خوش رکھتا ہے۔ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اور جس شخص کو اللہ تعالٰی لڑکیاں عنایت کرے۔ خدا اس سے خوش ہوتا ہے اور جو شخص لڑکیوں کے پیدا ہونے پر خوشی کرے تو یہ خوشی کرنا خانہ کعبہ کی ستر بار زیارت کرنے سے بھی زیادہ فضیلت والی ہے۔ جو والدین اپنی لڑکیوں پر رحم کرتے ہیں۔ اللہ تعالٰی ان پر رحم کرتا ہے۔

میں نے آثار اولیاء میں لکھا دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے ہاں ایک لڑکی ہو گی قیامت کے دن اس کے اور دوزخ کے درمیان پانچ سو سال کی راہ کا فرق ہو گا۔ پھر فرمایا کہ اولیاء اللہ اور انبیاء اکرام لڑکیوں کو بہ نسبت لڑکوں کے زیادہ پیار کرتے تھے۔

اے درویش ! حضرت خواجہ سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک لڑکی تھی جس کو وہ بہت پیار کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو نئے کوزے اور ٹھنڈے پانی کی خواہش پیدا ہوئی۔ جونہی آپ کی زبان مبارک سے نکلا کہ اگر سرد پانی اور نیا کوزہ ہو تو اس سے روزہ افطار کروں حضرت بزرگوار کی لڑکی نے سنا تو فوراً لا کر صاحب خانہ کے آگے رکھ دیا۔ عصر کی نماز کا وقت تھا خواجہ صاحب کو نیند آئی اور مصلے پر سو گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ گویا خداوند تعالیٰ بہشت جیسے گھر میں اتر آیا ہے اور پوچھتا ہے کہ اے لڑکی! تو کس کی بیٹی ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس شخص کی بیٹی ہوں جس نے نئے کوزے میں سرد پانی پیا۔ جونہی ہاتھ پر ہاتھ مارا کوزہ ٹوٹ گیا۔ اس نے نعرہ مار کر کہا۔ اے سری! نئے کوزے میں پانی نہیں پینا چاہئے جو اس قدر دنیاوی لگاؤ رکھتے ہیں وہ ہرگز ہرگز ایسے مرتبے پر نہیں پہنچ سکتے۔

۳۴ - فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث میں آیا ہے کہ جب مجلس سے اٹھے تو سلام کہے کیونکہ سلام کہنا گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور فرشتے اس کے لئے بخشش کے خواستگار ہوتے ہیں۔ جو شخص مجلس سے اٹھتے وقت سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر نازل ہوتی ہے اور اس کی نیکیاں اور زندگی زیادہ ہوتی ہے۔

اے درویش ! امیرالمومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے چاہا کوئی ایسا موقع ملے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجلس میں تشریف لانے کے وقت یا تشریف لے جانے کے وقت میں سلام کہوں۔ لیکن موقع نہ ملا جب کبھی میں نے سلام کرنا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ہی سلام کہتے۔

کہتے ہیں کہ سلام کرنا نبیوں کی سنت ہے۔ تمام پیغمبر جو گزرے ہیں سب سے پہلے سلام کہا کرتے تھے۔

۳۵ - فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ جس شخص کی نمازیں قضا ہو گئی ہوں اور اسے معلوم نہ ہو کہ کتنی ہیں۔ پس سوموار کی رات پچاس رکعت نماز ادا کرے اور ہر رکعت میں ایک دفعہ سورۃ فاتحہ اور ایک دفعہ سورۃ اخلاص پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی گزشتہ نمازوں کا کفارہ کرتا ہے۔ خواہ اس نے سو سال بھی نمازیں ادا نہ کی ہوں۔

۳۶ - فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص رات کو قیام کرے اور خلقت سوئی ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ دوسری رات تک اسے نگاہ میں رکھیں اور رات سے لے کر دن نکلنے تک اس کے لئے بخشش طلب کرتے رہیں۔

۳۷ - فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے روز بیس رکعت نماز ادا کرے اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور اخلاص ایک مرتبہ پڑھے تو قیامت کے دن لاکھ صدیقوں اور شہیدوں کے ہمراہ اٹھے گا۔ اور ہر رکعت کے بعد دن رات کا ثواب اسے ملے گا۔ اور ہر حرف کے بدلے نور پائے گا اور پل صراط سے آسانی کے ساتھ گزر جائے گا۔

۳۸ - فرمایا جب امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے آخری حج کیا تو کعبے کے دروازے پر آئے اور کہا دروازہ کھولو! آج کی رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کر لیں کون جانتا ہے کہ دوسری دفعہ مجھے حج کی قدرت حاصل ہو یا نہ ہو۔ دروازہ کھل گیا۔ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ اندر چلے گئے۔ خانہ

کعبہ کے دو ستونوں کے درمیان نماز ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور دائیں پاؤں کو بائیں پاؤں پر رکھ کر آدھا قرآن شریف پڑھ کر رکوع اور سجود پورا کر کے کہا۔ اے اللہ! میں نے تیری اطاعت ایسی نہیں کی جیسا کہ اطاعت کا حق تھا اور میں نے نہیں پہچانا تجھے جیسا کہ تیرے پہچاننے کا حق تھا۔

غیب سے آواز آئی کہ اے ابو حنیفہ! تو نے پہچانا جیسا کہ پہچاننے کا حق تھا۔ میں نے تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے پیرو ہیں اور وہ لوگ جو تیرے مذہب پر چلیں گے بخشا۔

۳۹ - فرمایا جو شخص رات کو قیام کرتا ہے جو دعا کرتا ہے وہ قبول ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے۔

۴۰ - فرمایا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث ہے کہ جو شخص سوتے وقت سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھتا ہے وہ قیامت کے دن امینوں سے ہو گا اور پیغمبروں کے بعد سب سے پہلے وہ بہشت میں جائے گا۔ اور بہشت میں جاتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ہو گا۔

خواجہ محمد عرشی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ جو شخص سوتے وقت ایک دفعہ سورۃ فاتحہ اور تین دفعہ سورۃ اخلاص پڑھتا ہے وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے گویا کہ ماں کے شکم سے پیدا ہوا ہے۔

۴۱ - فرمایا جو شخص سورج نکلنے کے بعد دو یا چار رکعت نماز ادا کرتا ہے اس سے بہت افضل ہوتا ہے جو کہ دنیا کا تمام مال صدقہ کرے۔

۴۲ - فرمایا حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص دایاں پاؤں مسجد میں رکھے

اور کہے توکلت علی اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ من الشیطن الرجیم میں نے خدا پر بھروسہ کیا۔ نہیں قوت بازگشت مگر اللہ کے ساتھ شیطان لعنتی سے اور اس کے بعد جو نماز پڑھے۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہر رکعت کے بدلے سو رکعت نماز کا ثواب لکھیں اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور ہر قدم کے بدلے ایک درجہ بہشت میں اسے ملتا ہے۔ اور اس کے نام پر بہشت میں ایک محل تیار ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ جو شخص مسجد میں جاتا ہے اور کہتا ہے من الشطین الرجیم تو شیطان کہتا ہے کہ تو نے یہ کلمہ کہہ کر میری کمر توڑ ڈالی ہے۔ پس اس کے اعمال نامے میں ایک سال کی عبادت کا ثواب لکھتے ہیں اور جب باہر نکلتے وقت یہ کلمہ پڑھے تو اس کے جسم کے ہر بال کے بدلے اللہ تعالیٰ سو نیکی عنایت فرماتا ہے اور بہشت میں سو درجے بڑھتے ہیں۔

۴۳ - فرمایا مرد کو چاہئے کہ اس دنیا کی طرف نگاہ نہ کرے اور نزدیک نہ پھٹکے اور جو کچھ اسے ملے خدا کی راہ میں خرچ کر دے اور کچھ ذخیرہ نہ کرے۔

میں نے خواجہ یوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی سنا ہے کہ مال کا شکریہ ادا کرنا صدقہ دینا ہے اور اسلام کا شکریہ الحمدللہ رب العلمین کہنا ہے اور جو شخص الحمد للہ رب العلمین کہتا ہے اسلام کا شکریہ بجالاتا ہے اور جو شخص زکوۃ اور صدقہ دیتا ہے وہ مال کا حق ادا کرتا ہے۔

۴۴ - فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث میں ہے کہ

جب مومن چھینک لیتا ہے اور الحمدللہ رب العلمین کہتا ہے تو خدائے بزرگ اور بلند اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے اور بہشت میں اس کے نام کا ایک درجہ مقرر ہے۔ اور ایک بردے کے آزاد کرنے کا ثواب اس کے اعمال نامے میں لکھا جاتا ہے لیکن جب دوسری چھینک لیتا ہے تو اس کے والدین کو بھی بخش دیتا ہے۔ اور تیسری مرتبہ چھینک لیتا ہے تو سمجھ لے کہ زکام ہے۔

چھینک کا جواب دینا (یرحمک اللہ تعالیٰ) کہنا گناہوں کا کفارہ ہے اور درجوں کی زیادتی کا باعث ہے۔ اور چھینک دوزخ کی آگ کے درمیان پردہ کا کام دیتی ہے اور ہزار نیکی اس کے نام لکھتے ہیں' قیامت کے دن اس کے ترازو میں رکھتے ہیں تو عرش اور کرسی کی نسبت وزنی ہوتا ہے جو چھینک کا جواب دیتا ہے۔ اور جو شخص ایک دفعہ الحمد للہ رب العلمین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہشت میں پیغمبروں کی ہمسائیگی عنایت کرتا ہے اور ایک شہر بہشت میں اسے عنایت ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ پہلے پہل جس نے چھینک لی وہ حضرت آدم علیہ السلام تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام پاس ہی تھے۔ انہوں نے کہا۔ یرحمک اللہ۔

۴۵ - فرمایا امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! جو شخص نماز کی اذان کہتا ہے اس کا ثواب اللہ تعالیٰ بزرگ اور بلند ہی جانتا ہے لیکن نماز کی اذان میری امت کے لئے حجت ہے جس کی تفسیر یہ ہے کہ جب مومن اللہ اکبر' اللہ اکبر' کہتا ہے

تو وہ ایسا کہتا ہے کہ خدا کو میں نے تیرا گواہ بنایا۔ اے محمد ﷺ کی امت نماز میں حاضر ہو اور دنیاوی کاروبار چھوڑ دو۔ اور جب اشھد ان لاالٰہ الااللہ کہتا ہے تو کہتا ہے کہ اے محمد ﷺ کی امت! میں نے اسے اور اس کے فرشتوں کو گواہ بنایا ہے کہ میں نے نماز کے وقت کی تمہیں خبر کی ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی خبر نہیں۔ اور جب اشھد ان محمد رسول اللہ' کہتا ہے تو کہتا ہے کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ اور جب حی علی الصلوۃ' کہتا ہے تو کہتا ہے کہ اے محمد ﷺ کی امت! میں نے دین تم پر ظاہر کیا۔ اور خدا اور خدا کے رسول کا حکم مانو تاکہ خدا تعالیٰ تمہارے سب گناہ بخش دے۔ کیونکہ نماز دین کا ستون ہے اور جب حی علی الفلاح' کہتا ہے تو کہتا کہ اے محمد ﷺ کی امت! تیرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اٹھو اور اپنا حصہ لو۔ کیونکہ تمہارے لئے دنیا و آخرت میں بہشت ہے اور جب اللہ اکبر' اللہ اکبر' کہتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ خدا کی رحمت اور خدا کو میں نے تمہارا گواہ بنایا ہے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت! نماز میں حاضر ہو اور دنیاوی کاموں سے فارغ ہو جاؤ۔ میں نے تم پر ظاہر کر دیا۔ اور خدا اور خدا کے رسول کا حکم مانو اور نماز ادا کرو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب گناہ بخش دے۔ اور تمہیں یاد رہے کہ کوئی عمل نماز سے بڑھ کر نہیں۔ جو شخص نماز ادا نہیں کرتا۔ وہ پشیمان ہوتا ہے اور جب لاالٰہ الااللہ کہتا ہے تو کہتا ہے کہ تمہیں معلوم رہے کہ ساتوں آسمان اور زمینوں کی امانت تمہاری گردن پر ہے۔ جو شخص قبول کر لیتا ہے اور ہاتھ پاؤں مارتا ہے وہ خلاصی پاتا ہے۔

۴۶ - فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ قسم کے لوگوں پر

راضی نہیں۔ اول' وہ لوگ جو جمعہ کی نماز قضا کرتے ہیں۔ دوم' جو آزاد کئے ہوئے غلاموں کو بیچتے ہیں۔ سوم' وہ جو ہمسائے کو ستاتے ہیں۔ چہارم' جو کسی سے ناحق کوئی چیز چھین لیتے ہیں۔ پنجم' وہ جو اپنے عیال پر ظلم کرتے ہیں۔

۴۷ - فرمایا کھانا حلال کھاؤ اور حلال کی کمائی کا کپڑا پہنو اور توبہ کرو اور حرام کی کمائی کا کپڑا نہ پہنو۔ جب ایسا کرو گے تو بہشت کے ساتوں دروازوں میں سے ایک دروازہ تمہارے لئے کھول دیا جائے گا اور تمہاری نماز کو قبول کیا جائے گا۔

۴۸ - فرمایا قرآن شریف کو بار بار پڑھنا چاہئے یہ بھی گناہوں کا کفارہ ہے اور دوزخ کی آگ کے لئے بمنزلہ پردہ کے ہے اور جو شخص قرآن شریف پڑھنے میں مشغول ہوتا ہے خداوند تعالٰی بہشت کے دروازے اس کے لئے کھول دیتا ہے اور ہر حرف کے بدلے جو وہ پڑھتا ہے اللہ تعالٰی ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو قیامت تک تسبیح پڑھتا ہے اور کوئی شخص خدا کا اس قدر نزدیکی نہیں جس قدر کہ وہ شخص جو علم سیکھے اور قرآن پاک پڑھے۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ قرآن شریف پڑھو اور سیکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن شریف کی ایک آیت پڑھتا ہے وہ نیکی سے بدرجہا بہتر ہے اور جس وقت فوت ہو جاتا ہے اور قرآن شریف پڑھنے کی دوستی اس کے دل میں ہوتی ہے تو فرشتے کے کان میں نیکی کی صورت میں آتا ہے اور فرشتہ بہشت سے ایک نارنگی لاتا ہے اور کہتا ہے کہ پڑھو! یہ نارنگی اللہ تعالٰی نے تیرے لئے ہدیہ کے طور پر بھیجی ہے۔ پھر وہ بندہ شروع سے لے کر اخیر تک قرآن شریف پڑھتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تجھے قبر اور

قیامت کا عذاب نہ ہو گا اور تو پیغمبروں کا ہمسایہ ہو گا۔

۴۹ ۔ فرمایا مومن وہ شخص ہے جو تین چیزوں کو دوست رکھے۔ اول موت' دوم درویشی' سوم فاتحہ' پس جو شخص ان تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے فرشتے اسے دوست رکھتے ہیں اور اس کا بدلہ بہشت ہوتا ہے۔

۵۰ ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ درویشوں کو دوست رکھتا ہے اور مومن اللہ تعالیٰ کے دوست ہوتے ہیں۔

۵۱ ۔ فرمایا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس آٹھ ہزار درم ہوں وہ دولت مند ہوتا ہے۔ جس کے پاس اس سے کم ہوں وہ درویش ہے اور جس کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہ ہو' وہ دن رات شکر بجا لائے۔ وہ پیغمبر ایوب علیہ السلام کا مرتبہ پائے گا۔

۵۲ ۔ فرمایا میں نے خواجہ مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تین گروہ کی طرف نظر رحمت سے دیکھتا ہے۔ اور وہ لوگ عرش کے نیچے ہوں گے۔ اول وہ جو ہمیشہ ہمت کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو ہمسایوں اور عورتوں کو خوش رکھیں۔ تیسرے وہ جو درویشوں اور عاجزوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

۵۳ ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہمسایہ کے ساتھ حتی الوسع مہربانی سے پیش آئے۔ انشاء اللہ وہ قیامت کے دن میرے ہمراہ ہو گا اور بہشت میں جائے گا۔

۵۴ ۔ فرمایا مومن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے جو مومن کی ضرورت کو پورا کرے بہشت میں اس کا مقام ہوتا ہے اور جو شخص مومن کی عزت

کرتا ہے اس کی جگہ بہشت میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اگر بندہ کسی کی جوتی سیدھی کرے یا مومن کے پاؤں سے کانٹا نکالے تو اللہ تعالیٰ اسے صدیقوں اور شہیدوں میں شمار کرتا ہے۔

مشائخ طبقات اولیاء نے فرمایا ہے کہ اگر فرضا" کوئی شخص دروودں یا بندگی میں مشغول ہو اور کوئی حاجت مند آئے اور اس سے ملنا چاہے تو اسے لازم ہے کہ سب کام چھوڑ کر اس کے کام میں مشغول ہو جائے اور جس قدر مقدور ہو اس میں کوشش کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے بھائی مومن کی حاجت کو پورا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے' قیامت کے دن بہشت میں جائے گا اور حضرت آدم علیہ السلام کا ہمسایہ ہو گا۔

۵۵ - فرمایا جو شخص علم سیکھتا ہے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اس کا نام اولیاء کے آسمان پر لیا جائے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت فرمائی ہے کہ کفر' ایمان' اسلام' نفاق' علم اور عمل کی دو دو قسمیں ہیں۔ کفر کی دو قسمیں ہیں۔ اول وہ کفر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کیا جائے۔ مثلاً نماز جماعت کے ساتھ ادا نہ کرنا۔ بیماروں کا نہ دیکھنا اور مسلمانوں کو فائدہ نہ پہنچانا۔ ان سب باتوں کے سبب ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ دوسرا کفر یہ ہے کہ مسلمانی سے پھر جانا اور فریضہ باتوں کا منکر ہونا۔ اس کے سبب انسان ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک منافقوں کا ایمان ہوتا ہے جو زبان سے اقرار کرتے ہیں اور دل میں شک رکھتے ہیں۔ یہ منافقوں کا

کام ہے لیکن دوسرا ایمان خاص جو مومن لوگ زبان اور دل سے تصدیق کرتے ہیں یہ ایمان سوائے نیکوکار آدمی کے کسی کی قسمت میں نہیں ہوتا۔ اسلام کی دو قسمیں یہ ہیں۔ ایک یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو تو شک نہ کرے۔ اور جب اس کے سامنے سجدہ کرے تو دل اور زبان سے اسے ایک جانے۔ پس یہ اسلام پاکیزہ ہے۔ دوسرا اسلام یہ ہے کہ زبان سے کہے کہ میں مسلمان ہوں اور دل میں کفر رکھے اور اس بات کا خوف نہ کرے کہ دین کا کیا حال ہوگا اور کیسی ندامت اٹھانی پڑے گی۔ اور جو کچھ دل میں ہو وہی زبان سے کہے اور لوگوں کے درمیان لاالٰہ الااللہ کی شہادت سے زندگی بسر کرے' ایسا شخص دوزخ سے بچ جائے گا۔ نفاق کی دو قسمیں یہ ہیں۔ اول یہ کہ بندہ حلال و حرام اور امر و نہی کا اقرار کرے اور پھر گناہ میں مشغول ہو جائے اور برائی کرے اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرے اور توبہ کی امید رکھے۔ دوسرا نفاق یہ ہے کہ زبان سے حلال و حرام اور امر و نہی کا اقرار کرے اور دل میں خیال کرے کہ نماز روزہ اور زکوٰۃ یہ عمل ہیں۔ اگر کرو) گا تو اس کا ثواب مل جائے گا۔ یہ نفاق ہے اس کا بدلہ دوزخ کی آگ ہے۔ علم کی دو قسمیں یہ ہیں کہ ایک خاص خدا کے لئے علم حاصل کرنا۔ اور دوسرا علم عام۔ جو شخص علم کا ایک کلمہ سنے۔ اس سے بہتر ہے کہ ایک سال عبادت کرے اور جو شخص ایسی جگہ بیٹھتا ہے جہاں علم کا تذکرہ ہوتا ہے اس کا ثواب غلام آزاد کرنے کے برابر ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ' علم کو دنیا اور آخرت میں ضائع نہیں کرتا۔ اور عمل کی دو قسمیں ہیں۔ اول خدا کے لئے کیا جائے یہ خاص ہے۔ دوسرا جو لوگوں کے دکھلاوے کے لئے کیا جائے اس کا بدلہ نہیں ملتا۔ اور ایسا کرنا اچھا

نہیں۔

۵۶ - فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث میں ہے کہ موت کا یاد کرنا دن رات کے قیام اور عبادت فاضلہ سے بہتر ہے۔

۵۷ - فرمایا زاہدوں میں سب سے اچھا زاہد وہ ہے جو موت کو یاد رکھے اور ہمیشہ موت کے شغل میں رہے۔ ایسا زاہد اپنی قبر میں بہشت کا سبزہ دیکھے گا۔

۵۸ - فرمایا نبیوں میں سے جو آدم علیہ السلام کو یاد کرے اور صلوٰۃ اللہ علیہ تین بار کہے اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے۔ اگرچہ اس کے گناہ دریا سے بھی زیادہ ہوں اور اس کے پڑوس میں ہوگا۔ اور جو حضرت داؤد علیہ السلام کو یاد کرے اور تین مرتبہ صلوٰۃ اللہ علیہ کہے بہشت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو گا۔ نبیوں کے یاد کرنے میں اللہ تعالیٰ اس کے ہفت اندام پر دوزخ کی آگ کو حرام کرے گا۔

۵۹ - فرمایا جو شخص مسجد میں چراغ بھیجتا ہے اور جس وقت اس کی روشنی مسجد میں ہوتی ہے تو سب فرشتے اس کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں۔ اور اس کو حملۃ العرش کہتے ہیں۔

۶۰ - فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث ہے کہ جو شخص درویشوں کو کھانا کھلاتا ہے وہ تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

۶۱ - فرمایا تین قسم کے لوگ بہشت کی طرف نہیں آئیں گے۔ ایک جھوٹ بولنے والا درویش۔ دوسرا بخیل دولت مند۔ تیسرا خیانت کرنے والا سوداگر۔ ان تینوں کو سخت عذاب ہوگا۔ پس جب درویش جھوٹا اور دولت مند بخیل بن جائے اور سوداگر خیانت کرنے والا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ دنیا سے برکت اٹھالیتا ہے۔

۶۲ - فرمایا جو شخص دن رات میں ہر نماز کے بعد سورۃ یٰسین اور آیت الکرسی ایک دفعہ قل ھو اللہ احد تین مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے مال اور اس کی عمر کو زیادہ کرتا ہے۔ اور اس کو قیامت کے میزان اور پل صراط کے حساب میں آسانی ہوتی ہے۔

۶۳ - فرمایا حدیث شریف میں ہے کہ جب آخری زمانہ آئے گا' امیر زبردست ہو جائیں گے اور عالم روزی کمانے کی خاطر محنت مشقت کریں گے' جہاں میں فساد برپا ہو گا اور زمینوں اور پہاڑوں میں ان پر عیش تنگ ہو جائے گا۔

پھر فرمایا کہ امیر لوگ زبردست ہو جائیں گے اور عالم لوگ عاجز۔ پھر اللہ تعالیٰ خلقت سے اپنی برکت اٹھائے گا۔ شہر ویران ہو جائیں گے اور دین میں فساد واقع ہو گا۔ پس تمہیں یاد رہے کہ وہ لوگ اہل دوزخ ہیں۔ نعوذ باللہ منھا۔

۶۴ - فرمایا ایسے شخص کو صدقہ دو جو درویشوں کو مہمان رکھتا ہے۔ اس سے دس گناہ ثواب ملتا ہے۔ اور اپنے قریبیوں کو صدقہ دینے سے ہزار گنا ثواب ملتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ صدقہ ایسے طور پر دے کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو۔

۶۵ - فرمایا حدیقۃ المحدثین میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ مسلمان کے لئے توبہ کرنی فرض ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں آئے تو بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ! تو نے شیطان کو مجھ پر مقرر کیا ہے اور مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ اس کو منع کر سکوں' مگر تیری توفیق سے۔ تو حکم آیا جب میں تجھے اور تیری اولاد کو محفوظ رکھوں گا تو ہرگز قابو نہیں پا سکے گا۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ اے اللہ! زیادہ واضح کر۔ آواز آئی کہ اے آدم! میں نے توبہ فرض کر دی' جب تک کہ خلقت اس جہاں میں ہے۔ جب تیرے فرزند توبہ کریں گے تو میں ان کی توبہ قبول کروں گا۔ پھر فرمایا کہ مرنے سے پہلے تم توبہ کر لو پھر بعد میں افسوس کرنے کا کچھ فائدہ نہ ہو گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مغرب کی طرف رات کی توبہ کے لئے ایک دروازہ بنایا ہے جس کی فراخی ستر سال کی راہ کے برابر ہے۔

توبہ دو قسم کی ہے۔ ایک توبہ نصوحی۔ کہ اس کے بعد انسان گناہ کے نزدیک نہ پھٹکے۔ اور دوسری توبہ یہ ہے کہ دن رات توبہ کرے اور توڑ ڈالے اور ایسی توبہ اچھی نہیں۔

آخری محفل کے اختتام پر حضرت خواجہ ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اے معین الدین! میں نے تیری کمالیت کے لئے ان باتوں کی ترغیب دی ہے۔ پس چاہئے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے تو دل و جان سے اسے بجا لائے تاکہ قیامت کو شرمندہ نہ ہو۔

پھر فرمایا کہ لائق فرزند وہ ہے کہ جو کچھ اپنے پیر کی زبان سے سنے تو ہوش کے کانوں سے سنے۔ اور اس میں مشغول ہو جائے اور اسے بجا لائے۔ پھر فرمایا کہ لائق فرزند وہ ہے کہ جو کچھ اپنے پیر کی زبان سے سنے۔ اپنے شجرہ میں لکھ لے تاکہ شرمندہ نہ ہو۔

جونہی خواجہ ادام اللہ بقاء اس بات پر پہنچے۔ عصا پاس پڑا تھا۔ اٹھایا اور حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو عطا فرمایا اور خرقہ

اور لکڑی کی پاپوش یعنی کھڑاویں اور مصلی مرحمت کر کے فرمایا کہ یہ تمام چیزیں ہمارے پیروں کی یادگار ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہم تک پہنچی ہیں، ہم نے تجھے دیں۔

مناسب ہے کہ جیسا ہم نے ان چیزوں کو رکھا ہے ویسا ہی تو بھی رکھے۔ اور جس شخص کو تو مرد خدا معلوم کرے یہ یادگار اسے دے دے۔ جب یہ فرما چکے تو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ سے بغلگیر ہو کر فرمایا "تجھے خدا کو سونپا۔" جونہی یہ فرمایا۔ عالم تحیر میں مشغول ہو گئے اور حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ سر جھکائے ادب سے بیٹھے تھے اور حاضرین خاموش کبھی حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ اور کبھی حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کی طرف دیکھتے تھے۔

باب ۷

ملفوظات و فرمودات

جب مرشدنا حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو خرقہ خلافت اور اجازت نامہ عطا فرمایا تو اس وقت آپ کی عمر مبارک باون سال تھی۔ پیر بھائی حضرت شیخ محمد ترک نارنولوی' حضرت خواجہ فخرالدین گردیزی' حضرت قاضی قدوت الدین' حضرت حاجی رومی' حضرت قاضی دانیال قطری' حضرت شیخ عبداللہ رازی' حضرت سید عرب' حضرت شیخ سعدی لنگوچی وغیرہم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔ حضرت اجل شیرازی' حضرت خواجہ شہاب الدین عمر سہروردی رحمہا اللہ تعالیٰ اور دیگر حاضرین و محبین مبارک باد کے ڈونگرے برسا رہے تھے۔ اس وقت عجیب سماں تھا لیکن حضرت خواجہ غریب نواز چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی کیفیت دیدنی تھی۔ ایک تو مرشد سے جدائی کا غم سوہان روح بنا ہوا تھا اور دوسرا یہ فکر دامن گیر تھا کہ کیا اس خرقہ خلافت کا حق ادا بھی ہو سکے گا یا نہیں۔

مرشد نے بیس سالہ محنت کے بعد قصر سلسلہ چشتیہ میں ایک نورانی چراغ روشن کیا تھا جس کی ضیا پاشی دور و نزدیک پھیلنی تھی۔ کفر کے اندھیروں میں اسلام کا نور پھیلانا تھا۔ گم کردہ راہ لوگوں کو صراط مستقیم پر لانا تھا۔ رب کریم کی قبولیت' حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عطا کردہ سند اور مرشد کی باطنی و روحانی تربیت کی لاج رکھنی تھی لہٰذا بغداد سے روانگی کی ٹھانی۔ مدعا نہ

صرف لوگوں کو حزب اللہ میں شامل کرنا تھا بلکہ اس نعمت عظمیٰ پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے ولی حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی معرفت عطا فرمائی تھی اس کا خانہ کعبہ میں حاضر ہو کر شکر بھی بجا لانا تھا اور حق کی ادائیگی کے لئے توفیق بھی طلب کرنا تھی۔ چنانچہ مرشد سے معانقہ کرنے اور شرف قدم بوسی سے سرفراز ہونے کے بعد بغداد شریف سے روانہ ہوئے تو حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی رحمتہ اللہ علیہ کے علاوہ چند اور افراد بھی ہمراہ ہو لئے۔

حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی رحمتہ اللہ علیہ ہمیشہ باطن کی آرائش میں کوشاں رہتے تھے اور لوگوں کی مدح و قدح کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت شیخ رکن الدین نجاشی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا طریقہ ریاضت و مجاہدہ عجیب تھا۔ سات روز کے بعد روٹی کے کناروں سے جن کی مقدار پانچ مثقال سے زیادہ نہ ہوتی تھی پانی میں بھگو کر افطار کرتے تھے۔ لباس دوہرا سلا ہوا بغل بند دو تائی ہوتا تھا۔ اگر کسی جگہ سے پھٹ جاتا تو پاک کپڑے کے ٹکڑے سے خواہ وہ کسی قسم کا ہوتا سی لیتے اور اس میں پیوند لگا لیتے تھے۔ آپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کرمان میں رکے۔ وہاں پر ایک بوڑھے کو جو حد سے زیادہ بزرگ صاحب نعمت اور یاد الٰہی میں مشغول تھا دیکھا لیکن جیسا اس بزرگ کو مشغول دیکھا ویسا کبھی کسی کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے اس میں گوشت پوست ہی نہیں ہے' صرف روح ہی روح ہے۔ وہ بات بھی بہت کم کرتا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے اسے سلام کیا اور دل میں خیال کیا۔

"ان سے پوچھوں کہ اسقدر لاغر و ناتواں کیوں ہو گئے ہیں۔"

لیکن وہ بزرگ روشن ضمیر تھا۔ اس سے قبل کہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ سوال کرتے وہ خود ہی بول اٹھا۔

"اے درویش! ایک روز میں ایک یار کے ہمرا قبرستان سے گزرا۔ ایک قبر کے نزدیک تھوڑی دیر ٹھہرے۔ اتفاقاً کوئی ایسی بات ہوئی جس کے سبب سے مجھے ہنسی آگئی اور قہقہہ لگا کر ہنسا۔ معاً قبر کے اندر سے آواز آئی۔

"اے غافل! جس کو ایسا مقام درپیش ہو اس کا حریف ملک الموت ہو اور اس کا غمخوار خاک کے نیچے سانپوں اور بچھوں کے بس میں ہو اسے ہنسی سے کیا کام۔"

جونہی یہ آواز سنی تو میرا برا حال ہو گیا۔ آہستہ آہستہ سے اٹھا۔ اپنے دوست کا ہاتھ چوم کر اسے رخصت کیا اور خود عبادت میں مصروف ہو گیا۔ اس آواز کی ہیبت سے اپنے آپ میں پگھلنا شروع کیا۔ آج چالیس سال ہونے کو آئے ہیں کہ میں نے اس شرم کے مارے آسمان کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا اور نہ ہی مسکرایا ہوں۔ شرمندہ ہوں کہ روز قیامت کیا منہ دکھاؤں گا۔"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت بڑی جاذب نظر و پرکشش تھی۔ چہرے سے بزرگی و عظمت کے آثار ہویدا تھے۔ مکران میں مختصراً قیام کے بعد جب عازم سفر ہوئے تو یہاں سے بھی چند ایک محبین نے آپ کی معیت اختیار کی۔ چند یوم کے بعد آپ وارد اصفہان ہوئے جسے صفاہان بھی کہتے ہیں۔

ان دنوں وہاں حضرت شیخ محمود اصفہانی رحمتہ اللہ علیہ رشد وہدایت کے مقام پر فائز تھے جن کا کبار مشائخ میں شمار ہوتا تھا۔ دونوں اللہ والوں کی جب ملاقات ہوئی تو ان پر ایک دوسرے کے مراتب روحانی منکشف ہوئے اور تصوف و سلوک و روحانیت کی زبان میں رموز و نکات معرفت پر گفتگو ہوئی۔

حضرت شیخ محمود اصفہانی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے ہمراہیوں کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

عارفوں کی ملاقات و گفتگو کا رنگ ہی اور ہوتا ہے اہل دنیا کی سمجھ سے یہ ماوراء ہے۔ ایک دن دونوں بزرگ بیٹھے بات چیت میں مصروف تھے کہ ایک اٹھارا سالہ نوجوان جس کا نام قطب الدین بختیار بن احمد بن موسیٰ اوشی تھا حاضر خدمت ہوا۔ اس نے چودہ سیپارے آغوش مادر میں حفظ کئے تھے۔ اس کی والدہ محترمہ چودہ سیپاروں کی حافظہ تھیں ان کی عادت تھی کہ جب تک صبح چودہ سیپارے تلاوت نہ کر لیتی تھیں دنیا کا کوئی کام شروع نہیں کرتی تھیں۔ دوران تلاوت قرآن پاک وہ بیٹے قطب الدین کو گود میں لے لیتی تھیں جو اسے ازبر ہو گئے اور جب پانچ سال کی عمر میں قاری کے پاس حفظ قرآن پاک کے لئے بٹھایا تو پندرھویں سیپارہ سے حفظ کرنا شروع کیا۔

اس ہونہار و خوش خصال نوجوان کو حضرت شیخ محمود اصفہانی رحمتہ اللہ علیہ سے بے حد عقیدت تھی اور اس دن وہ ان کے دست حق پرست پر بیعت ہونے کے لئے آیا تھا۔ لیکن اس نے جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے جمال ولایت اور رنگ فقر کو دیکھا تو بیعت کے لئے استدعا کی اور عرض کیا۔

"یا خواجہ! اس غلام کو اپنی غلامی میں لینے کا اعزاز بخشیں"

حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے نور بصیرت سے مشاہدہ کر لیا تھا کہ قطب الدین کن اوصاف حمیدہ کا مالک ہے اور مستقبل میں اس کا کیا مقام و مرتبہ ہو گا چنانچہ اسے شرف بیعت سے نوازا۔ یہ پہلا مرید تھا جو حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے کیا تھا۔

حضرت شیخ محمود اصفہانی رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی محبت و گرم جوشی سے حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کو اصفہان سے الوداع کہا۔ حضرت قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ اب اپنے مرشد کے ساتھ تھے اور ہر لحظہ خدمت پر کمربستہ و تیار رہتے تھے۔ اس وقت آپ کی جلو میں تقریباً تیں چالیس افراد تھے۔

حرم کی راہ میں ایک شہر آیا۔ وہاں ایک بزرگ کو دیکھا جو ایک کٹیا میں معتکف تھے اور غار کے اندر کھڑے ہو کر دونوں آنکھیں آسمان کی طرف لگائے ہوئے تھے۔ مثل سوکھی لکڑی کے تھے۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

"کہو تو چند روز یہاں رک جائیں۔"

"حضور! یہ غلام آپ کی مرضی و رضا کا تابع ہے۔"

حضرت قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کیا تو آپ بہت خوش ہوئے۔

ایک ماہ کے بعد وہ بزرگ عالم تحیر سے ہوش میں آیا۔ سب نے ان کی خدمت میں سلام عرض کیا تو انہوں نے فرمایا۔

"اے عزیزو! تم نے تکلیف اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر دے گا۔ اس واسطے کہ بزرگوں کا قول ہے کہ جو شخص درویشوں کی خدمت کرتا ہے وہ کسی مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔"

پھر فرمایا۔

"بیٹھ جاؤ"

جب سب بیٹھ گئے تو گویا ہوئے۔

"میں حضرت شیخ محمد بن اسلم طوسی رحمتہ اللہ علیہ کے فرزندوں میں سے ہوں جو یگانہ روزگار عالم تھے۔ ان کو لوگ لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خراسان کا کوتوال کہتے تھے۔ وہ ہمیشہ قرض لے کر درویشوں میں تقسیم کرتے تھے۔ میں قریباً تیس سال سے عالم تحیر میں مستغرق ہوں۔ مجھے رات دن کی کوئی تمیز نہیں۔ آج اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری وجہ سے مجھے ہوش میں لایا ہے۔ اے عزیزو! تم واپس چلے جاؤ۔ اللہ تمہیں اس تکلیف کا اجر دے گا' لیکن ایک بات فقیر کی یاد رکھنا۔

"جب کہ تم نے راہ طریقت میں قدم رکھا ہے تو دنیا اور نفسانی خواہشات کی طرف مائل نہ ہونا۔ خلقت سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور جو تمہیں نذر نیاز ملے اسے اپنے پاس جمع نہ کرنا۔ اگر ایسا کرو گے تو خطا کھاؤ گے۔"

جب انہوں نے نصیحت ختم کی تو پھر عالم تحیر میں محو ہو گئے تو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ ساتھیوں کے ہمراہ سوئے خانہ کعبہ چل پڑے۔

مکہ مکرمہ میں آپ طواف کعبہ کرتے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ سجدہ شکر بجا لاتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمایا تھا۔ اور توفیق طلب کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مخلوق اللہ کی خدمت و رہنمائی میں سرگرم عمل رکھے اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہو۔

ایک روز حرم کعبہ میں یاد الٰہی میں مگن تھے کہ آواز غیب سنائی دیا۔ آپ متوجہ ہوئے کہنے والا کہہ رہا تھا۔

"اے معین الدین! ہم تم سے خوش ہیں۔ تجھے بخش دیا۔ مانگ کیا مانگتا ہی تا کہ عطا کردوں۔"

سنا تو وجود کے اندر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ سر نیاز زمین پر رکھ دیا اور بصد عجز و

انکساری عرض کیا۔

"بار الٰہ! معین الدین کے مریدان سلسلہ کو بخش دے۔"

ندا آئی۔

" اے معین الدین! تو ہماری ملک ہے۔ جو تیرے مرید اور تیرے سلسلہ میں تاقیامت مرید ہوں گے انہیں بخش دوں گا۔"

اس واقعہ کے بعد آپ چند روز مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے اور پھر حج کا وقت آگیا۔ آپ نے یہ فریضہ سرانجام دیا اور پھر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔

سب سے پہلے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے دربار رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صلوٰۃ و سلام کا گلدستہ رنگین پیش کیا۔ رقت طاری ہوگئی اور پھر مسجد قبا میں عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ ہمہ وقت عشق و محبت میں سرشار رہتے تھے۔ اس طرح چھ ماہ گزر گئے۔

رات دبے گام گذر رہی تھی۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ بغرض آرام تھوڑی دیر کے لئے لیٹے تو رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا۔

" اے معین الدین! تم معین دین ہو۔ تمہیں ہندوستان کی ولایت دی جاتی ہے۔ اجمیر کو اپنا مستقر بناؤ۔"

اور ایک انار شیریں مرحمت فرمایا۔ اسی وقت آپ کی آنکھ کھل گئی۔ عجیب سرور و کیف کا عالم طاری تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت انمول دولت تھی۔ آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ کافی دیر تک یہ کیفیت طاری رہی اور پھر معاً خیال آیا۔

"اجمیر کہاں ہے۔ کس ملک میں ہے۔"

انہیں خیالات میں آپ کو غنودگی طاری ہو گئی تو عالم رویا میں اجمیر اور اس کا راستہ دکھا دیا گیا۔

خواب سے بیدار ہونے کے بعد آپ روضہ اقدس پر حاضر ہوئے کافی دیر تک درود پاک پڑھتے رہے اور پھر اپنے احباب کے ہمراہ بطرف بغداد چل پڑے۔

جتنی جلد ممکن ہوا حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے سفر طے کیا اور بغداد پہنچ کر سیدھے مرشدنا حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور قدم بوسی کے بعد مدینہ منورہ میں جو واقعہ پیش آیا تھا عرض گزار کیا۔ مرشد نے سماعت فرمایا تو بے حد مسرور و خنداں ہوئے۔ ماحول پر عجز و انبساط کا رنگ غالب تھا۔ تھوڑی دیر تک سکوت طاری رہا پھر مرشد نے ارشاد فرمایا۔

"مبارک مترے کاں خانہ راماہے چنیں باشد۔"

دربار رب العزت کے اکرام۔ رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعام اور مرشد کامل کے الطاف و عنایات کا تقاضا تھا کہ زکوٰۃ دیں۔ چنانچہ تائید غیبی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر رحمت سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ جو حال پر موجود تھے سامنے آگئے۔ تو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں سینے سے لگایا۔ بے شمار انعامات سے نوازا اور بیعت و خلافت سے مشرف کیا۔

سب خاموش بیٹھے تھے در و دیوار سے نور مترشح تھا۔ اللہ کی رحمتوں کا نزول ہو رہا تھا۔ سب متمنی تھے کہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کچھ ارشاد فرمائیں۔ حاضرین کے قلوب التجا کی شکل میں ان پر منکشف ہوئے تو ارشاد فرمایا۔

"حضرت ابو یوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو قرآن شریف حفظ نہ تھا۔ ایک رات وہ اسی متردد حالت میں استراحت فرما رہے تھے کہ خواب میں اپنے مرشد حضرت ابو محمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا۔ انہوں نے فرمایا۔

"تو اتنا اداس کیوں ہے؟"

عرض کی۔

"یا مرشدنا! قرآن پاک حفظ نہیں ہے۔"

" ہر روز ہزار بار سورہ اخلاص اس نیت سے پڑھ کہ مجھے قرآن پاک حفظ ہو جائے۔ انشاء اللہ یاد ہو جائے گا اور اگر کوئی اور بھی پڑھے گا تو حفظ قرآن کی نعمت اسے بھی نصیب ہو گی۔"

حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے خواب میں ارشاد فرمایا تو حضرت خواجہ ابویوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے حسب اہدایت عمل کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے قرآن شریف حفظ ہو گیا۔"

"سبحان اللہ"

حاضرین کے لبوں سے نکلا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ پھر گویا ہوئے۔

" فرمایا ایک روز سمرقند میں تھے کہ حضرت خواجہ مودود چشتی علیہ رحمتہ کی یہ حالت تھی کہ جب کبھی ان کو کعبہ کے دیدار کا اشتیاق ہوتا تو فرشتوں کو حکم ہوتا کہ خانہ کعبہ کو طشت میں لاکر رکھو اور میرے ولی کو دکھاؤ۔ جب حضرت خواجہ مودود چشتی قدس سرہ ساری رسومات ادا کر لیتے تو پھر فرشتے خانہ کعبہ کو اس کے اصلی مقام پر پہنچا دیتے تھے۔"

یہ سنا تو حاضرین محفل کے ہونٹوں سے بیساختہ نکلا۔

"اللہ اکبر"

سب کیف کے عالم میں جھوم رہے تھے۔ اسی اثنا میں حضرت خوجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ عبادت میں مصروف ہو گئے تو وہاں پر موجود لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ اکثر گوشہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت و ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ اگر کوئی حلقہ ارادت میں شامل ہونے کی درخواست کرتا تو خنداں بہ لب ارشاد فرماتے۔

"معین الدین کے پاس جاؤ۔"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی بزرگی و عظمت کا سن کر لوگ دور و نزدیک سے حاضر خدمت ہوتے تھے اور دست حق پرست پر بیعت کرتے تھے۔ آپ خصوصی توجہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ پر فرماتے تھے جن کے بارے میں عالم رویاء میں آپ کو بتا دیا گیا تھا۔

"قطب الدین اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دوست ہے۔"

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ بھی مرشد کی خدمت و ادب و محبت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔ جانتے تھے کہ عشق' معرفت' طریقت' اخلاص سب اسی در سے ملے گا۔ لہذا مرشد کے لبوں سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو گوش و ہوش سے سنتے اور حرز جان بنا لیتے تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرماتے تھے۔ غذا میں ساتویں روز خشک روٹی کے چند ٹکڑے تناول فرماتے تھے اور لباس میں دو چادریں تھیں جو دوہرا بخیہ شدہ ہوتی تھیں۔ دن کا زیادہ تر حصہ حضرت

خواجہ ابوالليث سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ کی مسجد میں گزرتا تھا جہاں مریدین و محبین و معتقدین کا ہجوم رہتا تھا۔ عام لوگ بھی دستگیری و رہنمائی کے لئے آتے رہتے تھے اور کبھی کبھی اپنے مرشد کی خدمت میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔

ایک دن تشریف فرما تھے کہ گفتگو محبت کے بارے میں ہونے لگی۔ حاضرین اپنے اپنے خیال کا اظہار کرنے لگے۔ آخر میں آپ نے فرمایا۔

"راہ سلوک میں یہ بات ہے کہ جو شخص محبت کرے اور محبت کا دعویٰ کرے وہ دوست کی مصیبت کو خواہش سے چاہتا ہے کیونکہ اہل معرفت کے نزدیک دوست کی مصیبت دوست کی رضا ہے۔"

ایک مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ' حضرت شیخ اوحدالدین کرمانی' حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہم کسی جگہ تشریف فرما تھے اور ذکر انبیاء علیہم السلام کا ہو رہا تھا۔ اسی اثنا میں بارہ سالہ شمس الدین التمش ہاتھ میں پیالہ لئے جا رہا تھا۔ سب بزرگوں کی نگاہ اس پر پڑی۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"یہ لڑکا جب تک دہلی کا بادشاہ نہ ہو گا اللہ اسے دنیا سے نہ اٹھائے گا۔"

بغداد میں سات آتش پرست شدید ریاضت و مجاہدہ میں مصروف تھے۔ انہوں نے حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کا چرچا سنا تو ملاقات کے لئے آئے۔ جب آپ نے ان پر نگاہ ڈالی تو ان کے چہرے ہیبت سے زرد پڑ گئے۔ جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور آپ کے قدموں پر گر پڑے۔ حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"اے بے دینو! تمہیں شرم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ کے غیر کی پرستش کرتے

ہو۔"

وہ بولے۔

" یا حضرت! ہم آگ کی اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ کل قیامت کے دن ہمیں نہ جلائے۔"

آپ نے سنا تو ارشاد فرمایا۔

" جب تک اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرو گے آتش دوزخ سے خلاصی نصیب نہ ہو گی۔"

انہوں نے سنا تو بولے۔

" اگر آپ کو آگ نہ جلائے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔"

یہ سماعت فرمایا تو حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔

" اللہ! اللہ! آگ تو معین الدین کا جوتا بھی نہیں جلا سکتی۔"

اور پھر اپنا جوتا آگ میں ڈال دیا اور فرمایا۔

" اے آگ! معین الدین کے جوتے کو مت جلانا۔"

یہ کہنا تھا کہ آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ اسی وقت غیب سے آواز آئی اور سب حاضرین نے سنی۔

" آتش کی کیا مجال کہ میرے دوست کا جوتا جلا سکے۔"

آتش پرستوں نے جب یہ حال دیکھا تو فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور آپ کی خدمت میں رہ کر اولیائے کامل ہوئے۔

بفرمان رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے اجمیر میں جا کر اسلام کا پرچم بلند کرنا تھا اور لوگوں کو حزب اللہ میں شامل کرنا تھا۔ بغداد سے رخصت ہونے سے [illegible] چاہتے تھے کہ یہاں کے مریدین و محبین و معتقدین کی تربیت ہو جائے چنانچہ اس کے

لئے مجالس منعقد کی گئیں جن میں گفتگو کا محور فقر و صواب' اصلاح احوال' اطاعت و اتباع و عشق رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم' پابندی شریعت' خدمت' ادب' آداب مریدین' فقہ' حدیث' تفسیر' اولیاء اللہ' روزمرہ کے مسائل' اللہ تعالیٰ سے دوستی' یادالٰہی' سلوک و تصوف' اوصاف حمیدہ' عادات خبیثہ' کرامات' امراض' اوراد و وظائف' عبادت اور محبت ہوتا تھا۔ آپ جو کچھ ارشاد فرماتے تھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ اسے ضبط تحریر میں لاتے رہتے تھے اور ان مجالس کے فرمودات کو دلیل العارفین کا نام دیا۔ ان مجالس میں جن اہم امور پر گفتگو ہوئی وہ بلحاظ مجلس درج ذیل ہے :

پہلی مجلس

پانچ رجب المرجب ۵۱۴ ہجری کو مجالس کا آغاز ہوا۔ آپ نے زبان درفشاں سے فرمایا کہ صرف نماز ہی میں سر نگاہ عزت سے لوگ نزدیک ہو سکتے ہیں اس واسطے کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے الصلوۃ معراج المؤمن۔ تمام مقاموں سے بڑھ کر یہی نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ملنا پہلے نماز ہی سے شروع ہوتا ہے۔ نماز ایک راز ہے جو بندہ اپنے پروردیگار سے بیان کرتا ہے۔ وہی قرب پاسکتا ہے جو اس راز کے لائق ہو۔ یہ بھی راز سوائے نماز کے کسی طرح حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ نیز یہ بھی حدیث ہے کہ المصلی نیاجی یعنی نماز ادا کرنے والا اپنے پروردگار سے راز بیان کرتا ہے۔ بعدازاں مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب شیخ الاسلام سلطان المشائخ خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ کا مرید ہوا تو آٹھ سال تک آپ کی خدمت میں ایک دم بھی آرام نہ کیا۔ نہ دن دیکھا نہ رات۔ جہاں آپ سفر کو

جاتے' سونے کے کپڑے اور توشہ اٹھا کر ہمراہ ہوتا۔ جب میری خدمت دیکھی تو ایسی نعمت عطا فرمائی جس کی کوئی انتہا نہیں۔

پھر فرمایا جس نے جو کچھ پایا' خدمت سے پایا۔ پس مرید کو لازم ہے کہ پیر کے فرمان سے ذرہ بھر بھی تجاوز نہ کرے اور جو کچھ اسے نماز' تسبیح' اوراد وغیرہ کی بابت فرمائے گوش ہوش سے سنے اور اسے بجا لائے تاکہ کسی مقام پر پہنچ سکے۔ کیونکہ پیر مرید کو سنوارنے والا ہے۔ پیر جو کچھ فرمائے گا وہ مرید کے کمال کے لئے ہی فرمائے گا۔

امام خواجہ ابواللیث سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہر روز دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں' ایک کعبہ کی چھت پر کھڑا ہو کر آواز دیتا ہے کہ اے آدمیو اور پریو! سنو اور اس طرح سمجھ رکھو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا فرض بجا نہیں لاتا وہ کبھی اللہ تعالیٰ کے حقوق سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا اور دوسرا فرشتہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطیرہ پر کھڑا آواز دیتا ہے کہ اے آدمیو اور پریو! سنو اور اچھی طرح جان لو کہ جو شخص سنت نبوی ادا نہیں کرتا اور تجاوز کرتا ہے وہ شفاعت سے بے بہرہ رہے گا۔

صلوٰۃ مسعودی میں یہ طریقہ ترغیب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق فقہ سنت میں لکھا ہے کہ ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا سنت ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا میری سنت ہے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی بھی یہی سنت ہے اس پر زیادہ کرنا ستم ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے وضو کرتے وقت ہاتھ صرف دو مرتبہ دھوئے جب نماز ادا کر چکے تو اسی رات حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں فرماتے سنا کہ مجھے تو تعجب ہے کہ تمہارے وضو میں کمی رہ جائے۔ خواجہ صاحب خوف سے جاگ پڑے۔ پھر

تازہ وضو کر کے نماز ادا کی اور کفارہ کے لئے سال بھر پانچ سو رکعتیں بطور وظیفہ روزانہ ادا کیں۔

پھر فرمایا کہ عارف اہل فضل ہیں۔ اور وہ دوست کی محبت میں مستغرق ہیں۔ پس وہ اپنی شرح میں لکھتے ہیں کہ جب آدمی رات کو باطہارت سوتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ فرشتے اس کے ہمراہ رہیں۔ وہ صبح تک اللہ تعالیٰ سے یہی التجا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو بخش! کیونکہ یہ باطہارت سویا ہے۔ عارفوں کی شرح میں آیا ہے کہ جب آدمی باطہارت سوتا ہے اس کی جان عرش کے نیچے لے جاتے ہیں اور حکم ہوتا ہے کہ اسے نوری خلعت پہنا دو جب وہ سجدہ کر چکتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ اسے واپس لے جاؤ۔ کیونکہ یہ نیک بندہ ہے جو باطہارت سویا ہے اور جو شخص بے طہارت سوتا ہے اس کی جان کو پہلے ہی آسمان سے واپس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لائق نہیں کہ اسے اوپر لے جایا جائے۔ ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے والا نہیں۔

پھر زبان مبارک سے فرمایا کہ فقیہ لکھتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ الیمین الوجہ والیسار المقعد یعنی دایاں ہاتھ کھانا کھانے اور ہاتھ منہ دھونے کے واسطے ہے اور بایاں ہاتھ استنجا کرنے کے لئے۔ اور جب آدمی مسجد میں آئے تو سنت یہ ہے کہ پہلے دایاں پاؤں اندر رکھے۔ اور جب باہر نکلے تو بایاں پاؤں پہلے باہر رکھے۔

ایک مرتبہ خواجہ سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ مسجد میں آئے اور بھول کر پہلے بایاں پاؤں اندر رکھ دیا' آواز آئی کہ بیل خانہ خدا میں ایسے بے ادبانہ گھس آتے ہیں۔ اس روز سے آپ کو خواجہ سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کہنے لگے۔

پھر عارفوں کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی تو فرمایا عارف اس

شخص کو کہتے ہیں کہ تمام جہان کو جانتا ہو اور عقل سے لاکھوں معنی پیدا کر سکتا ہو۔ اور بیان کر سکتا ہو۔ محبت کے تمام دقائق کا جواب دے سکتا ہو۔ اور ہر وقت بحر میں تیرتا رہے تاکہ اسرار الٰہی کے موتی نکالتا رہے اور دیدہ ور جوہریوں کے پیش کرتا رہے۔ جب وہ اس کو دیکھیں' پسند کریں' ایسا شخص بے شک عارف ہے۔

صاحبو! عارف ہر وقت وسوسہ عشق میں مبتلا رہتا ہے اور قدرت خدا کی آفرینش میں متحیر رہتا ہے۔ اگر کھڑا ہے تو بھی دوست کے وہم میں اور اگر بیٹھا ہے تو بھی دوست کا ذکر کرتا ہے۔ اگر سویا ہے تو دوست کے خیال میں متحیر ہے۔ اگر جاگتا ہے تو بھی دوست کے حجاب عظمت کے گرد طواف کرتا ہے۔ اہل عشق صبح کی نماز ادا کر کے جائے نماز پر سورج نکلنے تک قرار پکڑتے ہیں۔ ان کا مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ دوست کی نظر میں قبول ہوویں۔ اور انوار، تجلی ان پر دم بدم ہو۔

جب ایسا شخص صبح کی نماز ادا کر کے جائے نماز پر قرار پکڑتا ہے تو فرشتے کو حکم ہوتا ہے کہ جب تک وہ نہ اٹھے اس کے پاس آ کر اس کے لئے بخشش مانگے۔

پھر اسی موقعہ کے مناسب فرمایا کہ خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ عمدہ سلوک میں لکھتے ہیں۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کو غمگین دیکھ کر سبب دریافت فرمایا۔ عرض کی کہ آپ کی امت کے چار گروہ ہوں گے۔ سب سے اول موذن' جو بانگ کہتے ہیں تو جو سنتا ہے وہ اذان کے جواب میں مشغول ہو جاتا ہے۔ کہنے والے اور سننے والے سب بخشے جاتے ہیں۔ دوسرا گروہ جو جہاد کے لئے باہر نکلتے ہیں۔ جب وہ تکبیر کہتے ہیں اور خدا کے لئے لڑتے ہیں تو حکم ہوتا ہے کہ ان کو مع ان کے متعلقین کے بخشو۔

وہ گروہ جو کسب حلال سے روزی کماتے ہیں اور درویش جب وہ حلال کی کمائی کھاتے ہیں اور اوروں کو کھلاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بخشتا ہے۔ چوتھا گروہ وہ لوگ جو صبح کی نماز ادا کر کے سورج نکلنے تک وہیں بیٹھے رہتے ہیں اور پھر نماز اشراق ادا کرتے ہیں۔ شیطان نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جس روز ملکوت میں تھا تو میں نے لوح محفوظ میں لکھا دیکھا تھا کہ جو شخص صبح کی نماز ادا کر کے سورج نکلنے تک یادالٰہی میں مشغول رہے اور پھر اشراق کی نماز ادا کرے تو اللہ تعالیٰ معہ اس کے ستر ہزار متعلقین کے اسے بخشتا ہے اور دوزخ کے عذاب سے خلاصی عنایت کرتا ہے۔

میں نے فقہ الاکبر میں لکھا دیکھا ہے کہ امام المتقین ابوحنیفہ کوفی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک کفن چور چالیس سال تک کفن چراتا رہا۔ آخر جب مرا تو اسے خواب میں دیکھا کہ بہشت میں ٹہل رہا ہے۔ اس کا سبب پوچھا تو بولا کہ مجھ میں ایک چیز تھی' وہ یہ کہ جب میں صبح کی نماز ادا کرتا تھا تو سورج نکلنے تک یاد الٰہی میں مشغول رہ کر پھر اشراق کی نماز ادا کرتا تھا۔ حق تعالیٰ چونکہ اندک پذیر اور بسیار بخش ہے۔ اس نے اس کی برکت سے مجھے بخش دیا۔ میرے افعال کا کچھ خیال نہ کیا اور مجھے اس درجہ پر پہنچا دیا۔

پھر قدرے توقف سے فرمایا کہ عارف جب غریق معرفت الٰہیہ ہوتا ہے تو اس حالت میں اگر کئی ہزار ملک جن میں عجیب و غریب چیزیں ہوں۔ اس کے سامنے پیش کی جائیں تو وہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ مگر اسی چیز میں دیکھتا ہے جو ان کے لئے نازل ہوتی ہے۔ عارف کی ایک علامت تو یہی ہے کہ وہ ہر وقت تبسم میں رہتا ہے۔ پس جو کچھ ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ اس کے مسکرانے کا سبب ہوتا ہے۔ یاد رکھو۔ عرفان میں ایک حالت ہوتی ہے جب وہ حالت اس پر طاری ہوتی ہے تو ایک ہی قدم میں عرش سے حجاب عظمت تک

کا فاصلہ طے کر لیتا ہے اور وہاں سے حجاب کبریا تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر دوسرے قدم میں اپنے مقام پر پہنچتا ہے۔

پھر خواجہ صاحب آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ عارف کا سب سے کم درجہ یہی ہے۔ لیکن وہ جو کامل ہیں۔ ان کا درجہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کہاں تک ہے کہاں تک پہنچتے ہیں اور کب واپس آتے ہیں۔

دوسری مجلس

جمعرات کے روز قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ اس وقت جنابت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ مولانا بہاء الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شہاب الدین محمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حاضر خدمت تھے۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ انسان کے ہر بال تلے جنابت ہے۔ پس لازم ہے کہ جس جس بال کے تلے جنابت ہے وہاں پانی پہنچائے اور اپنے بالوں کو تر کرنا چاہئے۔ اگر ایک بال بھی خشک رہ جائے گا تو قیامت کے دن وہی بال اس سے جھگڑے گا۔

فتاویٰ ظہیریہ میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ آدمی کا منہ پاک رہتا ہے جب تک جنب کی حالت میں رہے۔ جو کچھ پانی وغیرہ پیئے وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ اگر وہ بے طہارت ہے یا جنبی ہے یا حائض' مومن ہو' خواہ کافر' اس کا منہ پاک ہے۔

پھر فرمایا کہ راہ شریعت پر چلنے والوں کا شروع یہ ہے کہ جب لوگ شریعت میں ثابت قدم ہو جاتے ہیں اور شریعت کے تمام فرمان بجا لاتے ہیں اور ان کے بجا لانے میں ذرہ بھر تجاوز نہیں کرتے تو اکثر وہ دوسرے مرتبے پر پہنچتے ہیں جسے طریقت کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب بمعہ شرائط طریقت میں ثابت قدم ہوتے ہیں اور تمام احکام شریعت کے کم و کاست بجا لاتے ہیں تو معرفت

کے درجے کو پہنچ جاتے ہیں۔ تو شناخت و شناسائی کا مقام آجاتا ہے۔ جب اس مقام پر بھی ثابت قدم ہو جاتے ہیں تو درجہ حقیقت کو پہنچتے ہیں۔ اس مرتبے پر پہنچ کر جو کچھ طلب کرتے ہیں پا لیتے ہیں۔

میں نے ایک بزرگ سے عارف کی تعریف یوں سنی کہ عارف وہ ہے جو دونوں جہاں سے قطع تعلق کرے۔ پھر مقام فردانیت پر پہنچے۔ کیونکہ یہ راہ وہی شخص اختیار کر سکتا ہے جو سب سے بیگانہ بن جائے۔

پھر قدرے توقف سے فرمایا کہ نماز ایک امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے سپرد کی ہے۔ پس بندوں پر واجب ہے کہ امانت میں کسی قسم کی خیانت نہ کریں۔ جب انسان نماز ادا کرے تو رکوع و سجود کماحقہ بجا لائے اور ارکان نماز اچھی طرح ملحوظ رکھے۔ میں نے صلوٰۃ مسعودی میں لکھا دیکھا ہے کہ جب لوگ نماز اچھی طرح ادا کرتے ہیں' اس کے تمام حقوق بجا لاتے ہیں اور رکوع و سجود اور قرات و تسبیح کو ملحوظ رکھتے ہیں تو فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں۔ پھر اس نماز سے نور ظاہر ہوتا ہے اور آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ جب وہ نماز عرش سے نیچے لائی جاتی ہے' تو حکم ہوتا ہے کہ سجدہ کر اور نماز ادا کرنے والے کے لئے بخشش مانگ کیونکہ وہ تیرے حقوق اچھی طرح بجا لایا ہے۔

پھر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ روئے اور فرمایا کہ یہ تو اچھی نماز ادا کرنے والوں کے حق میں ہے۔ لیکن جو ارکان نماز کو بخوبی ملحوظ نہیں رکھتے۔ جب ان کی نماز کو فرشتے آسمان پر لے جانا چاہتے ہیں تو آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور حکم ہوتا ہے کہ اس نماز کو لے جا کر اسی نمازی کے منہ پر دے مارو۔ پھر نماز زبان حال سے کہتی ہے کہ جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے خدا تجھے ضائع کرے۔

میں نے خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی سنا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب انبیاء' اولیاء اور ہر مسلمان سے پوچھیں گے۔ جو اس حساب سے عہدہ برا نہیں ہو سکے گا وہ عذاب دوزخ میں مبتلا ہو گا۔ صلوٰۃ مسعودی کی شرح میں امام زاہد رحمتہ اللہ علیہ واضعہ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عبادت میں ایسی تاکید و تشدید نہیں کی جیسی کہ نماز کے بارے میں۔ حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا نصیحت کی ہے۔ بعض ان میں سے بہ لفظ بدرح خطاب ہے اور بعض بطور ترغیب اور بعض بطور ترہیب (خوف دلانا) سات سو مقام پر ایسی نصیحتیں کی ہیں' نماز قائم کرو' کیونکہ یہ دین کا ستون ہے۔ تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ قیامت کے روز پچاس مختلف مقامات پر مختلف سوال ہر آدمی سے پوچھے جائیں گے۔ پہلے مقام پر اگر ایمان اور اس کی شرائط و صفات اور شناخت باری تعالیٰ سے بال بھر بھی بیان نہیں کر سکے گا تو وہیں سے سیدھا دوزخ بھیج دیا جائے گا۔ بعد ازاں دوسرے مقام پر نماز اور فریضہ کی بابت سوال کریں گے اگر عہدہ برآ ہو گا تو بہتر نہیں تو وہیں سے دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ پھر تیسرے مقام پر سنت نبوی ﷺ کی بابت سوال ہوں گے۔ اگر ان سے عہدہ برآ ہو گا تو رہا کیا جائے گا ورنہ مؤکلوں کے ہاتھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جائے گا کہ یہ شخص آپ کی امت سے ہے جس نے سنت کے ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے جب ان فوائد کو بیان کر چکے تو زار زار رو دیئے۔ اور یہ الفاظ زبان مبارک سے فرمائے کہ افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرمندہ ہو گا تو کس کے پاس جائے گا۔ جب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ فوائد ختم کر چکے تو ہر شخص اپنے مقام کو واپس لوٹ گیا۔ الحمد اللہ علی ذلک۔

تیسری مجلس

بدھ کے روز قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ سمرقند سے کچھ درویش حاضر خدمت ہوئے۔ مولانا بخاری رحمۃ اللہ علیہ حاضر تھے۔ جو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی خدمت میں رہتے تھے پھر اوحدالدین کرمانی بھی آ کر بیٹھ گئے۔ گفتگو اس بارے میں ہو رہی تھی کہ نماز فریضہ میں اس قدر تاخیر کی جائے کہ وقت گزر جائے اور قضا کر کے ادا کریں۔ آپ نے سنا تو زبان مبارک سے فرمایا وہ کیسے مسلمان ہیں جو نماز وقت پر ادا نہیں کرتے اور اس قدر دیر کرتے ہیں کہ وقت گزر جاتا ہے۔ ان کی مسلمانی پر بیس ہزار افسوس! جو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں کوتاہی کرتے ہیں۔ امام یحییٰ زندوسی رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ واسعۃ میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ مولانا حسام الدین محمد بخاری سے جو میرے استاد تھے۔ سنا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ من اکبر الکبار یر جمع بین الصلوۃ یعنی سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ نماز فریضہ میں اس قدر تاخیر کی جائے کہ وقت گزر جائے اور پھر دو نمازیں اکٹھی ادا کی جائیں۔ ایک دن میں خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ سے میں نے یہ حدیث سنی جس کی روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں منافقوں کی نماز بتاؤں۔ عرض کی فرمایئے۔ فرمایا' جو شخص عصر کی نماز میں اس قدر تاخیر کرے کہ سورج کی روشنی میں فرق آجائے اور اس کا رنگ زردی مائل ہو جائے۔ پھر عرض کی کہ وقت مقرر فرمائیں۔ فرمایا' اس کا ٹھیک وقت یہ ہے کہ آفتاب نے اپنا اصلی رنگ نہ بدلا ہو یعنی زرد نہ پڑ گیا ہو۔ جاڑے اور گرمی میں یہی حکم ہے۔

میں نے فقہ ہدایہ میں شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ حدیث دیکھی ہے۔ اسفروا بالفجر لانہ اعظم للاجر یعنی صبح کی نماز سفیدی میں ادا کرو تاکہ ثواب زیادہ ہو۔ ظہر کی نماز میں سنت طریقہ یہ ہے کہ اس قدر تاخیر کی جائے کہ ہوا سرد ہو جائے اور جاڑے میں جب سایہ ڈھلے تو ادا کی جائے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ابی دردا الظهر فان شدة الحر من فیه جهنم یعنی گرمی میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت ادا کرو۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے صبح کی نماز قضا ہو گئی تو اس قدر روئے اور آہ و زاری کی کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ آواز آئی کہ اے بایزید! تو اس قدر آہ و زاری کیوں کرتا ہے۔ اگر صبح کی ایک نماز فوت ہو گئی تو ہم نے تیرے اعمال میں ہزار نماز کا ثواب لکھ دیا ہے۔ تفسیر محبوب قریش میں لکھا دیکھا ہے کہ جو شیخ پانچوں نمازیں باوقت ادا کرتا ہے وہ قیامت کے دن اس کی رہنما بنتی ہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ لا ایمان لمن لا صلٰوۃ لہ جس کی نماز نہیں اس کا ایمان نہیں۔

میں نے شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ امام زاہد کی تفسیر میں لکھا ہے۔ فویل للمصلین الذین هم عن صلوتهم ساهون ○ یعنی ویل ہے (دوزخ میں ایک کنواں ہے بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کی ایک وادی ہے) جس میں سخت سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو نماز میں غفلت کرتے ہیں۔ پھر اس کی تفسیر یوں فرمائی کہ ویل نے ستر ہزار مرتبہ اللہ تعالٰی سے رو کر پوچھا کہ ایسا سخت عذاب کن لوگوں کو ہوگا؟ حکم ہوا' ان کے لئے جو نماز کو وقت پر ادا نہیں کرتے اور قضا کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ امیرالمومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ

نے شام کی نماز ادا کی اور جب آسمان کی طرف دیکھا تو ستارہ دکھائی دیا۔ غمناک ہو کر آپ اندر چلے گئے اور اس کے کفارے میں ایک غلام آزاد کیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حکم ہے جب سورج غروب ہو۔ فوراً نماز ادا کرو کیونکہ ایسا کرنا سنت ہے۔

بعد ازاں صدقے کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی تو فرمایا کہ جو بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے اور دوزخ کے مابین سات پردے حائل کردے گا۔ جن میں سے ہر ایک پردہ پانچ سو سالہ راہ کے برابر ہوگا۔ پھر کچھ دیر جھوٹ کہنے کے بارے میں گفتگو ہوئی تو فرمایا جس نے جھوٹی قسم کھائی گویا اس نے اپنے خاندان کو ویران کیا اس گھر سے برکت اٹھا لی جاتی ہے۔

صاحبو! ایک بزرگ خواجہ محمد اسلم طوسی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ کسی کام کی خاطر سچی قسم کھائی۔ اس وقت وہ حالت سکر میں تھا۔ جب حالت صحو میں آیا تو پوچھا کہ کیا میں نے آج قسم کھائی ہے؟ کہا' ہاں! فرمایا چونکہ آج سچی قسم کھانے پر میرے نفس نے جرات کی ہے' کل جھوٹی قسم کی جرات کرے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں بات ہی نہ کروں۔ اس کے بعد چالیس سال تک زندہ رہے لیکن کسی سے کلام نہ کی۔ یہ اس سچی قسم کا کفارہ تھا جو اس نے ایک مرتبہ کھائی۔

بعد ازاں دعاگو نے التماس کی کہ اگر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ضرورت پڑتی تھی تو کیا کرتے تھے؟ فرمایا' اشاروں سے کام لیتے تھے۔ جب یہ فوائد ختم ہوئے تو سارے آداب بجا لا کر حاضرین اپنے گھر واپس لوٹ گئے اور خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

چوتھی مجلس

سوموار کے روز قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ اس روز شیخ شہاب الدین سہروردی' خواجہ اجل شیرازی اور شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہم زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ بات اس بارے میں شروع ہوئی کہ محبت میں صادق کون ہے۔ آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ محبت میں صادق وہ ہوتا ہے کہ جب دوست سے مصیبت آئے تو رغبت سے اسے قبول کرے۔ بعدازاں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محبت میں صادق وہ ہوتا ہے کہ جس پر شوق اور اشتیاق اس قدر غالب ہو کہ اگر لاکھ تلواریں بھی اس کے سر پر ماری جائے تو اسے کوئی خبر نہ ہو۔

بعدازاں خواجہ اجل شیرازی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دوستی مولا میں وہ شخص صادق ہوتا ہے کہ اگر اس کو ذرہ ذرہ کر دیا جائے اور آگ میں جلا کر خاکستر کر دیا جائے تو بھی دم نہ مارے۔

بعدازاں شیخ سیف الدین خزری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دوستی مولا میں وہ شخص صادق ہوتا ہے کہ جسے ہمیشہ چوٹ لگے اور مشاہدہ دوست میں اس چوٹ کو بھول جائے۔ اور اس پر کوئی اثر نہ ہو۔ پھر شیخ الاسلام خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بات شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ میں پائی جاتی ہے۔ اس واسطے کہ اسرار اولیاء میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ رابعہ بصری' خواجہ حسن بصری' مالک بن دینار اور خواجہ شفیق بلخی رحمتہ اللہ علیہم سب بصرے میں ایک جگہ بیٹھے تھے اور گفتگو صدق محبت کے بارے میں ہو رہی تھی۔ خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولا کی دوستی میں وہ شخص صادق ہے کہ جب اسے رنج و درد ہو تو صبر کرے۔ رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا

نے فرمایا کہ اے خواجہ اس سے غرور کی بو آتی ہے۔ پھر مالک دینار رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولیٰ کی دوستی میں وہ صادق ہے جو ہر بلا میں جو دوست کی طرف سے اس پر آئے رضا طلبی کرے اور اس پر راضی رہے۔ رابعہ نے فرمایا' اس سے بہتر ہونا چاہئے۔ بعد ازاں خواجہ شفیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولیٰ کی دوستی میں وہ شخص صادق ہے کہ اگر اس کا ذرہ ذرہ بھی کر دیا جائے تو بھی دم نہ مارے۔ رابعہ نے فرمایا کہ جب اسے رنج والم پہنچے تو وہ اسے دوست کے مشاہدہ میں بھول جائے۔ پھر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔ شیخ سعید الدین باخزری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا صدق محبت اسی کا نام ہے۔

پھر ہنسی کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی تو زبان مبارک سے فرمایا کہ دراصل جو خندہ اور قہقہہ ایک کبیرہ گناہ ہے وہی خندہ اور قہقہہ اہل سلوک میں ہے۔ فرمایا کہ خندہ و قہقہہ جائز تو ہے لیکن قبرستان میں نہیں کیونکہ وہ عبرت کا مقام ہے' نہ کہ کھیل کود کا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص قبرستان سے گزرتا ہے تو مردے کہتے ہیں کہ اے غافل! اگر تجھے معلوم ہو جائے کہ تجھے یہ کچھ پیش آنا ہے تو تیرے جسم کا گوشت و پوست گر پڑے۔

بعد ازاں اسی بارے میں آپ نے خواجہ عطائی سلمٰی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں ایک حکایت سنائی جنہوں نے چالیس سال تک آسمان کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ جب سبب پوچھا گیا کہ کیوں اس قدر روتا ہے؟ تو کہا قبر کے ڈر اور قیامت کے خوف سے۔ جب ان سے آسمان کی طرف نہ دیکھنے کی وجہ پوچھی تو کہا کہ مجھے شرم آتی ہے کیونکہ میں نے گناہ بکثرت کئے ہیں' مجلسوں میں خندے اور قہقہے لگائے ہیں۔ اس واسطے میں اوپر کی طرف نہیں دیکھتا اور نہ ہی آسمان کی طرف دیکھتا ہوں۔

اس حکایت کے بعد ایک اور حکایت بیان فرمائی کہ خواجہ فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ جو بندۂ طریقت تھے' آٹھ سال تک روتے رہے۔ چنانچہ آپ کے رخساروں پر گوشت و پوست نہ رہا۔ جب وفات کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ کہا بخش دیا۔ لیکن جب اوپر لے گئے اور عرش کے نیچے پہنچے تو میں نے سجدہ کیا' لیکن ڈرتا تھا اور کانپتا تھا۔ آواز آئی کہ اے فتح! تو اس قدر کیوں روتا ہے؟ کیا میرا غفار ہونا تجھے معلوم نہیں؟ میں نے سر سجدہ میں رکھ دیا اور مناجات کی کہ پروردیگار! مجھے معلوم تو تھا۔ لیکن میں عذاب قبر اور ہیبت قبر اور ملک الموت کی سختی سے ڈر کر روتا تھا کہ اس تنگ لحد میں میری کیا حالت ہو گی۔ بعد ازاں حکم ہوا کہ چونکہ اس سے تو ڈرتا تھا واپس چلا جا کہ میں نے تمہیں اس خوف سے رہائی دی اور تجھے بخش دیا۔

پھر فرمایا کہ قبرستان میں عمداً کھانا کھانا' پانی پینا گناہ کبیرہ ہے اور جو عمداً کھائے وہ ملعون اور منافق ہے۔ کیونکہ گورستان عبرت کا مقام ہے نہ کہ حرص و ہوا کا۔ پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ میں نے امام یحیٰ ابوالخیر زندوسی رحمتہ اللہ علیہ کے روضے میں لکھا دیکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ من اکل فی المقابر طعاماً او شراباً فھا ملعون و منافق جس نے قبرستان میں کچھ کھایا پیا وہ ملعون اور منافق ہے۔

ایک مرتبہ خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا گزر قبرستان سے ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ مسلمان قبرستان میں بیٹھ کر کھا پی رہے ہیں۔ پاس جا کر پوچھا کہ بھائیو تم منافق ہو یا مسلمان! ان کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ خواجہ صاحب سے برا سلوک کرنا چاہا۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا' میں نے اس واسطے پوچھا ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ

جو قبرستان میں کھائے پیئے وہ منافق ہے۔ اس واسطے کہ یہ عبرت کا مقام ہے۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ یہاں تم جیسے اور تم سے بہتر لوگ خاک میں سوئے پڑے ہیں جو چیونٹیوں اور سانپوں کے بس میں ہیں اور قید میں گرفتار۔ ان کا گوشت پوست گل سڑ گیا ہے اور ان کا جمال خاک میں مل گیا ہے۔ تم نے اپنے ہاتھوں ان عزیزوں کو خاک میں دفن کیا ہے' تمہارا دل کس طرح چاہتا ہے کہ یہاں بیٹھ کر کھانا کھاؤ اور کھیل کود میں مشغول ہو۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ کہا تو سب نے فوراً توبہ کی کہ ہم اس سے باز آئے۔

پھر قدرے خاموشی کے بعد فرمایا کہ میں نے ریاحین میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ آدمیوں کو دیکھا جو ہنسی اور کھیل کود میں مشغول تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹھہر کر سلام کیا تو سب اکٹھے ہو گئے اور غلاموں کی طرح دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ بھائیو! کیا تم موت سے بے کھٹکے ہو؟ سب نے ایک زبان ہو کر عرض کی' نہیں۔ پوچھا' اعمال پل صراط سے گزر گئے ہو؟ عرض کی نہیں۔ فرمایا' پھر کیوں ہنسی اور کھیل کود میں مشغول ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت نے ان پر ایسا اثر کیا کہ بعد ازاں ان میں سے کسی نے ان کو ہنستے نہ دیکھا۔

دوستو! مشائخ طبقات اولیائے صفات طریقت' امامان دین اور خواجگان معرفت دنیا و مافیہا سے بیزار ہیں۔ کیونکہ انہیں ہیبت و حیرت کا عذاب دکھائی دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اہل سلوک کا کہنا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی کبیرہ گناہ نہیں کہ مسلمان بھائی کو بغیر سبب تکلیف دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
الذین یوذون المومنین بغیر مااکتبوا فقداحتملوا بھتاناً واثماً

مبیناً ○ یعنی مسلمان بھائی کو ستانا کبیرہ گناہ ہے اس سے خدا اور رسول دونوں ناراض ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ نے رعایا پر ظلم و تعدی کر کے ملک کو برباد کر رکھا تھا اور بڑی تکلیف دیتا تھا۔ مدت بعد اسی بادشاہ کو بغداد میں کنکری مسجد کے پاس کھڑے ہوئے دیکھا کہ سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور گرد آلود ہیں۔ پہلی حالت بالکل بدل چکی ہے اور بدن پر خاک ڈالی ہوئی ہے۔ ایک شخص نے اسے پہچان کر پوچھا کہ تو وہی بادشاہ ہے جو مکہ میں لوگوں پر ظلم و تعدی کرتا تھا؟ شرمندہ ہو کر جواب دیا۔ تو نے مجھے کس طرح پہچانا؟ کہا' میں نے تجھے اس دن نعمت و دولت میں دیکھا ہے۔ جب تو خلق خدا پر رحم نہیں کرتا تھا۔ بلکہ الٹا ظلم و تعدی کرتا تھا۔ کہا' ہاں! اس وقت میں بے سبب خلق خدا کو تکلیف پہنچاتا تھا اور ان پر ظلم کرتا تھا۔ اس واسطے اپنا کیا پا لیا۔

بعد ازاں زبان مبارک سے فرمایا کہ سلوک میں یہ بھی کبیرہ گناہ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کا نام سنے یا کلام اللہ سنے تو اس کا دل نرم نہ ہو اور ہیبت الٰہی سے اس کا اعتقاد ایمان میں زیادہ نہ ہو۔ پس اگر عیاذ باللہ ذکر الٰہی میں یا قرآن مجید سنتے وقت سننے والوں کا دل نرم نہ ہو یا ان کا اعتقاد ایمان میں زیادہ نہ ہو بلکہ ہنسی اور کھیل کود میں مشغول ہوں۔ تو گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم و اذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایماناً وعلی ربھم یتوکلون ○

امام زاہد تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یوں ہیں کہ حقیقت میں مومن وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا نام سنتے ہیں تو ان کا اعتقاد ایمان میں زیادہ ہو جاتا ہے۔ جس وقت ذکر الٰہی سنتے ہیں یا کلام الٰہی' اس وقت جو ہنستے ہیں وہ ضرور بالضرور منافق ہیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

و آلہ وسلم نے کچھ آدمیوں کو دیکھا کہ ذکر خدا کرتے ہیں مگر ہنسی اور کھیل کود میں مصروف ہیں اور ذکر سے ان کے دل نرم نہیں ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا' یہ منافقوں کا تیسرا گروہ ہے جس کا دل کلام الٰہی سنتے وقت نرم نہیں ہوتا۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ نے کچھ آدمیوں کو دیکھا جو ذاکر تھے اور بیٹھ کر ذکر کر رہے تھے۔ جونہی خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کا نام سنا تو ایسا ذوق اور درد پیدا ہوا کہ رقص کرنے لگے۔ سات دن رات رقص کرتے رہے اور بے ہوش ہو جاتے تھے۔ جس وقت ہوش میں آتے پھر خدا کا نام زبان پر لاتے اور پھر بے ہوش ہو جاتے تھے۔ جب ہوش میں آئے تو تازہ وضو کر کے دوگانہ ادا کیا اور سر سجدہ میں رکھ کر یا اللہ کہا اور جان بحق ہوئے۔
یہ فرما کر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شعر پڑھا۔

عاشق بہوائے دوست بے ہوش بود
وز یاد محب خویش مدہوش بود

فرط کہ بحشر خلق حیران باشد
نام تو دردن سینہ و گوش بود

جب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان فوائد کو ختم کیا تو تلاوت میں مشغول ہو گئے۔

پانچویں مجلس

سوموار کے روز قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ' شیخ محمد اوحد چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگ حاضر خدمت تھے۔ اور بات اس بارے میں ہو رہی تھی کہ پانچ چیزوں کو دیکھنا عبادت میں داخل ہے۔ ان

پانچوں میں سے پہلی یہ ہے کہ اپنے والدین کے چہرے کو دیکھا جائے۔ اس واسطے کہ حدیث پاک میں ہے کہ جو فرزند دوستی خدا سے اپنے والدین کا چہرہ دیکھتا ہے اس کے نامہ اعمال میں حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک فاسق اور بدکار جوان فوت ہوا تو اسے خواب میں دیکھا کہ حاجیوں کے ساتھ بہشت میں ٹہل رہا ہے۔ لوگوں کو تعجب ہوا۔ سبب دریافت کیا۔ کہا میری بڑھیا ماں تھی۔ جب میں گھر سے نکلتا۔ اس کے قدموں پر سر رکھ دیتا۔ ماں دعا دیتی کہ اللہ تعالیٰ تجھے بخشے اور حج کا ثواب تیرے نصیب کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کرلی اور مجھے بخش دیا۔ اب میں حاجیوں کے ساتھ بہشت میں ٹہل رہا ہوں۔

ایک دفعہ خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ یہ مرتبہ آپ کو کس طرح حاصل ہوا؟ فرمایا میں ابھی سات سال کا تھا تو مسجد میں استاد سے قرآن شریف پڑھنے جایا کرتا تھا۔ جب اس آیت پر پہنچا باالوالدین احسناً تو استاد سے اس کا مطلب پوچھا۔ فرمایا حکم الٰہی ہے کہ جس طرح میری خدمت بجالاتے ہو والدین کی بھی خدمت بجالاؤ۔ استاد سے یہ سنتے ہی بستہ باندھ کر گھر آیا اور ماں کے قدموں پر سر رکھ دیا کہ اے ماں! میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے کچھ مانگ تاکہ میں کماحقہ تیری خدمت بجالاؤں جب والدہ سے یہ درخواست کی تو انہوں نے رحم کھاکر دوگانہ ادا کرنے کے بعد میرا ہاتھ پکڑا اور قبلہ رخ ہوکر مجھے اللہ تعالیٰ کو سونپا۔ یہ دولت مجھے وہاں سے نصیب ہوئی جس کا سبب والدہ کی دعا تھی۔ دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ موسم سرما میں رات کے وقت میری ماں نے پانی مانگا۔ میں کوزہ بھر کر حاضر ہوا لیکن والدہ سوگئیں۔ میں نے نہ جگایا چنانچہ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوئیں تو مجھے کوزہ لئے کھڑا دیکھا۔ جب مجھ سے کوزہ لیا تو

سردی کے مارے میرا ہاتھ کوزے سے چپکا ہوا تھا۔ کوزے کے ساتھ ہی میرے ہاتھ کا چمڑا اکھڑ گیا۔ ماں نے ترس کھا کر میرا سر بغل میں لیا' چھاتی سے لگا کر بوسہ لیا۔ اور کہا اے جان مادر! تو نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ یہ کہہ کر میرے حق میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔ میری ماں کی دعا قبول ہوئی اور یہ سب دولت اسی دعا کی بدولت نصیب ہوئی۔

پھر قدرے توقف کے بعد فرمایا میں نے شرح اولیاء میں لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص کلام اللہ کی طرف دیکھتا ہے یا پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے دو ثواب دو۔ ایک قرآن شریف پڑھنے کا۔ دوسرا قرآن شریف کو دیکھنے کا۔ اور ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں عطا ہوتی ہیں۔ اور دس بدیاں مٹائی جاتی ہیں۔ بعد ازاں دعا گو نے التماس کی کہ مصحف مجید لشکر اور سفر میں ہمراہ لے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ فرمایا' اسلام کے شروع میں چونکہ کفار کا غلبہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قرآن شریف ہمراہ نہیں لے جایا کرتے تھے کہ مبادا کفار کے ہاتھ آجائے۔ لیکن جب اسلام نے زور پکڑا تو پھر ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔

فرمایا کہ سلطان محمد غزنوی اناء اللہ برہانہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ فرمایا' ایک رات میں ایک شخص کے ہاں مہمان تھا۔ ایک طاق میں قرآن شریف پڑا تھا۔ میں نے دل میں کہا قرآن شریف یہاں ہے تو میں کس طرح سوؤں گا۔ پھر کہا کہ قرآن شریف کسی اور مکان میں رکھ دیا جائے۔ پھر خیال آیا کہ اپنے آرام کی خاطر میں کیوں اسے باہر بھیجوں۔ چنانچہ موت کے وقت اسی کے عوض بخش دیا گیا۔

صاحبو! جو شخص قرآن شریف دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی بینائی زیادہ ہو جاتی ہے اور اس کی آنکھ کبھی نہیں دکھتی اور نہ خشک

ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بزرگ سجادے پر بیٹھا ہوا تھا اور سامنے قرآن شریف رکھا تھا۔ ایک نابینے نے آکر التماس کی کہ میں نے بہت علاج کئے مگر آرام نہیں ہوا۔ اب آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ میری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں۔ میں آپ سے فاتحہ کے لئے ملتجی ہوں۔ اس بزرگ نے قبلہ رخ ہو کر فاتحہ پڑھی اور قرآن شریف اٹھا کر اس کی دونوں آنکھوں پر ملا جس سے اس کی دونوں آنکھیں چراغ کی طرح روشن ہو گئیں۔

میں نے جامع الحکایات میں لکھا دیکھا ہے کہ پہلے زمانہ میں ایک فاسق جوان تھا۔ جس کی بدکاری سے مسلمانوں کو نفرت آتی تھی۔ اسے بہت منع کرتے لیکن ایک نہ سنتا۔ الغرض جب وہ مر گیا تو اسے خواب میں دیکھا کہ سر پر تاج رکھے خرقہ پہنے فرشتوں کے ہمراہ بہشت میں جارہا ہے۔ اس سے پوچھا کہ تو تو بدکار تھا۔ یہ دولت کہاں سے نصیب ہوئی؟ جواب دیا کہ دنیا میں مجھ سے ایک نیکی ہوئی۔ وہ یہ کہ جہاں میں قرآن شریف دیکھ لیتا کھڑے ہو کر بڑی عزت کی نگاہوں سے اسے دیکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی بدولت بخش دیا اور یہ درجہ عنایت فرمایا۔

یہ فرما کر آپ چپ ہو گئے اور پھر فرمایا اگر کوئی شخص علماء کی طرف دیکھے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو قیامت تک اس کے لئے بخشش مانگتا رہتا ہے۔ یاد رکھو جس دل میں علماء اور مشائخ کی محبت ہو۔ ہزار سال کی عبادت اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہے۔ اگر وہ اسی اثنا میں مر جائے تو اسے علماء کا درجہ ملتا ہے اور اس مقام کا نام علیین ہے۔

فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا دیکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص علماء سے آمد و رفت رکھے اور سات دن ان کی خدمت

کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور سات ہزار سال کی نیکی اس کے نامہ اعمال میں لکھتا ہے۔ ایسی نیکی کہ دن کو روزہ رکھے اور رات کھڑے ہو کر گزار دے۔ کہتے ہیں پہلے زمانہ میں ایک آدمی تھا جو علماء و مشائخ کو دیکھ کر ازروئے حسد منہ پھیر لیتا تھا۔ جب وہ مرگیا تو لوگوں نے اس کا رخ قبلہ کی طرف کرنا چاہا لیکن نہ ہوا۔ غیب سے آواز آئی' اس کو کیوں تکلیف دیتے ہو؟ اس نے دنیا میں علماء اور مشائخ سے روگردانی کی ہے۔ اس لئے ہم اپنی رحمت سے اس کا منہ پھیر دیتے ہیں اور قیامت کے دن ریچھ کی صورت میں اس کا حشر کریں گے۔

خانہ کعبہ کی زیارت کے بارے میں جب سوال کیا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص خانہ کعبہ کی زیارت کرے گا وہ عبادت میں داخل ہو گا۔ اس کی زیارت سے ہزار سال کی عبادت اور حج کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور اولیاء کا درجہ اسے نصیب ہو گا۔

مرشد کی خدمت کے بارے میں جب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میں نے معرفتہ المریدین میں لکھا دیکھا ہے کہ شیخ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے پیر کی خدمت کماحقہ ایک روز بجالائے۔ اللہ تعالیٰ بہشت میں مرواریدی ہزار محل اسے عنایت کرے گا۔ اور ہزار سال کی عبادت کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ لہٰذا مرید کو لازم ہے کہ جو کچھ پیر کی زبان سے سنے۔ اس پر بڑی کوشش سے عمل کرے اور پیر کی خدمت بجا لائے اور حاضر خدمت رہے۔ اگر متواتر خدمت بجا نہ لاسکے تو کم از کم اس بات کی ضرور کوشش کرے۔

چھٹی مجلس

جمعرات کے روز قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں بات شروع ہوئی۔ شیخ برہان الدین چشتیؒ اور شیخ محمد صفاہانیؒ اور درویش بغداد کی جامع مسجد میں حاضر خدمت تھے۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسی چیزیں پیدا کی ہیں کہ اگر انسان غور کرے تو ایک پل میں دیوانہ ہو جائے۔

اس راہ میں اللہ تعالیٰ کے ایسے مرد بھی ہیں جو معاملہ جہان میں گزرتا ہے اور عجائبات قدرت سے جو وقوع میں آتا ہے وہ سب ان کے پیش نظر ہوتا ہے اور اسے دیکھتے ہیں اور بندگان خدا کے روبرو وہ معاملہ پیش کرتے ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا میں نے عرض کی کہ وہ کونسی طاعت ہے؟ فرمایا' عاجزوں کی فریاد رسی اور حاجت مندوں کی حاجت روائی اور بھوکوں کو کھانا کھلانا۔ ان سے بڑھ کر کوئی نیک کام نہیں ہے۔ جب خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ بات ختم کر چکے تو سب حاضریں واپس چلے آئے۔

ساتویں مجلس

بدھ کے روز ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ چند حاجی بھی آئے ہوئے تھے اور بات فاتحہ کے بارے میں ہو رہی تھی۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ مشائخ طبقات کے آثار میں لکھا دیکھا ہے کہ فاتحہ کو حاجت براری کے لئے بکثرت پڑھنا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ جسے کوئی مشکل پیش آجائے وہ حسب ذیل طریق سے سورۃ فاتحہ پڑھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمدللہ یعنی رحیم کے میم کو لام سے ملائے اور آمین کے وقت تین مرتبہ آمین کہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مشکل کو حل کردے گا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف فرما تھے اور اصحاب رسول ﷺ اردگرد بیٹھے تھے۔ فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہت معجزے عنایت فرمائے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر کہا کہ حکم الٰہی ہے کہ میں نے تیرے پاس جو کتاب بھیجی ہے اس میں ایک ایسی سورۃ ہے کہ اگر وہ توریت میں ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام کی امت سے کوئی شخص یہود نہ ہوتا۔ اگر انجیل میں ہوتی تو کوئی عیسائی بت پرست نہ ہوتا۔ اگر زبور میں ہوتی تو کوئی شخص داؤد علیہ السلام کی امت سے مغنی نہ بنتا۔ اس واسطے یہ بھیجی گئی ہے تاکہ اس کی برکت کے بعد تیری امت اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرے اور قیامت کے دن دوزخ کے عذاب سے خلاصی پائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوچھا' وہ کون سی سورۃ ہے۔ فرمایا کہ وہ سورۃ فاتحہ ہے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا مجھے اس خدا کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اگر روئے زمین کے دریا سیاہی اور تمام درخت قلم بن جائیں اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کاغذ ہو جائیں اور ابتدائے عالم سے لے کر سب فرشتے اور آدمی اس کے فضائل لکھتے رہیں تو اس کی فضیلت نہ لکھ سکیں۔

صاحبو! سورۃ فاتحہ تمام دردوں اور بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔ جو بیماری کسی علاج سے درست نہ ہو وہ صبح کی نماز کے فرضوں اور سنتوں کے درمیان اکتالیس مرتبہ بسم اللہ سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے سے دور ہو جاتی ہے۔ بعدازاں فرمایا کہ حدیث پاک میں ہے الفاتحۃ الشفاء من کل داءٍ یعنی سورہ فاتحہ ہر درد کی دوا ہے۔

ایک مرتبہ ہارون الرشید کو سخت بیماری لاحق تھی۔ دو سال سے زیادہ تک رہی۔ جب علاج سے عاجز رہا تو وزیر کو خواجہ فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا کہ میں بیماری سے تنگ آگیا ہوں' کسی علاج سے

افاقہ نہیں ہوا۔ خواجہ فضیل عیاض رحمتہ اللہ علیہ فوراً اٹھ کر ہارون الرشید کے پاس آئے اور اپنا دست مبارک اس کے جسم پر پھیرا۔ اکتالیس مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا۔ ابھی اچھی طرح نہ کیا تھا کہ اسے صحت ہو گئی۔

ایک مرتبہ امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بیمار کے اوپر سورۃ پڑھ کر دم کیا تو اسی وقت اسے صحت ہو گئی۔ ایک اور آدمی اس کی بیمار پرسی کے لئے آیا اور پوچھا کہ کیا حالت ہے کس طرح صحت ہوئی۔ کہا امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے تھے اور سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا جس سے مجھے صحت ہو گئی۔ ابھی بات ختم نہ کرنے پایا تھا کہ پھر وہی بیماری لاحق ہو گئی جس سے وہ مرگیا۔ اس کا سبب اس کی بداعتقادی تھی۔ آدمی کو ہر بات میں صدق سے کام لینا چاہئے اور نیک عقیدہ رکھنا چاہئے۔ اگر بغیر فاتحہ بھی ہاتھ پھیرے تو بھی شفا ہو جاتی ہے۔ سورۃ فاتحہ تمام دردوں کی دواء ہے۔

بعدازاں زبان مبارک سے فرمایا کہ تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور سورتوں کا ایک ایک نام رکھا ہے اور سورۃ فاتحہ کے سات نام فاتحۃ الکتاب' سبع المثانی' ام الکتاب' ام القرآن' سورۃ مغفرت' سورۃ رحمت اور سورۃ الکنز رکھے ہیں۔ اس سورۃ میں سات حرف بالکل نہیں آئے۔

اول ث ... کیونکہ یہ ثبور کا پہلا حرف ہے اور فاتحہ کے پڑھنے والے کو ثبور سے کچھ واسطہ نہیں۔

دوم جیم ... جہنم کا پہلا حرف ہے' اس سے بھی پڑھنے والے کو کچھ سروکار نہیں۔

سوم ز ... جو زقوم کا پہلا حرف ہے اور الحمد کے پڑھنے والے کو

زقوم سے کچھ واسطہ نہیں۔

چہارم ش ... شقاوت کا پہلا حرف ہے جس سے سورۃ فاتحہ کے پڑھنے والے کو کچھ تعلق نہیں۔

پنجم ظ ... جو ظلمت کا پہلا حرف ہے۔ جس سے الحمد پڑھنے والے کو کچھ بھی واسطہ نہیں۔

ششم ف ... فراق کا پہلا حرف ہے جس سے الحمد پڑھنے والے کو کچھ سرورکار نہیں۔

ہفتم خ ... خواری کا پہلا حرف ہے۔ الحمد کے پڑھنے والے کو خواری سے بھی کچھ تعلق نہیں۔

امام ناصر بستی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس سورۃ میں سات آیتیں ہیں اور خدا نے انسان کے جسم میں ہفت اندام پیدا کیے ہیں۔ جو شخص ان کو پڑھتا ہے وہ ساتوں دوزخوں سے نجات پاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ مشائخ طبقات اور اہل سلوک لکھتے ہیں کہ اس سورۃ میں ایک سو چوبیس حرف ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر گزرے ہیں۔ اس سورۃ کے ہر حرف کے بدلے ہزار پیغمبر کا ثواب ہے' جو ملتا ہے۔

پھر فرمایا کہ الحمد کے پانچ حرف ہیں۔ حق تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز فرمائی ہے۔ جو شخص اسے پڑھتا ہے تو جو نقص اس نے پانچوں نمازوں میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول کرلیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ میں تین حرف ہیں۔ اگر پانچ الحمد کے ملاؤ تو کل آٹھ ہو جاتے ہیں اس کے پڑھنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ بہشت کے آٹھوں دروازے کھول دیتا ہے تاکہ جس دروازے سے اس کی مرضی ہو داخل ہو سکے۔ رب العلمین میں دس حرف ہوتے ہیں۔ دس اور آٹھ مل کر اٹھارہ

ان ایک سو چوبیں حروف کو پڑھتا ہے اسے ایک لاکھ چوبیں ہزار پیغمبر کا ثواب ملتا ہے۔

آٹھویں مجلس

جمعرات کے روز قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ ورد اور تسبیح کے بارہ میں گفتگو ہو رہی تھی۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ جو شخص ورد مقرر کرے اسے روزانہ پڑھنا چاہئے اور دن کو اگر نہ پڑھ سکے تو رات کو ضرور پڑھے۔ لیکن پڑھے ضرور۔ بعدازاں کسی اور کام میں مشغول ہو کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ورد کا تارک لعنتی ہے۔ ایک دفعہ مولانا رضی الدین رحمتہ اللہ علیہ گھوڑے پر سے گر پڑے جس سے پاؤں میں چوٹ آ گئی۔ جب گھر آئے تو سوچا کہ یہ بلا مجھ پر کہاں سے آئی۔ یاد آگیا کہ صبح کی نماز کے بعد سورۃ یٰسین پڑھا کرتا تھا وہ آج نہیں پڑھی۔

خواجہ عبداللہ مبارک رحمتہ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ وظیفہ نہ ہو سکا۔ اسی وقت غیب سے آواز آئی کہ اے عبداللہ! جو عہد تو نے ہم سے کیا تھا شاید تو بھول گیا ہے۔ یعنی وظیفہ تو نے آج نہیں پڑھا۔

پھر فرمایا کہ انبیاء ' اولیاء ' مشائخ اور مردان خدا کا وظیفہ جو ہوتا ہے وہ برابر پڑھتے ہیں اور جو کچھ اپنے پیروں سے سنتے ہیں بجالاتے ہیں۔ جو ورد ہمارے خواجگان سے منقول ہیں وہ ہم پڑھتے ہیں ' تم بھی پڑھا کرو تاکہ وظیفے میں ناغہ نہ ہو اور جب اٹھو! تو دائیں پہلو اٹھو اور بسم اللہ پڑھ کر باشرائط وضو کرو ' پھر دوگانہ ادا کر کے مصلیٰ پر بیٹھو اور سورۂ بقرہ کی چند ایک آیتیں اور سورہ انعام کی ستر آیتیں پڑھ کر یہ ذکر سو مرتبہ کرو۔ لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ۔ پھر صبح کی نماز کی سنتیں اس طرح ادا کرو کہ پہلی رکعت میں فاتحہ اور الم نشرح اور

دوسری میں سورۃ فاتحہ اور الم ترکیف پڑھو اور اس کے بعد بقیہ منقول وظائف پڑھو اور اشراق کی نماز دس رکعت پانچ سلام سے اس طرح پڑھو کہ پہلی رکعت میں فاتحہ ایک مرتبہ اذازلزلت الارض زلزالھا ایک مرتبہ' دوسری رکعت میں فاتحہ ایک مرتبہ اور انا اعطینک الکوثر ایک مرتبہ' نماز کے بعد دس مرتبہ درود شریف پڑھ کر تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہو۔ پھر چاشت کی نماز بارہ رکعت چھ سلاموں سے اس طرح ادا کرو۔ کہ ہر رکعت میں فاتحہ ایک بار اور سورۃ والضحیٰ ایک بار۔ سلام کے بعد سو مرتبہ کلمہ سبحان اللہ آخر تک پڑھے۔ اور سو مرتبہ درود پڑھے۔

رات کے بارے میں فرمایا کہ اس کے تین حصے کرو۔ پہلا حصہ نماز میں گزارو۔ دوسرا تہجد میں جس کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ نماز ہمارے لئے فرض ہے۔ یہ چار سلام سے ادا کرو اور جس قدر قرآن شریف یاد ہو پڑھو۔ پھر تھوڑی دیر سو جاؤ۔ پھر اٹھ کر تازہ وضو کرو اور صبح کاذب تک یادالٰہی میں مشغول رہو۔ اسی طرح ہر روز کیا کرو۔ لیکن اس میں کمی بیشی نہ کرو تاکہ مشائخ کی سنت ادا ہو۔ جب بیان ختم ہوا تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ واپس تشریف لے گئے۔

نویں مجلس

جب قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی تو اس وقت شیخ اوحد کرمانی' شیخ واحد برہان غزنوی' خواجہ سلیمان عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہم اور چند اور درویش حاضر خدمت تھے۔ بات سلوک کے بارے میں شروع ہوئی۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ مشائخ نے سلوک کے سو درجے مقرر کئے ہیں ان میں سترھواں مرتبہ کشف و کرامت کا ہے۔ پس جو شخص اس سترھویں درجے میں

زقوم سے کچھ واسطہ نہیں۔

چہارم ش ... شقاوت کا پہلا حرف ہے جس سے سورۃ فاتحہ کے پڑھنے والے کو کچھ تعلق نہیں۔

پنجم ظ ... جو ظلمت کا پہلا حرف ہے۔ جس سے الحمد پڑھنے والے کو کچھ بھی واسطہ نہیں۔

ششم ف ... فراق کا پہلا حرف ہے جس سے الحمد پڑھنے والے کو کچھ سرور کار نہیں۔

ہفتم خ ... خواری کا پہلا حرف ہے۔ الحمد کے پڑھنے والے کو خواری سے بھی کچھ تعلق نہیں۔

امام ناصر بستی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس سورۃ میں سات آیتیں ہیں اور خدا نے انسان کے جسم میں ہفت اندام پیدا کئے ہیں۔ جو شخص ان کو پڑھتا ہے وہ ساتوں دوزخوں سے نجات پاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ مشائخ طبقات اور اہل سلوک لکھتے ہیں کہ اس سورۃ میں ایک سو چوبیں حرف ہیں اور ایک لاکھ چوبیں ہزار پیغمبر گزرے ہیں۔ اس سورۃ کے ہر حرف کے بدلے ہزار پیغمبر کا ثواب ہے' جو ملتا ہے۔

پھر فرمایا کہ الحمد کے پانچ حرف ہیں۔ حق تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز فرمائی ہے۔ جو شخص اسے پڑھتا ہے تو جو نقص اس نے پانچوں نمازوں میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول کرلیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ میں تین حرف ہیں۔ اگر پانچ الحمد کے ملاؤ تو کل آٹھ ہو جاتے ہیں اس کے پڑھنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ بہشت کے آٹھوں دروازے کھول دیتا ہے تاکہ جس دروازے سے اس کی مرضی ہو داخل ہو سکے۔ رب العلمین میں دس حرف ہوتے ہیں۔ دس اور آٹھ مل کر اٹھارہ

ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کئے ہیں۔ جو شخص یہ اٹھارہ حرف پڑھتا ہے اسے اٹھارہ ہزار عالم کا ثواب ملتا ہے۔ الرحمٰن میں چھ حرف ہیں۔ چھ اور اٹھارہ مل کر چوبیس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دن رات کے چوبیس گھنٹے بنائے ہیں جو بندہ ان چوبیس حروف کو پڑھتا ہے وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے کہ گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ الرحیم کے چھ حروف ہیں چھ اور چوبیس مل کر تیس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پل صراط بہ مقدار تیس ہزار سالہ راہ بنایا ہے جو بندہ تیس حرفوں کو پڑھتا ہے وہ پل صراط سے بجلی کی طرح گزر جاتا ہے۔ مالک یوم الدین میں بارہ حروف ہیں۔ بارہ اور تیس ملا کر بیالیس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سال کے بارہ مہینے کئے جو شخص ان بارہ حرفوں کو پڑھتا ہے اس کے بارہ مہینے کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ ایاک نعبد میں آٹھ حرف ہیں۔ آٹھ اور بیالیس پچاس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روز قیامت جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا پیدا کیا ہے جو بندہ پچاس حروف کو پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے صدیقوں کا سا معاملہ کرتا ہے۔ اور ایاک نستعین میں گیارہ حرف ہیں۔ گیارہ اور پچاس مل کر اکسٹھ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں اکسٹھ دریا پیدا کئے ہیں جو شخص ان اکسٹھ حروف کو پڑھتا ہے تو اکسٹھ دریاؤں کے قطروں کے موافق نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ اور اسی قدر بدیاں اس کے نامہ اعمال سے مٹائی جاتی ہیں۔ اھدنا الصراط المستقیم میں انیس حرف ہیں۔ انیس اور اکسٹھ اسی ہوتے ہیں جو دنیا میں شراب پیتا ہے اسے اسی درے لگانے کا حکم ہے۔ اس کے پڑھنے والے کو اسی درے معاف کرتا ہے۔ انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ آمین میں چوالیس حروف ہیں۔ چوالیس اور اسی ملا کر ایک سو چوبیس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر پیدا کئے ہیں۔

اپنے تیئں ظاہر کر دے۔ وہ باقی کے تراسی کس طرح حاصل کرے گا۔ سالک کو چاہئے کہ جب تک سویں مرتبہ پر نہ پہنچ جائے اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے۔

پھر فرمایا کہ خواجگان چشت کے خاندان میں بعض نے پندرہ درجے مقرر کیے ہیں جن میں پانچواں کشف و کرامات کا ہے۔ ہمارے خواجگان فرماتے ہیں کہ جب تک پندرھویں درجے تک نہ پہنچ جائے اپنے تیئں ظاہر نہ کرے پھر کامل ہو گا۔

سلوک کی بابت لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ دیدار کیوں نہیں چاہتے؟ اگر چاہو تو ضرور مل جائے؟ فرمایا' میں ایک چیز نہیں چاہتا وہ یہ ہے کہ جو موسیٰ علیہ السلام نے مانگی اور انہیں نصیب نہ ہوئی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بے مانگے ملی۔ پس بندے کو خواہش سے کیا واسطہ اگر وہ اس کے لائق ہو گا تو خود ہی حجاب اٹھیں گے اور تجلی ہو جائے گی۔ پس کیا ضرورت ہے کہ ہم خواہش کریں۔

بعد ازاں عشق کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی تو فرمایا کہ عاشق کا دل محبت کا آتش کدہ ہوتا ہے جو اس میں جائے' اسے جلا دیتا ہے اور ناچیز کر دیتا ہے۔ کیونکہ عشق کی آگ سے بڑھ کر کوئی آگ تیز نہیں ہے۔

ایک مرتبہ خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ مقام قرب میں پہنچے تو غیب سے آواز آئی کہ اے بایزید! آج تیری درخواست اور ہماری بخشش کا وقت ہے جو چاہتا ہے مانگ' ہم دیں گے۔ خواجہ صاحب نے سربسجود ہو کر عرض کیا کہ بندے کو خواہش سے کیا واسطہ جو کچھ بادشاہ سے عطا ہو گا اسی پر راضی ہوں۔ آواز آئی' اے بایزید! ہم نے تجھے آخرت دی۔ عرض کی کہ وہ دوستانہ الٰہی کا قید خانہ ہے۔ پھر آواز آئی' اے بایزید! بہشت' دوزخ' عرش' کرسی اور جو ہماری ملکیت ہے سب کچھ تجھے دیا۔ عرض کی' نہیں۔ آواز آئی'

اے بایزید ! کیا تو ہمیں طلب کرتا ہے۔ اگر میں تیری طلب کروں تو پھر کیا کرے؟ یہ آواز سنتے ہی عرض کی کہ مجھے تیری قسم ! اگر تو مجھے طلب کرے' تو قیامت کے دن جب میرا حشر ہو۔ تو دوزخ کے پاس کھڑے ہو کر ایک ہی آہ سے دوزخ کی آگ کو نابود کر دوں۔ کیونکہ محبت کی آگ کے مقابلے میں دوزخ کی آگ کی کچھ حقیقت نہیں۔ جب یہ قسم کھائی تو آواز آئی' اے بایزید ! جو کچھ تو چاہتا ہے وہ تجھے مل گیا۔

پھر قدرے خاموشی کے بعد فرمایا کہ رابعہ بصری ایک رات عشق کے شوق و اشتیاق کی وجہ سے "الحریق الحریق" پکارتی تھیں۔ اہل بصرہ یہ فریاد سن کر باہر نکلے تاکہ آگ بجھائیں۔ ان میں ایک شخص واصل خدا تھا' اس نے کہا۔ کیسے بے وقوف ہیں۔ جو رابعہ کی آگ بجھانے آئے ہیں۔ اس کے تو سینے میں عشق کی آگ بھڑکی ہوئی ہے۔ یہ وصال دوست کے سوا نہیں بجھے گی۔

ایک مرتبہ منصور حلاج رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ دوست کے عشق میں کمالیت کس بات کا نام ہے ؟ فرمایا جب معشوق سیاست کرنا چاہے اور عاشق کا سر کاٹنا چاہے۔ تو چون و چرا نہ کرے اور رضائے معشوق میں کمربستہ رہے۔ اور اس کے مشاہدہ میں ایسا مستغرق رہے کہ اسے بندھنے کھلنے کی ذرہ بھر خبر نہ ہو۔ پھر خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ نے آب دیدہ ہو کر یہ شعر پڑھا ۔

خوب رویاں چوں بندہ گیرند
عاشقاں پیش شان چنیں میرند

دوستو ! بغداد میں ایک عاشق کو ہزار کوڑا لگایا گیا' نہ تو اس نے ہاتھ اٹھایا اور نہ اس کے پاؤں نے لغزش کھائی۔ ایک واصل نے اس سے پوچھا کیا

حالت ہے' کہا میرا معشوق میرے سامنے تھا۔ اس کے مشاہدہ کی قوت سے مجھے ذرا تکلیف نہیں ہوئی' بلکہ خبر بھی نہیں ہوئی۔

امام محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بغداد میں کسی عیار کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے تو وہ ہنستا تھا۔ ایک نے اس سے ہنسی کا سبب پوچھا۔ کہا میرا محبوب آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس کی قوت مشاہدہ کے باعث مجھے اس کے درد کی خبر ہی نہیں۔ میں ایسا مستغرق تھا کہ مجھے ہاتھ پاؤں کٹنے کی خبر نہیں۔ خواجہ صاحب نے آبدیدہ ہو کر یہ شعر پڑھا ۔

او برسر قتل و من درد حیرانم
کاں راندن تبغش چہ نکوے آید

بعد ازاں اہل سلوک اور عارفوں کے احوال کی بابت گفتگو شروع ہوئی۔ تو زبان مبارک سے فرمایا کہ ایک مرتبہ خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے مناجات کے وقت یہ الفاظ کہے۔ کیف السلوک علیک آواز آئی۔ اے بایزید! طلق نفسک ثلث و قل ھو اللہ یعنی پہلے اپنے تئیں تین طلاق دے پھر ہماری بات کر۔

یاد رکھو جب تک آدمی راہ سلوک میں پہلے دنیا و مافیہا اور پھر اپنے تئیں نہ چھوڑے۔ وہ اہل سلوک میں داخل ہی نہیں ہو سکتا اور نہ ان میں سے ہوتا ہے۔ پس اگر اس کی یہ حالت نہ ہو تو سمجھو کہ جھوٹا ہے۔

ایک بزرگ طریقت نے جو اہل عشق میں سے تھا۔ ایک مرتبہ مناجات میں کہا کہ تو تو مجھ سے ستر سال کا حساب پوچھے گا۔ لیکن میں تو ستر ہزار سال کا پوچھوں گا۔ کیونکہ ستر اسی ہزار سال کا عرصہ ہوا ہے تو نے الست بربکم کہہ کر سارے جہان میں شور برپا کر دیا۔ یہ شور جو زمین و آسمان میں برپا

ہے۔ سب الست کے شوق کی وجہ سے ہے۔ جونہی اس بزرگ نے یہ بات کہی، آواز آئی کہ جواب سن! تیری آرزو تجھے مل جائے گی۔ یعنی میں تیرے وجود کو ذرہ ذرہ کر کے ہر ذرے کو دیدار دکھاؤں گا اور کہوں گا یہ ہیں ستر ہزار سال اور باقی الگ رکھ دوں گا۔

صاحبو! عارف ہر روز یہی بات کہا کرتا ہے کہ ہر ایک شخص کسی چیز کی طرف مائل ہوتا ہے۔ لیکن میں کسی چیز کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ خواہ ساتوں زمینیں درہم برہم ہو جائیں۔ میں کبھی اپنے لئے نہ طلب کروں گا۔ پھر غلبات شوق میں کہا کہ اس نے مجھے دیکھنا چاہا لیکن ہم نے اسے دیکھنا نہ چاہا۔ یعنی بندے کو مراد اور خواہش سے کیا کام؟

ایک مرتبہ ایک بزرگ نے بیان کیا کہ ہم نے سہل سے منہ پھیرلیا اور جب بارگاہ میں گئے تو انہیں اپنے سے پہلے موجود پایا۔ جو کچھ ہم چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے عنایت کاملہ سے پہلے ہی ہمیں پہنچادیا۔

ایک بزرگ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب سانپ کی طرح کینچھلی سے نکلا اور نگاہ کی تو عاشق معشوق دونوں کو ایک ہی پایا۔ یعنی عالم توحید میں ایک ہی ہے۔ اسی واسطے تو نے ایک ہی دیکھا۔

دوستو! جب عارف کا حال کامل ہو جاتا ہے تو لاکھوں مقام سے باہر نکلتا ہے اور اپنا کام ترقی پر دیکھتا ہے۔ اگر اس مقام سے نہ نکلے تو اسی مقام میں حیران رہ جاتا ہے۔ یعنی ابھی کفارے پر ہے۔ اسے راہ ہی معلوم نہیں۔ اس واسطے زیادہ تر ضائع ہی رہتا ہے۔

خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیس سال سے حق میں تھا۔ اب میں نے اپنا آئینہ دے دیا۔ یعنی جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہ نہ

رہا اور شرکت وغیرہ اور تکبر و خودی بالکل اٹھ گئی لیکن چونکہ میں نہیں رہا ہوں۔ اس لئے حق تعالیٰ ہی اپنا آئینہ ہے۔ اور جو کچھ میں کہتا ہوں وہ اپنا آئینہ ہے یعنی حق تعالیٰ میری زبان سے کہتا ہے اور میرا بیچ میں دخل نہیں۔ میں اس درگاہ میں کئی سال مجاور رہا۔ آخر سوائے حسرت کے کچھ نصیب نہیں ہوا۔ جب میں بارگاہ میں آیا تو کوئی تکلیف نہ تھی۔ اہل دنیا' دنیا میں اور اہل آخرت' آخرت میں مشغول تھے۔ مدعی' دعویٰ میں اور اہل تقویٰ' تقویٰ میں۔ بعض کھانے پینے میں' بعض سماع و رقص میں مشغول تھے اور بعض بادشاہ کے پاس تھے جو دریائے عجز میں غرق تھے۔ مدت کا ذکر ہے کہ میں خانہ کعبہ کے گرد پھرتا تھا۔ اب خانہ کعبہ میرے گرد پھرتا ہے۔

جب میں خدا رسید ہوا تو ایک رات عشق میں میں نے اپنے دل کو طلب کیا۔ صبح کے وقت آواز آئی' اے بایزید بسطامی! کیا تو ہمارے سوا اور کچھ طلب کرتا ہے' تجھے دل سے کیا سروکار؟

صاحبو! عارف وہ شخص ہے کہ خواہ کہیں ہو اور خواہ کچھ طلب کرے اسی کے پاس آئے' جس سے بات کہے۔ جواب اسی سے سنے۔ اس راہ میں وہ عارف نہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی چیز کے درپے ہو۔ عارفوں کا درجہ اس قسم کا ہوتا ہے کہ جب اس درجہ پر پہنچتے ہیں تو دنیا و مافیہا اپنی انگلیوں میں دیکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے طریقت میں کہاں تک ترقی کی ہے؟ فرمایا' یہاں تک کہ جب میں اپنی دونوں انگلیوں کے درمیان نگاہ کرتا ہوں تو اس میں تمام دنیا و مافیہا دکھائی دیتا ہے۔

قدرے توقف کے بعد آپ نے کہنا شروع کیا کہ مرید کو طاعت میں مزہ آتا ہے۔ اسے طاعت میں مزہ اس وقت آتا ہے جب اسے طاعت میں خوشی و خورمی حاصل ہوتی ہے۔ اس خوشی سے اسے ثواب بھی قریب ہو جاتا ہے۔

غور سے سن لو کہ عارف کا سب سے گھٹیل درجہ یہ ہے کہ صفات حق اس میں پائی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے شوق غلبہ میں کہا۔ اے درویش! اگر خلقت کے بدلے میں مجھے آگ میں جلایا جائے اور میں صبر کروں تو چونکہ مجھے محبت کا دعویٰ ہے اس لئے میں نے گویا کچھ نہیں کیا۔ اگر میرے گناہ ساری خلقت کے عوض بخش دے تو یہ اس کی رحمت' مہربانی اور عنایت ہے۔ لیکن میں نے ابھی بہت کام نہیں کیا۔

پھر فرمایا۔ اہل سلوک کے مذہب میں کسی پر تعجب کرنا بھی ایک گناہ ہے۔ بلکہ گناہ سے بھی بدتر۔ کیونکہ گناہ سے ایک مرتبہ توبہ کی جاتی ہے اور اطاعت سے ہزار مرتبہ یعنی خودپسندی بڑا سخت گناہ ہے۔

سن لو کہ محبت حق میں عارف کا کمال درجہ یہ ہے کہ پہلے خود ولی نور دکھائے اور پھر اگر کوئی شخص اس کے پاس دعویٰ کر کے آئے تو اسے بزور کرامت قائل کرے۔

ایک بزرگ کہا کرتا تھا کہ جب سے میں نے دنیا کو دشمن قرار دیا میں خلقت کے نزدیک نہیں گیا۔ خدا کو خلقت پر ترجیح دی اور مجھ پر محبت نے اس قدر غلبہ کیا کہ میں اپنے وجود کو بھی دشمن سمجھنے لگا اور زندگی اور موت کو درمیان سے اٹھالیا۔ صرف حق تعالیٰ کی بقا اور انس کو چاہتا تھا۔

سلوک کے بارے میں لکھا ہے کہ قیامت کے دن جب خاص قسم کے عاشقوں کو بہشت میں لے جانے کا حکم ہو گا تو وہ کہیں گے ہم بہشت کو کیا کریں؟ بہشت اسے دے جس نے بہشت کے لالچ میں تیری پرستش کی۔ پھر خواجہ صاحب نے فرمایا کہ جب اپنا دیدار کسی شخص کو دیا جائے تو پھر وہ بہشت کو

کیا کرے۔ لہٰذا اگر تم سے ہو سکے تو پہلے بقاء حاصل کرو۔ اگر نہیں کر سکتے تو صلاحیت اور زہد تو ایک ہوا کی طرح ہے جو تم پر چلتی ہے۔

پھر خواجہ صاحب نے آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ اس راہ میں بہت سے مردوں کو عاجز اور عاجزوں کو مرد بنا دیا ہے۔ دراصل گناہ تمہیں اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتا جتنا مسلمان بھائی کو خوار کرنا اور اس کی بے عزتی کرنا ہے۔

ایک درویش از حد بزرگ اور واصل تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اہل دنیا دنیا کی راہ میں معذور ہیں۔ اور اہل آخرت حق کی دوستی کے سرور میں خوش ہیں۔ اور اہل معرفت نور علیٰ نور ہیں۔ یہ ایک بھید ہے جسے اہل سلوک ہی جانتے ہیں۔ اہل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے۔

اور جب عارف خاموش ہوتا ہے تو اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے۔ اور جب آنکھیں بند کرتا ہے۔ یعنی سوتا ہے تو اس واسطے سر نہیں اٹھاتا کہ شاید اسرافیل کرنا نہ پھونک دے۔

خواجہ ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کی شناخت کی علامت یہ ہے کہ خاموش رہے اور خلقت سے دور بھاگے۔

ایک مرتبہ شاہ شجاع کرمانی سے پوچھا گیا کہ کب سے شناخت حاصل ہوئی۔ فرمایا' جب سے شناخت حاصل ہوئی ہے خلقت سے بھاگنے لگا۔

غور سے سن لو کہ جس نے خدا کو پہچان لیا اگر وہ خلق سے دور نہ بھاگے تو سمجھ لو کہ اس میں کوئی نعمت نہیں۔ پھر اسی موقعہ کے مناسب فرمایا کہ عارف وہ شخص ہوتا ہے جو کچھ اس کے اندر ہو وہ دل سے نکال دے تاکہ اپنے دوست کی طرح یگانہ ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے کوئی چیز ہٹا نہیں رکھے گا۔ نہ وہ دونوں جہان کی پرواہ کرے گا۔ درحقیقت عارف کا کمال اس

میں ہے کہ اپنے تئیں راہ خدا میں چلائے۔ یاد رکھو اگر قیامت کے دن کوئی چیز بہشت میں پہنچائے گی تو زہد نہ کہ علم۔ عارف خواہ معرفت کی بابت کتنا ہی بیان کرے اور دوست کی گلی میں پھرے جب تک معارف یاد نہ کرے تب تک عارف ہو ہی نہیں سکتا۔

بعد ازاں فرمایا کہ اہل محبت کی فریاد بوجہ شوق و اشتیاق اس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ وہ دوست سے مل نہ جائیں۔ اس واسطے کہ عاشق اسی وقت واویلا کرتا ہے جب تک معشوق سے اس کا وصال نہ ہو۔ جب معشوق کو دیکھ لیتا ہے تو گفتگو بیچ سے اٹھ جاتی ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ ندیوں میں بہتا ہوا پانی شور کرتا ہے۔ لیکن جب سمندر میں جا گرتا ہے تو پھر آواز بند ہو جاتی ہے۔ اس طرح جب عاشق کو معشوق کا وصال ہو جاتا ہے تو عاشق واویلا نہیں کرتا۔

میں نے شیخ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے دوست بھی ہیں کہ اگر دنیا میں وہ ان سے ایک دم حجاب میں رہے۔ تو نابود ہو جائیں اور عبادت نہ کر سکیں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ خواجہ عبداللہ حنیف رحمتہ اللہ علیہ بھول کر دنیا کے کام میں مشغول ہوئے۔ یاد آیا' یہ دوست کے خلاف ہے۔ قسم کھائی کہ جب تک زندہ رہوں گا دنیاوی کام میں مشغول نہیں ہوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد پچاس سال تک زندہ رہے لیکن آپ کو کسی دنیاوی کام میں مشغول نہ پایا۔ اور پھر بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے ولولہ عشق کی بابت فرمایا کہ آپ ہر صبح نماز سے فارغ ہو کر ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر فریاد کرتے تھے ایک روز آواز سنی کہ یوم تبدل الارض یعنی اس وقت وصال ہوگا جب یہ زمینیں لپیٹ لی جائیں گی اور دوسری زمینیں پیدا کی جائیں گی۔

ایک مرتبہ خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ بسطام کے جنگل میں نکلے۔ عالم شوق واشتیاق میں پڑ کر یہ فریاد کرتے تھے کہ جتنا میں جنگل دیکھتا ہوں اسی قدر مجھے دکھائی دیتا ہے کہ یہاں عشق برسا ہوا ہے۔ یہاں سے پاؤں نکالنا چاہتا ہوں لیکن نہیں نکال سکتا۔

یاد رکھو محبت کی راہ ایسی راہ ہے کہ جو شخص عشق کی راہ میں پڑتا ہے اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔ اہل عرفان یادالٰہی کے سوا اور کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے۔ عارف سے ادنیٰ بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ملک و مال سے بیزار ہو جاتا ہے۔ پھر آب دیدہ ہو کر فرمایا حق تو یہ ہے کہ وہ اس کی دوستی میں اگر دونوں جہان بھی خرچ کردیں تو بھی تھوڑا ہے۔

لاریب اہل محبت اگرچہ محبت میں مجبور ہیں لیکن کام ایسے لوگوں کا سا کرتے ہیں جو سوئے ہوئے ہیں۔ اگر جاگیں تو مطلوب کے طالب ہیں اور اپنے دوست کی طلبگاری سے فارغ ہیں۔ مشاہدہ معشوق میں مشغول ہیں۔ معشوق ایسا ہے جو خود عاشق کو دیکھنے کے لئے بیٹھا ہے۔ محبت کی راہ میں مطیع کام سے نکلتے ہیں۔

خواجہ سمنون محب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اولیاء کے دل خود اس بات میں مطیع ہیں کہ اس کی معرفت اور محبت کا بوجھ نہیں اٹھا سکیں گے۔ اس لئے عبادت میں مشغول ہیں۔ پس خاص بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ کیونکہ مجاہدہ و ریاضت سے ملال ہوتا ہے۔

بعدازاں فرمایا کہ عارف وہ شخص ہوتا ہے جو اس بات کی کوشش کرے کہ دم ہاتھ میں لائے' دم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور اپنی ساری عمر اس ایک دم کے بدلے میں خرچ کر دے۔ اگر ایسے دم کو آسمانوں اور

زمینوں میں سالہاسال بھی ڈھونڈے تو بھی نہ پا سکے۔

میں نے اپنے پیر شیخ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی سنا ہے کہ اگر کسی شخص میں تین خصلتیں پائی جائیں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے۔ سخاوت' شفقت اور تواضع۔ سخاوت دریا کی سی۔ شفقت آفتاب کی سی اور تواضع زمین کی سی۔

پھر قدرے توقف کے بعد فرمایا کہ حاجی لوگ تو قالب کو لے کر کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور پھر بھی انہیں مشاہدہ حاصل نہیں ہوتا۔ مگر اہل محبت اور عاشق لوگ دل سے حجاب عظمت کے عرش کا طواف کرتے ہیں۔ اگر اس کے سوا کسی اور چیز کو دیکھ پاتے ہیں تو فریاد کرتے ہیں۔ وہ صرف اسی کے مشاہدہ کو پسند کرتے ہیں۔ اور اہل سلوک میں محبت ایک ایسا عالم ہے کہ لاکھوں علماء اس کے سمجھنے کی خواہش کرتے ہیں لیکن ذرہ بھر بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ اور زہد میں ایسی طاعت ہے جس کی زاہدوں کو خبر نہیں اور اس سے غافل ہیں۔ وہ ایک بھید ہے جو دونوں جہان سے باہر ہے۔ اور جسے اہل محبت اور اہل عشق کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اسے وہی شخص جانتا ہے۔ جو ان دونوں جہان میں ثابت ہوتا ہے۔ جو اسے جانتا ہے وہ ہرگز اسے نہیں دیکھتا۔ اس کے بعد دعویٰ کرنا چھوڑ دیتا ہے تاکہ اسے رنج میں رکھے۔

بعدازاں فرمایا کہ جو عشق و محبت میں گفتگو اور حرکت و مشغلہ ہے یہ اس وقت ہے جب تک باہر ہیں۔ جب اندر آجاتے ہیں تو پھر آرام خاموشی اور سکوت حاصل ہوتا ہے گویا وہ فریاد اور شور نہیں ہوتا۔ یہ دلیری اتنی نہیں کہ خواجہ دوست کی درگاہ سے عاری ہے اور اپنے آپ پر عاشق ہے۔ جب حضوری حاصل ہوتی ہے تو پھر فریاد و گفتگو نہیں رہتی۔ جب خواجہ صاحب یہ بیان ختم کر چکے تو لوگ اٹھ کر واپس چلے گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

دسویں مجلس

جمعرات کے روز قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ بہت سے بزرگ اور اصحاب سلوک حاضر تھے۔ بات نیک صحبت کے بارے میں ہونے لگی۔ آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے۔ الصحبۃ تؤثر یعنی صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اگر کوئی برا شخص نیکوں کی صحبت اختیار کرے تو امید ہے کہ وہ نیک ہو جائے گا۔ اور اگر نیک شخص بد کی صحبت میں بیٹھے تو بد ہو جائے گا۔ کیونکہ جس کسی نے کچھ حاصل کیا صحبت سے حاصل کیا اور جو نعمت حاصل ہوئی وہ نیکوں سے حاصل ہوئی۔ اگر کوئی برا شخص کچھ عرصہ نیکوں کی صحبت میں رہے تو ضرور ان کی صحبت کا اثر اس میں ہو جائے گا اور وہ نیک بن جائے گا۔ اور اگر نیک شخص بدوں کی صحبت میں بیٹھے تو ان کی صحبت کا اثر اسے بد کر دے گا۔ سلوک میں آیا ہے کہ نیکوں کی صحبت نیک کام سے بہتر ہے اور بروں کی صحبت بد کام سے بری ہے۔

پھر فرمایا کہ جب خلافت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی تو اس وقت عراق کا بادشاہ لڑائی میں گرفتار ہو کر آپ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا' اگر تو مسلمان ہو جائے تو تجھے عراق کا بادشاہ کر دیا جائے گا۔ اس نے انکار کیا۔ پھر فرمایا' اما ان الاسلام و اما ان السیف یعنی یا تو اسلام اختیار کرو ورنہ قتل کیا جائے گا۔ اس نے پھر بھی انکار کیا۔ فرمایا' تلوار لاؤ۔ وہ بادشاہ نہایت عقل مند تھا۔ جب یہ حالت دیکھی تو آپ سے مخاطب ہو کر کہا۔ میں پیاسا ہوں مجھے پانی پلاؤ۔ حکم دیا کہ اسے شیشے کے برتن میں پانی پلاؤ۔ اس نے کہا میں اس برتن میں نہیں پینا چاہتا۔ فرمایا چونکہ بادشاہ ہے۔ اس لئے سونے یا چاندی کا برتن لاؤ۔ کہا میں مٹی کے برتن میں پانی پیوں گا۔ جب پانی منگا کر اسے

دیا گیا تو کہا کہ مجھ سے عہد کرو کہ میں جب تک یہ پانی نہ پیوں مجھے قتل نہیں کرو گے۔ آپ نے فرمایا اچھا۔ میں نے اقرار کیا کہ جب تک تو یہ پانی نہیں پیئے گا؟ میں قتل نہ کروں گا۔ بادشاہ نے فوراً کوزہ زمین پر دے مارا۔ کوزہ ٹوٹ گیا اور پانی گر گیا۔ پھر کہا' آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جب تک میں یہ پانی نہ پیوں گا قتل نہ کیا جاؤں گا۔ آپ اس کی دانائی سے متعجب ہوئے۔ فرمایا تجھے معاف کیا۔ پھر اسے ایک صالح اور زاہد شخص کے سپرد کیا۔ جب کچھ مدت اس صالح شخص کی صحبت میں رہا تو اس کی صحبت نے اس میں اثر کیا۔ آپ کی طرف پیغام بھیجا تاکہ اسلام قبول کروں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اب ہم نے عراق کی حکومت تجھے دی۔ جواب دیا' مجھے ملک درکار نہیں بلکہ ملک عراق کا کوئی ویران گاؤں دو۔ جو میری وجہ معاش کے لئے کافی ہو۔ آپ نے منظور فرماکر اپنے آدمیوں کو عراق بھیجا۔ آخر بڑی تفتیش کے بعد بھی کوئی ویران گاؤں نظر نہ آیا۔ جب بادشاہ کو کہا گیا تو اس نے کہا۔ میرا اس سے یہ مطلب ہے کہ میں نے ملک عراق ایسی حالت میں دیا ہے کہ اس میں ایک گاؤں بھی غیر آباد نہیں۔ اگر اس کے بعد کوئی گاؤں ویران ہوگا تو اس کا جواب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو دینا ہوگا نہ کہ مجھے۔ پھر آب دیدہ ہو کر فرمایا۔ وہ بادشاہ کیسا عقل مند اور دانا تھا۔

پھر فرمایا کہ میں نے شیخ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی سنا ہے کہ لوگ اس وقت اسم فقر کے مستحق ہوتے ہیں جب کہ ان کے بائیں طرف کا فرشتہ آٹھ سال تک کچھ نہ لکھے۔

صاحبو! اللہ تعالیٰ کے عارف ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ نہیں لیتے۔ لیکن جس عارف میں تقویٰ ہے۔ وہ گداگری کر کے محض حرام کھاتا ہے۔ ایک روز خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے بتایا کہ طریقت محبت

کے پیر سے پوچھا گیا کہ محبت کا ثمرہ کیا ہے؟ فرمایا۔ محبت کا ثمرہ یہ ہے، کہ حق تعالیٰ سے سرور اور اشتیاق اس قدر ظاہر ہو جتنا اسے اپنے سے روا رکھے۔ لیکن جسے خود اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ بہشت میں اس کے لقاء کا خواہشمند ہوتا ہے۔

پھر خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ اہل محبت اور اہل سلوک اس بات میں ملتے جلتے ہیں کہ دونوں مطیع ہوتے ہیں۔ اس ڈر کے مارے کہ کہیں دور نہ کر دیئے جائیں۔ میں نے کتاب محبت میں اپنے استاد مولانا شرف الدین جو صاحب شرع اسلام تھے' کے ہاتھ کا لکھا دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ باوجود اس قدر طاعت اور ریاضت کے جو تو کرتا ہے اور آگے بھیج چکا ہے اس قدر کیوں ڈرتا ہے؟ فرمایا' دو چیزوں کے خوف سے۔ اول یہ کہ کہیں یہ نہ کہہ دے کہ تو میرے لائق نہیں اور مجھے اپنی درگاہ سے دور نہ کر دے۔ دوسرے اگر موت کے وقت ایمان سلامت لے جاؤں گا تو سمجھوں گا کہ میں نے کچھ کام کیا ہے' ورنہ سمجھوں گا کہ سارے اعمال اور طاعت کو ضائع کیا۔

ایک مرتبہ خواجہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ بدبختی کی کیا علامت ہے؟ فرمایا' کہ نافرمانی کرے اور قبولیت کی امید رکھے۔ پھر پوچھا۔ عارفوں میں اصلی بات کون سی ہوتی ہے۔ فرمایا' ہمیشہ خاموش رہنا اور غم و اندوہ میں رہنا۔ کیونکہ اسی سے عارفوں کی فضیلت ہوتی ہے۔

اور فرمایا جہان میں سب سے عزیز تین چیزیں ہیں۔ اول عالم جو اپنے علم سے بات کہے۔ دوسرا غیر طمع شخص۔ تیسرا وہ عارف جو ہمیشہ دوست کی صفت کرے۔

ایک مرتبہ خواجہ ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کگری مسجد میں معہ

اصحاب طریقت بیٹھے تھے ایک صوفی نے سوال کیا کہ صوفی اور عارف کسے کہتے ہیں ؟ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ صوفی اور عارف وہ ہیں جن کے دل کدورت بشریت سے آزاد ہوں اور دنیا اور حب دنیا سے صاف۔ جب ان میں یہ اوصاف پائے جائیں گے تو وہ اعلیٰ درجہ پائیں گے۔ اور تمام مخلوقات سے برگزیدہ کہلائیں گے اور غیر دوست سے دور بھاگیں گے' پھر وہ مالک ہو جائیں گے نہ کہ مملوک۔

صاحبو! تصوف رسوم ہے نہ کہ علوم اور یہ اہل محبت کے انفاس میں ہوتی ہے۔ مشائخ طبقات کا اخلاق یہی ہے کہ تخلقوا باخلاق اللّٰہ اس واسطے کہ خلق سے باہر نکلنا نہ رسوم سے حاصل ہوتا ہے نہ علوم سے۔ یاد رکھو کہ عارف دنیا کا دشمن ہوتا ہے اور مولیٰ کا دوست چونکہ وہ دنیا سے بیزار ہوتا ہے اور غل و غش اور حسد وغیرہ کی اسے خبر نہیں ہوتی۔

جب کسی نے پوچھا کہ عارف کیوں زیادہ روتے رہتے ہیں ؟ تو فرمایا' وہ اس وقت تک روتا رہتا ہے جب تک راہ میں ہوتا ہے لیکن جب حقائق قرب کو پہنچ جاتا ہے اور اسے وصال حاصل ہوتا ہے تو رونا بند ہو جاتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے ایسے عاشق بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی دوستی نے خاموش کر رکھا ہے کہ انہیں عالم موجودات کی کسی چیز کی خبر نہیں۔ لیکن جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی دوستی قرار پکڑتی ہے اسے واجب ہے کہ دونوں جہان کی خبر رکھے۔ اگر ایسا نہ کرے تو عاشق صادق نہیں۔

ایک مرتبہ داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا کہ آنکھیں بند کئے ہوئے جھونپڑے سے باہر آئے۔ ایک درویش حاضر خدمت تھا۔ اس نے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے ؟ فرمایا پینتالیس سال سے میں نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ دیکھوں۔ اس واسطے کہ یہ محبت نہیں کہ

دوستی تو اللہ تعالیٰ سے کروں اور دیکھوں غیر کی طرف۔

ایک بزرگ سے میں نے سنا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اولیاء کے اعمال کا مطالعہ کرو۔ ان کے آزاد ہونے کا سبب یہ ہوگا کہ اس نے اختیار کے پیچھے غیر کے دخل کو روا رکھا۔ اولیاء وہ ہیں جنہیں کسی کام میں اس کے سوا چین نہیں آتا۔ خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا دوست بنانا چاہتا ہے تو اپنی محبت اس پر غالب کرتا ہے۔ دوسری مرتبہ جب آدمی کی یہ حالت ہوتی ہے تو دوست اسے فردانیت کی سرائے میں لاتا ہے تاکہ باقی رہے۔ اور جب عارف حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے تعلق ہو جاتا ہے تو منزل قرب میں ساکن ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو کہاں تھا اور کیا چاہتا ہے؟ تو وہ اس کے سوا کوئی جواب نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔

اگر لوگ افمن شراح اللہ صدرہ کی بابت پوچھیں کہ کیا ہے؟ تو کہنا چاہئے کہ جب عارف کی نگاہ عالم وحدانیت اور جلال ربوبیت پر پڑتی ہے تو نابینا ہو جاتا ہے تاکہ غیر کی طرف نہ دیکھ سکے۔

پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور فرمایا کہ نماز ادا کرے۔ یعنی قیام کرے۔ دل صحبت میں لگا اور جان نے منزل قرب میں آرام کیا اور سر وصل کو پہنچا آدمیوں کو پیدا کرنے میں یہی مصلحت تھی۔

ایک بزرگ صاحب طریقت جب سر سجدے میں رکھتا ہے تو یہ دعا کرتا ہے کہ قیامت کے دن مجھے نابینا اٹھا۔ سبب پوچھا تو کہا کہ جو شخص دوست کو دیکھتا ہے۔ مناسب نہیں کہ قیامت کے دن غیر کو دیکھے۔

بعد ازاں درویشی کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی تو فرمایا کہ

درویشی اس بات کا نام ہے کہ جو آئے اسے محروم نہ کیا جائے۔ اگر بھوکا ہے تو کھانا کھلایا جائے۔ اگر ننگا ہے تو نفیس کپڑا پہنایا جائے۔ بہر حال اسے خالی نہیں جانے دینا چاہیے۔ اس کا حال پوچھ کر دل جوئی ضرور کرنی چاہیے۔

پھر فرمایا' اے درویش! جسے نعمت حاصل ہوئی' اسی سے ہوئی۔ پھر ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک درویش ازحد فقیر تھا۔ لیکن اس کی عادت یہ تھی کہ اگر کوئی چیز بطور فتوح آجاتی تو درویشوں کو بانٹ دیتا اور خود گھر میں گزارہ کرتا۔ چنانچہ ایک مرد درویش صاحب ولایت اس کے پاس آئے اور اس سے پانی مانگا۔ درویش اندر سے جو کی دو روٹیاں اور پانی کا کوزہ لے کر آیا۔ کیونکہ وہ بھوکے تھے روٹی کھا کر پانی پیا اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر باہم ہنسنے لگے کہ درویش نے تو اپنا کام کیا ہے۔ ہمیں بھی اپنا کام کرنا چاہیے۔ ایک نے کہا' اسے دنیا دینی چاہیے۔ دوسرے نے کہا کہ یہ دنیا کے سبب گمراہی میں پڑ جائے گا۔ جواب دیا کہ درویش بخشنے والے ہوتے ہیں۔ دنیا آخرت کے بدلے دی' لہٰذا دعا کر کے چلے گئے۔ پھر وہ درویش ایسا کامل حال ہوا کہ ہر روز اس کے باورچی خانے میں ہزار من طعام موجود ہوتا جو خلق خدا کو کھلاتا۔

بعد ازاں فرمایا کہ راہ محبت میں عاشق وہ شخص ہوتا ہے جو دونوں جہان سے دل اٹھالے۔ غور سے سن لو محبت کے چار معنی ہیں۔ پہلے ذکر خدا میں دل و جان سے خوش رہنا۔ دوسرے' ذکر حق کو بڑا جاننا۔ تیسرے' قطع تعلق کرنا۔ چوتھے' اپنی اور جو اس کے سوا ہے سب کی حالت پر رونا۔ جیسا کہ کلام مجید میں آیا ہے۔ قل ان کان اباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم ○ اور محبوں کی صفت یہ ہے کہ ان کی محبت پر یہ معنی ایثار ہوں۔ بعد ازاں چار منزلیں۔ محبت' علم' حیاء اور تعظیم کی طے کریں۔

لاریب محبت میں صادق وہ ہے کہ والد اور خویش و اقرباء سے قطع

تعلق کر کے خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلق پیدا کرے۔ پس محب وہ شخص ہے کہ کلام الٰہی کے حکم پر چلے اور دوستی حق میں صادق ہو۔

غور سے سن لو کہ عاشقوں کا ایثار عاشقی بے نیازی اور محبوں کا ایثار آرزو کا نہ کرنا ہے۔ ایک مرتبہ رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے پوچھا گیا کہ عارف کون ہے؟ فرمایا' جو دنیا سے روگردانی کرے اور جو کچھ اس کے پاس ہو راہ خدا میں صرف کرے۔

عارفوں کی خصلت محبت میں اخلاص کرنا ہے۔ جہان میں سب سے عمدہ بات یہ ہے کہ درویش درویش کے ساتھ مل بیٹھے اور جو کچھ دل میں ہو ایک دوسرے سے بیان کرے اور صاف صاف کہہ دے۔ اور سب سے بری چیز یہ ہے کہ درویش درویش سے جدا رہے۔ اگر ایسی صورت ہے تو معرفت سے خالی ہے۔

غور سے سن لو کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی اس بات سے پیدا ہوتی ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ دشمن جانتا ہے ان سے دشمنی کی جائے۔ مثلاً دنیا اور نفس۔

ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ عارف محبت میں اس وقت کامل ہوتا ہے جبکہ گفتگو بیچ سے اٹھ جائے ایسا ہو جائے کہ یا دوست رہے۔ یا وہ۔ اور عارفوں میں صادق وہ ہے کہ جس کی ملکیت میں کوئی چیز نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی کی ملکیت ہو۔

ایک دفعہ خواجہ سمنون محب رحمتہ اللہ علیہ محبت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک پرندہ آکر آپ کے سر پر بیٹھا۔ چند مرتبہ چونچ مار کر ہاتھ پر بیٹھا۔ پھر بغل میں' پھر زمین پر چند مرتبہ چونچ ماری۔ چونچ سے خون

جاری ہوا۔ پھر گر کر جان دے دی۔

جب خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنا بیان ختم کر چکے تو میں اور لوگ واپس چلے گئے۔ الحمد اللہ علیٰ ذلک۔

گیارہویں مجلس

بدھ کے روز قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ مولانا بہاؤ الدین صاحب تفسیر، شیخ اوحد کرمانی اور چند درویش حاضر خدمت تھے۔ بات عارفوں کے توکل کے بارے میں شروع ہوئی۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ عارفوں کا توکل یہ ہے کہ ان کا توکل سوائے خدا کے کسی پر نہ ہو اور نہ کسی چیز کی طرف توجہ کریں۔ متوکل حقیقت میں وہ ہے جو خلقت کی مدد اور تکلیف کی حکایت و شکایت نہ کرے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے کہا کہ تجھے کچھ ضرورت ہے؟ فرمایا، تجھ سے نہیں۔ اس واسطے کہ آپ اپنے نفس سے غائب تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے باطنی حضور حاصل تھا۔ اہل توکل پر تجلیات شوق میں ایک ایسا وقت آتا ہے کہ اگر اس وقت انہیں ذرہ ذرہ کر دیا جائے یا تلوار سے زخمی کیا جائے یا کسی اور طرح رنج و الم پہنچایا جائے تو انہیں مطلق خبر نہیں ہوتی۔ اور عارف کا توکل حق پر اس قسم کا ہوتا ہے کہ وہ عالم سکر میں متحیر رہتا ہے۔ ایک مرتبہ خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ عارف کون ہے؟ فرمایا، جو تین چیزیں علم، عمل اور خلوت سے قطع تعلق رکھے کہ جب عصئی آدم کی آواز آئی تو سونے چاندی کے سوا باقی سب چیزیں آدم علیہ السلام کی حالت پر روئیں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تم کیوں نہیں روئے۔ عرض کی جو تیرا نافرمانبردار ہے اس کی حالت پر ہم نہیں روئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے عزت و جلال کی قسم! کہ تمہاری قیمت اور جو کچھ تم

میں ہے ان پر ظاہر کروں گا اور اس کے فرزندوں کو تمہارا خادم بناؤں گا۔

بعد ازاں فرمایا کہ جب محب مملکت کا دعویٰ کرے تو محبت کے درجے سے گر جاتا ہے۔ دراصل محبت وفا کا دعویٰ ہے۔ معہ وصال اور حرمت باطل یعنی فقر کا مشاہدہ ایسا محب ہے جو فریضہ نمازوں میں اپنے نفس' کان اور سر کا خیال رکھے۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ محبت کی رضا کیا ہے؟ فرمایا' اگر ساتوں دوزخ معہ عظمت و ہیبت ان کے دائیں ہاتھ پر رکھ دیئے جائیں تو یہ نہ کہے کہ بائیں ہاتھ پر رکھ دو۔

صاحبو! سب سے پہلے جو چیز انسانوں پر فرض ہوئی وہ معرفت تھی۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ○ جنوں اور انسانوں کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بعض چیزوں کو بعض چیزوں میں پوشیدہ کیا ہے۔

اسرار اولیاء کی محبت میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ جب محبوں کو اپنے انوار سے زندہ کرے گا۔ تو انہیں وہ روئت نصیب ہو گی جو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوئی۔ چونکہ حق تعالیٰ بے زبان و بے جان و بے مکان و بے جہت ہے۔ اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق تعالیٰ کے اوصاف سے متصف ہوئے۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے دن امنا و صدقنا عاشقوں کو صادق محب بنا دے گا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان عاشقوں میں سے کوئی عاشق محبت کا دعویٰ تو کرے لیکن صادق ثابت نہ ہو تو وہ شرمندہ ہو گا اور اپنا منہ محبوں میں نہیں دکھا سکے گا۔ پھر آواز آئے گی کہ یہ عاشق صادق نہ تھا اسے عاشقوں سے

نکال دو۔

یاد رکھو کہ اہل محبت وہ لوگ ہیں جو صرف دوست کی بات سنتے ہیں۔ الحدیث عن قلبی ربّی یعنی عاشقوں کا دل صرف حق تعالیٰ کی بات سنتا ہے۔ اور جب صاحب محبت مرجاتا ہے تو اسے جلدی بخش دیا جاتا ہے۔ ایک درویش کو جنگل میں دیکھا کہ مرگیا ہے اور ہنس رہا ہے کہا تو تو مرگیا ہے کیوں ہنستا ہے؟ کہا محبت خدا کی مرضی ہی ایسی تھی۔

پھر فرمایا۔ دل وہ ہے جو اپنے حال سے فانی ہو اور مشاہدہ دوست میں باقی ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال پر غالب ہو اور اس کا اپنے آپ پر کچھ اعتبار نہ ہو اور عرش تک اسے قرار نہ ہو۔

ایک روز مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی ملازمت کرنا کیسا ہے؟ فرمایا' جو شخص اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی ملازمت کرتا ہے وہ ضرور واصل بن جاتا ہے۔

ایک روز حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے سوال کیا گیا کہ سب سے اعلیٰ عمل کون سا ہے؟ فرمایا' اپنے اوقات کو یاد الٰہی میں بسر کرنا۔ جو شخص بزرگی کا دعویٰ کرے اور اس میں مراد پائی جائے تو سمجھو کہ وہ جھوٹا ہے۔ دعویٰ محبت میں مرد وہ شخص ہے جو اپنی مراد سے درگزر کرے اور مراد حق اختیار کرے۔ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کا دوست کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ اگر اس وقت اللہ تعالیٰ سے دوست کہے تو بندگی کا جواب کہے۔ اس واسطے کہ اہل محبت کا نہ نام ہوتا ہے' نہ جواب' نہ رسم۔

میں نے شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی سنا کہ اہل عشق دوست کے سوا غیر کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے۔ اس واسطے کہ جو

بغیر دوست کے خوش ہوتا ہے تو اسے ہر قسم کا اندوہ لاحق ہوتا ہے۔ دوست کی خدمت سے انس نہیں۔ اسے سب سے وحشت آتی ہے۔ جو دوست دل نہیں لگاتا وہ ہیچ در ہیچ ہے۔ بیشک عارف وہ شخص ہوتا ہے جو صبح اٹھے تو رات کی بابت اسے کچھ نہ یاد ہو۔

اور پھر خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا۔ اے غافل اس سفر کے لئے توشہ تیار کر جو تجھے درپیش ہے۔ یعنی موت۔ بعدازاں فرمایا کہ اہل محبت کا وہ گروہ ہے کہ ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ اور محبت میں عارف وہ شخص ہے جسے کوئی شے عجیب معلوم نہ ہو۔ کیونکہ تسلیم دعویٰ صرف ایک چیز میں نہیں ہوتا جب کہ ہاتھ سے دیا جا چکے۔

صاحبو! سب سے عمدہ وقت وہ ہے جب کہ دل میں کوئی وسوسہ اور خیال نہ ہو اور لوگوں سے رہائی حاصل ہو۔ یاد رکھو جسے محبت دی گئی ہے اسے فقر و وحشت دی گئی ہے تاکہ دنیا پر فریفتہ نہ ہو جائے۔ عارف کہتے ہیں کہ یقین بمنزلہ نور ہے جس سے انسان منور ہو جاتا ہے۔ پھر وہ محبوں اور متقیوں کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ آدمی کی اصل پانی اور خاک سے ہے۔ جس پر پانی غالب ہے اگر وہ لطیف و ریاضت سے جمال دیکھنے میں خود پسندی سے کام لے تو وہ مقصود حاصل نہیں کر سکتا اور جس پر خاک غالب ہو تو سختی کے وقت وہ نیک پایا جاتا ہے تاکہ کسی کام کے لائق ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بادل پیدا کرنا چاہا کہ ہر قسم کا رنگ ہو اور ہر قسم کا مزا اور رنگوں کو ملایا تو اس سے پانی کا رنگ بنا۔ اور جب سب مزوں کو ملایا تو پانی کا سا ذائقہ ہو گیا۔ اس کے پینے سے زندگی تو پاتے ہیں لیکن اس کی لذت کی خبر نہیں۔ ہر ایک چیز پانی کے سبب زندہ ہے۔

بعدازاں ایک درویش نے جو حاضر خدمت تھا پوچھا کہ مجنوں کون

تھا؟ فرمایا وہ جو آغاز عشق میں ناچیز ہو جائے اور دوسرے اور تیسرے درجہ میں گم ہو جائے۔ پوچھا فنا و بقا کیا ہے؟ فرمایا بقا بقائے حق ہے اور فنا فنائے نفس۔ پوچھا تجرید کیا ہے؟ فرمایا' صفات محبوب کا ذہن نشین کرنا۔ جو مجھ سے محبت کرتا ہے میں اس کے لئے کان اور آنکھ بن جاتا ہوں۔

بعدازاں فرمایا کہ علم ایک ایسی چیز ہے جو محیط ہے۔ معرفت س کا ایک جز ہے۔ پس خدا کہاں ہے اور بندہ کہاں۔ علم خدا ہی کو ہے معرفت دونوں کی۔ اور جب تک عارف کے سر خالص نہیں ہوتے اس کا کوئی فعل صاف نہیں ہوتا۔

پھر فرمایا جس کو تو دوست رکھے گا۔ اس کے سر پر بلا برسائے گا۔

توبۃالنصوح کے بارے میں فرمایا کہ اس میں تین باتیں ہیں۔

اول : کم کھانا روزے کے لئے۔

دوم : کم سونا طاعت کے لئے۔

سوم : کم بولنا دعا کے لئے۔

پہلے سے خوف' دوسرے اور تیسرے سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ بس خوف کے ضمن میں گناہ کا ترک ہے تاکہ آگ سے نجات حاصل ہو اور رجاء کے ضمن میں طاعت کرتا ہے تاکہ بہشت میں مقام اور ابدی زندگی حاصل کر سکے۔ اور محبت کے ضمن میں فکروں کا اجتہاد کرنا ہے تاکہ رضائے حق حاصل ہو۔ اور محبت میں عارف وہ ہے جو ذکر کے سوا کسی کو دوست نہ رکھے۔

جب خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ یہ بیان کر چکے تو آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ اب میں وہاں کا سفر کرتا ہوں جہاں میرا مدفن ہوگا۔ یعنی اجمیر جاتا ہوں۔

بغداد میں یہ آخری مجلس تھی جس میں حضرت خواجہ معین الدین

حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے علم و عرفان کی دولت سے حاضرین کو مالامال فرمایا اور پھر اجمیر جانے کی تیاری شروع کر دی تاکہ رسول عربی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمان عالیہ کے مطابق تن من سے مصروف ہو جائیں اور کفرستان ہند میں شمع اسلام کو روشن کریں اور لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف سفر کرنے میں رہنمائی فرمائیں۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے تو بہرحال مرشد کی ہمرکابی سے مشرف ہونا تھا لیکن دوسرے کئی مریدین نے بھی ہمراہی کے لئے اذن طلب کیا یہاں تک کہ ان کی تعداد چالیس کے قریب ہو گئی۔ جن میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

☆ حضرت شیخ مجد الدین سنجری رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت مولانا احمد خادم رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت خواجہ علی سنجری رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت علیم الدین عالم نواز رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت شرف ابدال رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت شاہ علاء الدین رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت برہان الدین رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت میراں ناطع شاہ رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت شیخ محمد ترک نارنولوی رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت خواجہ فخرالدین گردیزی رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت حاجی رومی رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت معین الدین رحمتہ اللہ علیہ
☆ حضرت شیخ صفی الدین ابراہیم رازی رحمتہ اللہ علیہ

☆ حضرت مولانا علی کرمانی رحمتہ اللہ علیہ

☆ حضرت سید نور الدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ

☆ حضرت شیخ برہان الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ

☆ حضرت شیخ واحد برہان غزنوی رحمتہ اللہ علیہ

☆ حضرت شیخ محمد صفاہانی رحمتہ اللہ علیہ

☆ حضرت شیخ کمال احمد بغدادی رحمتہ اللہ علیہ

روانگی سے ایک دن قبل حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔ وہ بڑی محبت و گرمجوشی سے ملے۔ جب انہیں آپ کے سفر اجمیر کا علم ہوا تو بے حد مسرور ہوئے۔ بہت سی دعائیں دیں اور پند و نصائح فرمائے۔ یہ محفل کافی دیر تک برقرار رہی۔

جب یہ چھوٹا سا کارواں چلنے لگا تو حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے عطا کردہ تبرکات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کے سر مبارک پر تھے۔ قرآن پاک کو میر کارواں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھے اور دیگر ضروری سامان بقیہ حضرات نے اٹھا رکھا تھا۔ اسی اثنا میں حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ تشریف لے آئے۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا تو چہرہ مثل گلاب کھل اٹھا۔ ہاتھوں کو بوسہ دیا اور ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

"ہم تمہیں الوداع کہنے کے لئے آئے ہیں۔ شاید پھر کبھی ملاقات نہ ہو۔"

یہ سنا تو حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ آبدیدہ ہو گئے۔ باقی افراد بھی دم سادھے کھڑے تھے۔ پھر کارواں چل پڑا۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ

اللہ علیہ بھی ساتھ چلنے لگے۔ کچھ دور تک وہ ساتھ چلتے رہے۔ جب اس راستے پر پہنچے جو سبزوار کی طرف جاتا تھا تو رک گئے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہما کو گلے سے لگایا۔ سب کے لئے بارگاہ رب العزت میں دعا فرمائی اور واپس لوٹ گئے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اپنے مرشد کو دور تک جاتے دیکھتے رہے اور پھر بطرف سبزوار چل پڑے۔ لیکن آپ کو ہر لمحہ یہ احساس رہتا تھا کہ مرشدنا حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ روحانی طور پر پیشوائی فرما رہے ہیں۔

باب ۸

رشد و ہدایت کے خنداں گلاب

قافلہ منزلوں پہ منزلیں طے کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ بے سروسانی میں بھی شاہانہ کروفر اور شان و شوکت جلوہ گر تھی۔ ماضی کی طرح حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ ویرانوں' کھنڈروں' بے آب و گیاہ صحراؤں' غاروں' چٹانوں اور قبرستانوں میں قیام کے برعکس بستیوں' قصبوں' دیہاتوں' باغوں اور شہروں میں ڈیرہ ڈالتے تھے تاکہ مخلوق اللہ میں باطنی انعامات تقسیم کریں اور سیدھی راہ کی نشاندہی کریں۔ لوگوں کو گمراہی کی دلدلوں سے نکالیں۔ رشد و ہدایت سے ان کے دلوں کی بنجر کھیتیوں کو سرسبز و شاداب کریں اور ان میں علم و حکمت کے موتی بانٹیں۔

جب لوگ ان اللہ والوں کو دیکھتے جو گھربار اور عزیز و اقربا کو چھوڑ کر دیار کفر و شرک ہندوستان میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بلند کرنے کے لئے جارہے تھے تو ان کے گرد لوگوں کا جمگھٹا لگ جاتا تھا۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ انہیں نصیحتیں فرماتے۔ جو دنیا لینے آتے انہیں دنیا کے ساتھ دین بھی عطا کرتے تھے۔ اس طرح یہ قافلہ سبززار کی ولایت میں وارد ہوا۔

شہر سے باہر ہی ایک نہایت خوبصورت باغ تھا جس میں طرح طرح

کے گلہائے رنگیں کھلے ہوئے تھے۔ نہایت دلکش کیاریاں جگہ بہ جگہ بنی ہوئی تھیں۔ باغ بڑے وسیع رقبے میں پھیلا ہوا تھا۔ اس میں ایک طرف شاہی عمارت تھی اور درمیان میں حوض تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس میں فروکش ہوئے۔

اس باغ کا مالک حاکم شہر محمد یادگار تھا جو بڑا فاسق و فاجر' درشت مزاج' کثیف طبیعت' امامیہ شیعہ' رفض میں مشہور اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو گالیاں دیتا تھا۔ جس کا نام ابوبکر' عمر یا عثمان ہوتا اسے سخت تکلیف پہنچاتا تھا اور اس کی بربادی کے درپے ہوتا تھا۔ اور جو شخص اپنے بیٹے کا نام ابوبکر یا عمر یا عثمان رکھتا اسے قتل کرا دیتا تھا۔ جب وہ باغ کی سیر کو آتا تو شاہی عمارت میں فسق و فجور میں مشغول رہتا اور حوض کے کنارے بیٹھ کر شغل مے نوشی کرتا تھا۔ باغ کی رکھوالی پر متعین افراد کو حکم تھا کہ اس کی آمد سے قبل باغ میں کوئی متنفس نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے حوض کے پانی سے غسل فرمایا۔ دوگانہ نفل ادا کیا اور تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہو گئے۔ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوتی تھی کہ فراش آ گئے اور لب حوض حاکم سبزوار کا خاص قالین بچھا دیا اور پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے۔

"یا شیخ! حاکم شہر محمد یادگار سیر کے لئے آنے والا ہے۔ بہت بدتمیز شخص ہے۔ مصلحت اسی میں ہے کہ آپ باغ سے باہر تشریف لے جائیں۔

"تم فکر نہ کرو۔"

آپ نے ارشاد فرمایا تو انہوں نے پھر عرض کیا۔

"یا حضرت! اگر اس نے آپ کو یہاں دیکھ لیا تو وہ نہ صرف آپ پر خفا ہو گا بلکہ ہمیں ملازمت سے برطرف کر دے گا اور سزا بھی دے گا۔"

"تم لوگ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔"
آپ نے فرمایا تو خدام و فراش خاموش ہو گئے۔ آپ کے جلال نے انہیں مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ نگران کے چہروں سے خوف کے آثار نمایاں تھے اور دل میں سوچ رہے تھے۔
"ایسا نہ ہو کہ کہیں باباجی مروادیں۔"
ان کے دل میں گزرنے والا واہمہ آپ پر منکشف ہوا تو آپ زیر لب مسکرا دیئے۔

اسی دوران میں غوغا بلند ہوا کہ حاکم سبزوار تشریف لے آئے ہیں۔
وہ بڑا فرحاں و شاداں باغ کے اندر داخل ہوا لیکن جب اس نے حوض کے کنارے مصلیٰ پر ایک درویش جس کے چہرے بشرے سے بزرگی کی عظمت ٹپک رہی تھی سر جھکائے یاد اللہ میں مشغول دیکھا تو اس کا پارہ چڑھ گیا۔ چہرے پر کرختگی اور غم و غصہ نے قبضہ جمالیا۔ خشمگیں انداز میں اپنے خدام سے کہا۔
"اس فقیر کو باغ سے کیوں نہیں نکالا۔ کیا میرا حکم یاد نہیں۔"
ملازموں اور خادموں کے منہ سے لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ جسم پر کپکپی طاری تھی۔
"بولتے کیوں نہیں ہو۔"
اس کی گرجدار غصیلی آواز نے باغ کی پر کیف فضا کو کثیف بنا دیا۔ خدام پھر چپ رہے۔ انہوں نے بادشاہ کی حکم عدولی کی تھی۔ ان کی زبانیں گنگ ہو گئی تھیں۔ جب دیکھا کہ وہ کوئی جواب نہیں دیتے تو وہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس وقت وہ غصے کی آگ میں جل رہا تھا اور آپ بے نیاز و پرسکون بیٹھے تھے۔ اس سے قبل کہ وہ کوئی لفظ منہ سے نکالتا آپ نے اپنا سر اقدس مراقبہ سے اٹھایا اور محمد یادگار کی طرف

دیکھا۔ وہ آپ کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکا۔ جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن قوت گویائی جواب دے گئی تھی۔ اس نے جلال و جمال کا ٹکڑاؤ زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ لہٰذا اس صورت حال کی تاب نہ لا سکا۔ چہرے کا رنگ متغیر و دہشت زدہ ہو گیا۔ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے مصاحبوں اور ہم نشینوں کی بھی یہی حالت تھی۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھا۔ اب تاب برداشت کہاں تھی۔ غش کھا کر گر پڑا۔

"حوض سے تھوڑا سا پانی لے کر اس کے چہرے پر چھڑک دو۔"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا۔ انہوں نے جب حسب الارشاد کیا تو محمد یادگار کو ہوش آگیا۔ اس نے اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ آپ نے باواز بلند ارشا فرمایا۔

"کیا تم نے توبہ کی"

محمد یادگار نے بصد عجز و انکسار عرض کیا۔

"یا حضرت! میں نے توبہ کی۔"

"آپ نے پھر کہا۔"

"رفض و شیعت کا جو برا عقیدہ رکھتا تھا اس کو بھی چھوڑ دیا۔"

"بولا۔"

"اللہ کی قسم چھوڑ دیا۔"

اس دوران میں معلوم نہیں اسے کیا دکھائی دیا کہ یکبارگی ڈر گیا۔ کانپا اور بے ہوش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اسے ہوش آیا تو آپ نے فرمایا۔

"اٹھو۔ وضو کرو اور توبہ کے شکرانے کی دو رکعت نماز پڑھو۔"

اس نے ایسا کیا اور پھر شیخ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور تائب ہو کر آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو گیا۔ اس کے ساتھی بھی تائب ہو کر حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کے مریدین میں شامل ہو گئے۔ بیعت ہونے کے بعد محمد یادگار نے تمام سامان اور نقدی لا کر حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں میں ڈھیر کر دی' آپ نے فرمایا۔

"جن لوگوں سے تم نے ظلم و ستم کر کے مال چھینا تھا ان کو واپس کر دو تاکہ حق سبحانہ تعالیٰ تیری توبہ کو استقلال و دوام عطا فرمائے۔"

محمد یادگار نے مال ان کے مالکوں کو واپس کر دیا۔ کنیزوں اور غلاموں کو آزاد کر دیا۔ کچھ دن وہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے زیر تربیت رہا۔ باطنی انعام و اکرام سے سرفراز ہوا۔ چشم زدن میں اسے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے سلوک و معرفت کی کئی منزلیں طے کرا دیں۔ خرقہ خلافت عطا فرمایا اور ہرات کی ظاہری و باطنی خلافت پر مامور فرمایا۔

جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے ہرات سے کوچ کا ارادہ فرمایا تو حضرت محمد یادگار رحمتہ اللہ علیہ نے درخواست کی۔

"مرشدنا! اجازت ہو تو میں بھی ساتھ چلوں"

آپ نے قدرے توقف فرمایا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

اب آپ کا قافلہ بجانب ہرات رواں ہوا۔ راستے میں جب حصار شادمان کے مقام پر آیا تو حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے محمد یادگار سے فرمایا۔

"یہ بھی تمہاری ولایت کا حصہ ہے اور تمہارا مزار بھی یہیں بنے گا۔"

اس نے ادب سے سر جھکا دیا۔ آپ نے پھر فرمایا۔

"محمد یادگار! اپنی حکومت میں مجبوروں اور مظلوموں کی خدمت کر کے تلافی مافات کرنا۔"

"آپ کی دعا برکت سے انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔"

اس نے عرض کیا اور پھر حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے اسے رخصت فرمایا اور خود ہرات کی سمت قدم بڑھانے لگے۔

ہرات سے ابھی آپ کئی دنوں کی مسافت پر تھے کہ ذہنی طور پر وہاں پہنچ گئے جہاں حضرت شیخ عبداللہ انصاری ملقب بہ پیر ہری یا ہرات کا مزار اقدس مرجع خلائق تھا۔ پیر ہرات حضرت ابی منصور مت الانصاری رحمتہ اللہ علیہ کے فرزندوں میں سے تھے اور مت الانصاری رحمتہ اللہ علیہ حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد تھے۔ حضرت مت الانصاری رحمتہ اللہ علیہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت احنف بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ خراسان تشریف لائے تھے اور ہرات مین قیام فرمایا تھا۔ حضرت شیخ عبداللہ انصاری رحمتہ اللہ علیہ کے والد حضرت ابو منصور محمد بن علی الانصاری رحمتہ اللہ علیہ حضرت خواجہ شریف ہمزہ عقیلی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے جن کا مزار بلخ میں ہے۔

حضرت شیخ عبداللہ انصاری رحمتہ اللہ علیہ پوشنگ میں متولد ہوئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے شان و شوکت والی خاتون بانوی عالیہ سے فرمایا۔

"تم نے ہرات میں اس لڑکے کو دیکھا ہے کہ اس کے نور سے مشرق سے مغرب تک جہان منور ہو جائے گا۔"

اور جب حضرت خواجہ شریف ہمزہ عقیلی رحمتہ اللہ علیہ نے سنا تو ارشاد فرمایا۔

"میرے ابو منصور کے ہاں ایک باکمال لڑکا پیدا ہوا ہے۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو ایسا حافظ عطا فرمایا تھا کہ جو کچھ ایک بار ان کے قلم سے گزر جاتا یاد ہو جاتا تھا۔ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تین ہزار احادیث مبارکہ ہزار ہزار اسناد کے ساتھ یاد تھیں۔ انہوں نے تین ہزار افراد سے احادیث لکھی تھیں جو سب اہلسنت و جماعت اور صاحب حدیث تھے۔ جب انہوں نے راہ سلوک پر قدم بڑھایا تو مقام فنا کی غایت کو پہنچے۔ حتیٰ کہ تمام مشائخ وقت نے ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ انہوں نے بہتر سال ہر قسم کے علوم سیکھے' لکھے اور تکالیف برداشت کی تھیں اکثر فرمایا کرتے تھے۔

"مشائخ کی زیارت بڑی چیز ہے۔ اس کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اگر ایک دفعہ زیارت کا موقعہ ہاتھ سے نکل جائے تو دوبارا حاصل ہونا مشکل ہے۔ مشائخ کی زیارت ہمیشہ نہیں ہو سکتی۔ لیکن عرفات ہر وقت موجود ہے۔"

جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ ہرات پہنچے تو سیدھے حضرت شیخ عبداللہ انصاری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پاک پر تشریف لے گئے اور وہیں فروکش ہوئے۔ آپ کے ساتھی بھی مرشد کے ساتھ ہی حضرت پیر ہرات رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ٹھہرے اور بہت فیض حاصل کیا۔

آپ بسااوقات دوسرے مشائخ کی زیارت کے لئے حضرت پیر ہرات کے مزار سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ وگرنہ زیادہ تر وقت مزار پر ہی گزرتا تھا۔ جہاں عبادت و ریاضت و ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ ساری رات مزار کے قبہ میں جاگ کر گزارتے اور عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا فرماتے تھے۔ رفتہ رفتہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی بزرگی و

عظمت کا شہرہ ہونے لگا۔ دور و نزدیک سے لوگ حاضر خدمت ہوتے اور اپنے دکھوں کا مداوا چاہتے تھے۔ مصائب سے گلوخلاصی کی تمنا کرتے تھے' تلاش حق کے لئے رہنمائی طلب کرتے تھے اور حلقہ ارادت میں شمولیت کے لئے اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیتے تھے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کو شہرت و نام و نمود اور عوام کا ہجوم مرغوب خاطر نہ تھا۔ لہٰذا آپ نے ساتھیوں کو رخت سفر باندھنے کو فرمایا اور پھر ہرات کو خیرباد کہہ کر چل پڑے۔

ہرات سے سیدھا راستہ غزنیں کی طرف جاتا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ اب آپ غزنیں تشریف لے جائیں گے لیکن نہ جانے اس میں کیا حکمت تھی کہ آپ نے اپنا رخ بلخ کی طرف کر لیا۔ یا شاید بلخ میں کوئی ایسی کشش تھی جس نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ بہرکیف اب اس قافلے کی پیش قدمی بلخ کی جانب تھی۔

بلخ کا قدیم نام باختر تھا۔ اس کی شہرت کی وجہ آتش کدہ بہار تھا جو تمام آتش کدوں کا قبلہ گاہ تھا۔ قتیبہ بن مسلم نے اس آتش کدے کی آگ کو بجھا کر اس شہر پر قبضہ کیا تھا۔ علاوہ ازیں یہ سرزمین ایک عظیم روحانی پیشوا کی مولد و مسکن تھی جس نے سلطانی کو ٹھکرا کر فقیری اختیار کی تھی اور وہ ہستی حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ کی تھی۔

اس شہر میں کئی اولیاء اللہ کے مزارات بھی تھے لیکن سب سے زیادہ مشہور و معروف مقبرہ حضرت شیخ احمد خضرویہ بلخی رحمتہ اللہ علیہ کا تھا۔ ان کی کنیت ابو حامد تھی۔ خراسان کے مشائخ کبار میں شمار ہوتا تھا۔ انہوں نے حضرت ابو حفص اور حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہما سے ملاقات کی اور بعض امور پر گفتگو کی تھی۔ حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ کی

بھی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت خواجہ ابوتراب نخشبی اور حضرت حاتم بن عنوان بن اصم رحمتہ اللہ علیہم کی صحبت پائی تھی۔ موخرالذکر حضرت شیخ احمد خضرویہ رحمتہ اللہ علیہ کے استاد تھے جن کا مزار داشجرو میں تھا' جو مضافات بلخ میں تھا۔ حضرت شیخ ابو حفص رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا۔

"گروہ صوفیہ میں کون زیادہ بزرگ ہے؟"

انہوں نے جواب دیا۔

"شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ بزرگ میں نے کسی اور کو نہیں پایا۔"

ایک دن وہ تشریف فرما تھے کہ کسی شخص نے عرض کی۔

"یا شیخ احمد! مجھے نصیحت فرمایئے۔"

انہوں نے فرمایا۔

"نفس کو اتنا مارو کہ وہ زندہ ہو جائے"

یہ بات نصیحت پوچھنے والے کے سر پر سے گزر گئی' عرض کیا۔

"حضور! اس کی وضاحت فرما دیں۔"

انہوں نے کہا۔

"نفس کو ترک شہوات سے مار ڈالو تاکہ وہ حیات جاودانی سے زندہ ہو جائے۔"

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے ہمراہیوں نے چند روز حضرت شیخ احمد خضرویہ رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں قیام فرمایا اور حسب معمول عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔

چند ہی دنوں میں علاقے میں شہرہ ہو گیا کہ ایک اللہ کا ولی حضرت شیخ احمد خضرویہ رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں مقیم ہے۔ یہ خبر بلخ کے عالم و حکیم و

فلسفی ضیاء الدین حامد تک بھی پہنچی۔ اس کی علمیت و قابلیت و دانائی کے دور دور چرچے تھے۔ وہ ایک مدرسے کا بانی بھی تھا۔ بذات خود فلسفہ و منطق میں بڑا ماہر تھا۔ اسے یہ کمال حاصل تھا کہ اگر وہ دو اور دو کو پانچ ثابت کرنا چاہے تو باسانی کر سکتا تھا۔ وہ اس زعم میں مبتلا تھا کہ کوئی اس کی دلیل کو رد نہیں کر سکتا۔ جس نے اسے مغرور و متکبر بنا دیا تھا۔ تصوف سے اسے ازلی عناد تھا۔ اولیا اللہ و بزرگان دین کا منکر تھا اور اہل تصوف کے ساتھ شدت کے ساتھ پیش آتا تھا۔ اس کے لئے یہ ناقابل برداشت تھا کہ کوئی کسی ولی اللہ کے گن گائے۔ اسے جو بھی ملتا اور اس سے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی بزرگی و عظمت کا ذکر کرتا تو اس کا خون کھولنے لگتا تھا۔

"مجھے اس شخص سے علمی دو دو ہاتھ کرنے چاہئیں جس نے چند ہی دنوں میں لوگوں کے دل و دماغ پر قبضہ جما لیا ہے اور سب اس کی بزرگی کے معترف ہو گئے ہیں۔"

وہ سوچنے لگا۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی موجودگی میں اسے اپنی شہرت و ناموری کا چراغ بجھتا ہوا محسوس ہوتا تھا اور یہ اسے کسی نوع قبول نہیں تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ بمع ساتھیوں کے دامن کوہ کی ایک وادی میں درخت کے نیچے نماز پڑھ رہے تھے اور خادم جنہوں نے ایک کلنگ کو شکار کیا تھا اس کے کباب بنا رہے تھے۔ اسی اثنا میں ضیاء الدین حامد وہاں آگیا اور ایک طرف بیٹھ کر انتظار کرنے لگا کہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کب نماز سے فارغ ہوتے ہیں۔

جب اس نے دیکھا کہ آپ فارغ ہو گئے ہیں تو اٹھ کر قریب آیا۔ سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے مریدین بھی

حالہ کر کے ادب سے بیٹھ گئے۔ سب خاموش تھے' ضیاء الدین حامد نے سکوت توڑا' بولا۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

بغداد شریف سے۔

آپ نے جواب دیا۔

"کہاں جانا ہے؟"

اس نے پوچھا۔

"اجمیر شریف۔

آپ نے بتایا تو وہ زیرلب مسکرایا اور بولا۔

"بہت خوب' بغداد بھی شریف اور کفرستان اجمیر بھی شریف"

"تم ظن گمان کے پنجرے میں بند ہو۔ ماورائے عقل باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتیں۔

آپ نے فرمایا۔

یہ سن کر وہ بوکھلا اٹھا اور پھر اس نے منطقیانہ و فلسفیانہ انداز میں گفتگو کا آغاز کر دیا اور یہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ تصوف کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس کی فصاحت و بلاغت اور براہین و دلائل سن کر حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھی اس کا منہ دیکھنے لگے۔ وہ بڑے جوش و جذبے سے اپنی رائے کو منوانا چاہتا تھا۔ لیکن حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ سرتاپا تصویر انکسار و عجز بنے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ جہاں مناسب فرماتے بڑی تمکین کے ساتھ کسی نکتہ پر استفسار فرماتے تو وہ بھونچکاں رہ جاتا تھا۔ اس کا علم خجل و شرمندہ نظر آنے لگتا اور سوال کا مناسب جواب نہ دینے پر اس کا زور بیان زیر و زبر ہو جاتا تھا۔ بعض اوقات اسے احساس ہونے لگتا کہ

اس کی باتیں۔ منطق اور فلسفہ بڑا سطحی سا ہے اور جو سوال اس پر ہوا ہے۔ بڑا گہرا اور ٹھوس ہے اور جب بھی اسے کسی سوال کا مدلل جواب نہ سوجھتا تو اسے اپنے علم و کلام پر شک ہونے لگتا تھا' کئی بار اس کے ذہن میں یہ خیال بھی گزرا۔

"ضیاء الدین تم ان حضرت کے سامنے طفل مکتب ہو۔"

الغرض یہ سلسلہ گفتگو کھانے کے وقت تک جاری رہا اسی اثنا میں خادم نے کباب لا کر سامنے رکھ دیئے۔

"بسم اللہ کریں۔"

آپ نے فرمایا۔ سب نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ ماحول پر خاموشی محیط تھی۔ ضیاء الدین حامد کھانے کے دوران میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے سوالات پر غور کرنے لگا جن کا اس کے پاس کوئی توڑ اور ٹھوس جواب نہ تھا۔ آپ نے اس کے قلب پر نگاہ ڈالی تو اس کے ذہن سے ظن گمان کی گرہیں کھلنے لگیں۔ کبر و نخوت کا بت پاش پاش ہو گیا۔ جھوٹی علمیت کی قلعی کھل گئی۔ ماورائے عقل نکات واضح ہونے لگے اور جب کھانا ختم ہوا تو اس نے اپنا سر خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں پر رکھ دیا۔

"یا حضرت! میں آج تک بھولا رہا ہوں۔"

اس کے انداز میں درد تھا۔ توبہ کی جھلک تھی۔

"بھول کا ہی پھول بنتا ہے۔"

آپ نے فرمایا اور اسے اپنے دامن سے وابستہ کر لیا۔ اس کے شاگرد بھی تائب ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ بھول پھول بن چکا تھا۔ اس کے اندر بے مقصد علم کی گمراہیوں کی جگہ نور معرفت جلوہ گری کرنے لگا تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے ضیاء

الدین حامد کو آن واحد میں فرش سے عرش پر پہنچا دیا تھا۔ معرفت الٰہیہ سے سینہ بھر دیا تھا۔ حجابات دور ہو گئے تھے۔ انہوں نے لایعنی اور گمراہ کن علم سے بھرپور کتب کو دریا برد کر دیا۔ اسباب دنیا سے لاتعلق ہو گئے۔ مجاہدہ و ریاضت و عبادت میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے اسے خرقہ خلافت عطا فرمایا اور وہ علاقہ ان کے سپرد کر دیا۔

حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھیوں پر اب یہ حکمت روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی تھی کہ ہرات سے غزنیں جانے کی بجائے بلخ کا رخ کیوں کیا تھا اور جب آپ کا قافلہ غزنیں کی جانب روانہ ہوا تو حضرت ضیاء الدین حامد رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر مریدین آپ کو دور تک چھوڑنے کے لئے آئے اور پھر حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی دعاؤں کے سائے میں واپس بلخ لوٹ گئے۔

غزنیں میں پہنچ کر قافلہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ رکا۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے مریدین اکثر و بیشتر عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ حال پر موجود اولیاء اللہ اور مشائخ عظام سے نشست و برخاست رہتی تھی۔ جس سے عجیب و غریب اسرار و رموز منکشف ہوتے تھے۔

اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو تمام سلاسل کے وابستگان ایک ہی شجر معرفت الٰہیہ کی ٹہنیاں ہیں۔ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ سب بادۂ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مستانے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں اور وہ ایک دوسرے سے فیضیاب و مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

یہاں قیام کے دوران میں حضرت ضیاء الدین حامد رحمتہ اللہ علیہ دو

اس کی باتیں۔ منطق اور فلسفہ بڑا سطحی سا ہے اور جو سوال اس پر ہوا ہے۔ بڑا گہرا اور ٹھوس ہے اور جب بھی اسے کسی سوال کا مدلل جواب نہ سوجھتا تو اسے اپنے علم و کلام پر شک ہونے لگتا تھا' کئی بار اس کے ذہن میں یہ خیال بھی گزرا۔

" ضیاء الدین تم ان حضرت کے سامنے طفل مکتب ہو۔"

الغرض یہ سلسلہ گفتگو کھانے کے وقت تک جاری رہا اسی اثنا میں خادم نے کباب لا کر سامنے رکھ دیئے۔

" بسم اللہ کریں۔"

آپ نے فرمایا۔ سب نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ ماحول پر خاموشی محیط تھی۔ ضیاء الدین حامد کھانے کے دوران میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے سوالات پر غور کرنے لگا جن کا اس کے پاس کوئی توڑ اور ٹھوس جواب نہ تھا۔ آپ نے اس کے قلب پر نگاہ ڈالی تو اس کے ذہن سے ظن گمان کی گرہیں کھلنے لگیں۔ کبر و نخوت کا بت پاش پاش ہو گیا۔ جھوٹی علیت کی قلعی کھل گئی۔ ماورائے عقل نکات واضح ہونے لگے اور جب کھانا ختم ہوا تو اس نے اپنا سر خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں پر رکھ دیا۔

" یا حضرت! میں آج تک بھولا رہا ہوں۔"

اس کے انداز میں درد تھا۔ توبہ کی جھلک تھی۔

" بھول کا ہی پھول بنتا ہے۔"

آپ نے فرمایا اور اسے اپنے دامن سے وابستہ کر لیا۔ اس کے شاگرد بھی تائب ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ بھول پھول بن چکا تھا۔ اس کے اندر بے مقصد علم کی گمراہیوں کی جگہ نور معرفت جلوہ گری کرنے لگا تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے ضیاء

الدین حامد کو آن واحد میں فرش سے عرش پر پہنچا دیا تھا۔ معرفت الٰہیہ سے سینہ بھر دیا تھا۔ حجابات دور ہو گئے تھے۔ انہوں نے لایعنی اور گمراہ کن علم سے بھرپور کتب کو دریا برد کر دیا۔ اسباب دنیا سے لاتعلق ہو گئے۔ مجاہدہ و ریاضت و عبادت میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے اسے خرقہ خلافت عطا فرمایا اور وہ علاقہ ان کے سپر کر دیا۔

حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھیوں پر اب یہ حکمت روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی تھی کہ ہرات سے غزنیں جانے کی بجائے بلخ کا رخ کیوں کیا تھا اور جب آپ کا قافلہ غزنیں کی جانب روانہ ہوا تو حضرت ضیاء الدین حامد رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر مریدین آپ کو دور تک چھوڑنے کے لئے آئے اور پھر حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی دعاؤں کے سائے میں واپس بلخ لوٹ گئے۔

غزنیں میں پہنچ کر قافلہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ رکا۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے مریدین اکثر و بیشتر عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ حال پر موجود اولیاء اللہ اور مشائخ عظام سے نشست و برخاست رہتی تھی۔ جس سے عجیب و غریب اسرار و رموز منکشف ہوتے تھے۔

اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو تمام سلاسل کے وابستگان ایک ہی شجر معرفت الٰہیہ کی ٹہنیاں ہیں۔ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ سب بادۂ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مستانے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں اور وہ ایک دوسرے سے فیضیاب و مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

یہاں قیام کے دوران میں حضرت ضیاء الدین حامد رحمتہ اللہ علیہ دو

مرتبہ اپنے مرشد و ہادی کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور کئی کئی دن خدمت میں حاضر رہے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی رہنمائی و عطا میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ہمرکاب مریدین بھی فیوض و برکات سے جھولیاں بھرتے رہے۔ جب آپ نے دیکھا کہ غزنیں میں قیام کا مدعا پورا ہو گیا ہے تو قافلے کو روانگی کا حکم دیا۔

ہندوستان میں اولیاء اللہ کی آمد سے بہت قبل مسلمان مجاہدین نے اس سرزمین کو اپنے گھوڑوں کے سموں سے روندا تھا۔ یہ سلسلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور مسعود سے شروع ہوا تھا۔ محمد بن قاسم جب حملہ آور ہوا تو اس نے مکارم اخلاق' انصاف' ہمدردی' رواداری' حسن سلوک' خدا خوفی' احترام انسانیت' معاملہ فہمی' اسلامی تہذیب و تمدن اور جرات و بہادری کے ایسے انمٹ نقوش ثبت کیے تھے جن کے مقابل ہنود کے کافرانہ و مشرکانہ عقائد' منافقانہ انداز' بزدلانہ کروفر' انسانیت و حیا سوز رسم و رواج اپنا منحوس چہرہ چھپاتے پھرتے تھے۔ طبقاتی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو نئی سوچیں ملی تھیں۔ جب مسلمانوں کی وسعت قلبی و بلند نگاہی اور ہندوؤں کی تنگ دلی و پست نظری میں فرق واضح ہوا۔ انسانی آزادی و غلامی کے مابین تفاوت اجاگر ہوا۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کی زندگی کے درمیان حدوں کی تصویر کشی ہوئی تو اہل ہندوستان کے لئے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ ان کے ذہنوں میں اسلام کی حقانیت روشن ہو جائے۔ جس نے اولیاء اللہ کی آمد پر بہت اہم کردار ادا کیا اور جب عظیم جرنیل محمد بن قاسم نے ملتان میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی تو دونوں طرزہائے حکومت میں بعد المشرقین تھا۔

وقت نشیب و فراز کا نام ہے۔ یہ ہمیشہ اپنی تہیں کھولتا رہتا ہے۔ جس سے انقلابات زمانہ رونما ہوتے رہتے ہیں۔ عربوں کی قائم کردہ حکومت کے

ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ کچھ مدت بعد قرامطی سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ تو معزالدین محمد سام غوری جس کا خطاب شہاب الدین تھا اور ان دنوں غزنین کا حاکم تھا نے ملتان پر یلغار کی اور اسے فتح کیا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے قافلے کے ہمراہ ہندوستان میں سب سے پہلے ملتان میں ہی قدم رنجہ فرمایا۔ بزرگان دین کے اٹھنے والے ہر قدم میں کوئی نہ کوئی حکمت پنہاں ہوتی ہے۔ آپ کے یہاں تشریف لانے کی اہم ترین وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ جن کو آپ نے دعوت حق دینا تھی ان کے بارے میں کلی معلومات حاصل کریں۔ علاوہ ازیں علاقائی زبان کا جاننا بھی از بس ضروری تھا وگرنہ ابلاغ ممکن نہ تھا۔ لہٰذا آپ ملتان میں اس وقت تک مقیم رہے جب تک آپ کو ہندوؤں کی زبان میں مہارت تامہ حاصل نہ ہو گئی اور یہ مہارت آپ کو چند ماہ میں ہو گئی۔ اس دوران میں آپ نے ملتان کے مزارات کی زیارت بھی کی اور مختلف اہل اللہ سے ملاقاتیں بھی کیں اور فیض بھی حاصل کیا۔ ایک دن بزرگوں کی محفل میں تشریف فرما تھے کہ توبہ کے بارے میں گفتگو چھڑ گئی۔ ایک بزرگ نے کہا۔

"اہل محبت کی توبہ تین قسم کی ہوتی ہے۔ اول ندامت' دوم گناہوں کو چھوڑ دینا اور سوم اپنے تئیں ظلم و جھگڑے سے پاک رکھنا۔"

ایک دن حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ مع مریدین تشریف فرما تھے۔ علم و حکمت کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ملتان سے روانگی کے لئے آپ نے اشارہ دے دیا تھا کہ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا وہ فقرہ یاد آگیا جو انہوں نے ایک دن فرمایا تھا۔

"اے معین الدین! ہند کی سرحد پر ایک شیر بیٹھا ہے اس سے ڈرنا۔ ان کا کنایہ حضرت علی بن عثمان داتا گنج بخش ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کی طرف تھا۔

"داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ"
آپ کے ذہن میں گونجنے لگا۔ اور پھر ان کی زندگی کے موٹے موٹے خد و خال آپ کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔

"غزنیں دو ایسی شخصیات کا مولد ہے جن کے اسمائے گرامی تا قیام قیامت زندہ و جاوید رہیں گے۔ ان میں ایک سلطان محمود غزنوی رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے حضرت علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ اول الذکر کفر کے ظاہر پر اور موخر الذکر کفر کے باطن پر حملہ آور ہوئے تھے۔ جس دور میں انہوں نے آنکھ کھولی تھی اس کے بارے میں خود فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے دور میں پیدا فرمایا ہے جس میں لوگوں نے ہوا و ہوس کا نام شریعت' طلب منصب و جاہ و تکبر کا نام عزت' علم اور خلق خدا سے ریا کاری کا نام خشیت الہٰی' کینہ پروری کا نام حلم و بردباری' فضول بحث و لڑائی کا نام مناظرہ' منافقت کا نام زہد' ہذیان طبع کا نام معرفت' دل کی دھڑکن کا نام محبت' الحاد کا نام فقر' انکار حق کا نام تزکیہ' بے دینی و زندقہ کا نام فنا' ترک شریعت کا نام طریقت' آفت پھیلانے کا نام معاملت' جنگ اور حماقت کا نام عظمت' نفس کی تاویلات کا نام محبت اور ہوس کو سلوک کا نام دے رکھا ہے۔"

علم کی تشنگی بجھانے کے لئے وہ دور دراز علاقوں میں تشریف لے گئے اور تین صد مشائخ و علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علم و حکمت کے موتیوں سے دامن بھرا۔ معرفت الٰہیہ کے حصول کے لئے حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی رحمتہ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اور وصال سے قبل حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کا چراغ روشن کر گئے۔

والدین کی تربیت' نامور اساتذہ و مشائخ کی تعلیمات اور مرشد کی

معیت و قربت و تربیت سے حاصل شدہ فیوض و انعامات کا تقاضا تھا کہ لوگوں کو واصل باللہ کریں اور کفرو الحاد و شرک کے اندھیروں میں گھرے ہوئے افراد کو روشنی میں لائیں۔ لہٰذا مرشد کے فرمان کے مطابق ہندوستان کا رخ کیا۔ بہ فضل ایزدی راستے کی مشکلات' نامساعد حالات' مخالفین کی ریشہ دوانیاں اور متشددانہ رویئے باعث رکاوٹ نہ بن سکے۔ دوران سفر جہاں قیام فرماتے تبلیغ حق کرتے۔ گمراہوں کو جادہ مستقیم دکھاتے۔ تاریک سینوں کے اندر نور ہدایت کی قندیلیں روشن کرتے ہوئے ۴۳۱ ہجری میں وارد لاہور ہوئے تھے۔

حضرت شیخ ہندی رحمتہ اللہ علیہ جن کا اصل نام رائے راجو تھا وہ پہلا چراغ تھا جو حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی آمد کے بعد کفرو شرک کی فضاؤں میں روشن کیا تھا اور پھر کئی چراغ روشن ہو گئے۔ روز افزوں لوگ ظلمت سے نور کی طرف سفر کر رہے تھے کہ ۴۶۵ ہجری کو اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے۔

ان کے وصال کو ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا تھا کہ ان کے آستانہ کی طرف ایک اور اللہ کا ولی حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ جس نے غزنین کی معطر فضاؤں میں کئی دن سانس لیا تھا۔ اللہ تعالٰی کے مقبولین کے مزارات اور کئی درویشوں کی صحبتوں سے اکتساب فیض کیا تھا۔ بمع اپنے مریدین کے رواں دواں تھا۔

"السلام علیکم!"

آپ نے مرقد داتا رحمۃ اللہ علیہ پر پہنچ کر کہا اور پھر فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کافی دیر تک دعا مانگتے رہے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ وہیں رک گئے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے پاؤں کی جانب ایک حجرہ مبارک سا

بنا لیا۔ زیادہ تر قیام اس کے اندر فرماتے۔ ہر وقت عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے۔ نماز فجر کے بعد قرآن پاک کی تلاوت لحن داؤدی سے کرتے کہ سننے والے عش عش کر اٹھتے تھے۔ اسی طرح آٹھ نو ماہ گزر گئے تو آپ نے چالیس روز چلہ کاٹا۔ جب چلہ پورا ہوا تو مزار پاک کی طرف متوجہ ہوئے تو عرض کی۔

"اے داتا! نظر کرم فرمائیں۔"

آپ بار بار یہی کہتے تھے لیکن کوئی جواب نہ ملتا تھا۔ معاً خیال آیا۔

"شاید حاضری نے شرف قبولیت حاصل نہیں کیا۔"

اس خیال کے آنے کی دیر تھی کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اچانک آپ پر روحانی کشف کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آپ نے سنا حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کہہ رہے تھے۔

"معین الدین۔"

"جی حضور"

آپ نے کہا۔

"کیوں روتے ہو؟"

پھر آواز سنائی دی۔

"میں نے سوچا شاید حاضری قبول نہیں ہوئی۔"

آپ نے اپنی دلی کیفیت بیان کی تو حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ گویا ہوئے۔

"حاضری قبول ہے۔ میں اس لئے جواب نہیں دیتا تھا کہ تمہارا قرآن پاک پڑھنا مجھے بے حد پسند ہے۔ آج سے تم ہندالولی ہو۔"

ب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ عالم

کشف سے باہر آئے۔ باطن پر نظر ڈالی تو خود کو انگنت فیوض و برکات اور عشق و معرفت کی دولت سے مالامال پایا تو بے ساختہ آپ کے لبوں سے نکلا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کا وہ آخری آستانہ تھا۔ جہاں سے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علہ نے اپنے حصے کا فیض و برکات حاصل کیں۔ کئی سالوں کی ظاہری و باطنی تربیت نے آپ کو منتہی کے مقام پر پہنچا دیا تھا۔ اس مقام پر پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ولی و دوست کو واپس لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ وہ حاصل کردہ انعامات کو رب کریم کی مخلوق میں تقسیم کرے اور رشد و ہدایت کے چراغ روشن کرے۔

لاہور میں آپ کا قیام دس ماہ رہا۔ اس دوران میں حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کے علاوہ عوام و خواص سے ہندوستان اور خصوصاً اجمیر کے بارے میں معلومات و کوائف حاصل کئے جو بفرمان ختم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ کی منزل تھی اور وہیں سے اسلام کی روشنی پھیلانی تھی۔

ان دنوں میں آپ کے مراسم و دوستی حضرت حسن زنجانی رحمتہ اللہ علیہ سے ہوئی جو مرتاض بزرگ تھے اور حضرت سعدالدین حمویہ رحمتہ اللہ علیہ کے مرشد تھے۔ یہ حضرت میراں حسین زنجانی رحمتہ اللہ علیہ کے پیر بھائی تھے جن کا وصال ان کے آنے پر ہوا تھا۔ الغرض حضرت معین الدین حسن سنجری چشتی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت حسن زنجانی رحمتہ اللہ علیہ جب ملتے تو معرفت و عرفان الہیہ کی گفتگو ہوتی۔ عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر

ہوتا۔ بزرگان دین کی محفلوں کا تذکرہ کرتے جس سے ماحول میں انوار کی بارش ہونے لگتی تھی۔

حضرت حسن زنجانی رحمتہ اللہ علیہ کو جب علم ہوا کہ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو ولی الہند کا خطاب مرحمت فرمایا ہے تو بے حد مسرور ہوئے اور گویا ہوئے۔

"معین الدین! مبارک ہو۔"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی بطرف اجمیر روانگی سے بارہ سال قبل راجہ پرتھوی راج جسے راجہ پتھورا بھی کہتے تھے کی ماں اپنے محل میں بیٹھی تھی اور بہت سے نجومی ستاروں کا حساب کتاب لگا رہے تھے۔ ان کے چہروں پر مختلف قسم کے تاثرات ابھرتے تھے جن کا راجہ پرتھوی راج کی ماں بغور مطالعہ کر رہی تھی اور اس کے اپنے چہرے پر بھی طرح طرح کے رنگ ابھرتے اور بگڑتے رہتے تھی۔

نجومی جب کوئی زائچہ بناتے تو غور سے اسے دیکھتے۔ پھر ایک دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھ کر بڑی تشویش کا اظہار کرتے اور پھراز سرنو زائچہ بنانے لگتے تھے۔ اس طرح کافی دیر ہو گئی تو رانی ماں نے کہا۔

"کیا بات ہے تم لوگ دیر سے حساب کتاب لگا رہے ہو اور پریشان ہو رہے ہو۔"

"رانی ماں! تھوڑی روشنی کے بعد پھراندھیرا ہی اندھیرا ہے۔"

تمام نجومی یک زبان بولے۔

"ستارے کیا کہتے ہیں؟"

رانی ماں نے دریافت کیا۔

"رانی ماں! آج سے بارہ سال بعد ایک باریش نورانی چہرہ شخص جس کے چہرے

پر سنجیدگی و متانت کھیل رہی ہو گی' پیشانی کشادہ ہو گی' بھنویں تیغ اصفہانی کی مثل ہوں گی۔ شانے چوڑے ہوں گے' آنکھوں میں بجلی کی سی چمک ہو گی' ہنسے بغیر مسکراتا دکھائی دے گا۔ قد لمبا مگر جسم نحیف ہو گا کسی غیر دیس سے آئے گا اور آپ کے سپوت پرتھوی راج کی سلطنت برباد کر دے گا۔"

نجومیوں نے بتایا تو رانی ماں عالم سکتہ میں آگئی۔ دل پر خنجر چلنے لگے۔

"تم نے ٹھیک طرح سے ستاروں کا حساب لگایا ہے۔"

رانی ماں نے دریافت کیا تو وہ بولے۔

"جی ہاں"

"پھر دیکھو کہیں غلطی تو نہیں ہوئی۔"

"ہم نے کئی بار حساب لگایا' زائچہ بنایا' ہر بار وہی نظر آیا جو آپ کے گوش گزار کیا ہے۔"

نجومیوں کی آواز فضا میں ابھری۔

"جس شخص کی تم نے نشاندہی کی ہے کیا وہ کوئی بادشاہ ہے۔"

راجہ پرتھوی راج کی ماں نے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ کوئی درویش ہے جس کے ساتھ چند رفقاء ہوں گے۔

"کیا اس بلا کو ٹالا جا سکتا ہے؟"

"رانی ماں نے استفسار کیا۔"

"فی الحال تو یہی صورت ہے۔ کل کو ستارے رخ بدل لیں تو اور بات ہے۔"

نجومیوں نے بتایا تو رانی ماں نے انہیں رخصت کیا اور خود گہری سوچوں میں مستغرق ہو گئی۔

ان دنوں پرتھوی راج اجمیر سے باہر گیا ہوا تھا۔ اس کی ماں ہر وقت سوچوں میں ڈوبی رہتی تھی۔ ایک ایک دن گزرنا دوبھر ہو رہا تھا۔ جب پرتھوی

راج اجمیر لوٹا تو ماں سے ملنے گیا۔ اسے متفکر و پریشان دیکھ کر وہ حیرت زدہ ہو گیا۔

"ماں! یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟"

"بڑی منحوس خبر ہے بیٹا۔"

"کیا"

پرتھوی راج نے مضطربانہ پوچھا تو نجومیوں نے جو پیشین گوئی کی تھی وہ بیٹے کو بتائی۔ سن کر وہ بھی فکرمند ہوا اور پھر بولا۔

"ماں! پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ میں سب انتظام کر لوں گا۔"

ہندوستان میں کئی راجا مختلف علاقوں میں حکمرانی کرتے تھے۔ راجہ پرتھوی راج کی حکمرانی دہلی' بھٹنڈہ اور پٹیالہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ نجومیوں کے بتائے ہوئے حلیہ کے مطابق تصویر شائع کر دی گئی۔ شہروں اور اہم قصبات وغیرہ میں اپنے ملازم متعین کر دیئے گئے جن کا کام اس حلیے کے شخص کا پتہ چلانا تھا۔ علاوہ ازیں اس نے یہ حکم بھی جاری کر دیا۔

"اگر کہیں پر کوئی مسلمان سفر کرتا ہوا پایا جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔"

ان انتظامات سے وہ خود بھی مطمئن ہو گیا اور اس کی ماں کو بھی اطمینان نصیب ہوا۔ لیکن دل میں ایک پھانس تھی جو اٹکی ہوئی تھی اور اسے اکثر بے چین کر دیا کرتی تھی۔ گاہے بگاہے وہ نجومیوں کو بلا کر دریافت کرتی رہتی تھی۔

"اب ستارے کیا کہتے ہیں؟"

اور جب نجومی وہی جواب دیتے تو وہ درماندگی و پژمردگی کا شکار ہو جاتی تھی۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو سب علم تھا کہ پرتھوی راج نے ان کی گرفتاری و قتل کے لئے کیا انتظامات کر رکھے

ہیں۔ لیکن اللہ تعالٰی کے شیروں کو آتی نہیں روباہی۔ آپ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نامزد تھے کہ اجمیر جاؤ اور اسلام کی حقانیت روشن کرو۔ آپ تو اللہ تبارک و تعالٰی کے مقبول تھے۔ لہٰذا آپ کو اجمیر جانے سے کون روک سکتا تھا۔ ضروری انتظامات کے بعد آپ اپنے رفقاء کے ساتھ بجانب اجمیر روانہ ہوئے تو حضرت حسن زنجانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے دوست کو دور تک الوداع کہنے کے لئے گئے۔ ایک مقام پر پہنچ کر حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے دوست کو واپس جانے کے لئے کہا۔ دنوں آپس میں بغلگیر ہوئے اور پھر جدا ہو کر اپنی اپنی راہ پر چل پڑے۔

پانچویں اور چھٹی ہجری یا گیارہویں اور بارہویں عیسوی میں ہندوستان کی سماجی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی۔ ہر شخص نہ صرف اسیر امتیاز ما و تو تھا۔ بلکہ ایک دوسرے سے برسرپیکار تھا۔ اتحاد فکر و عمل کا کہیں دور دور نام نہ تھا۔ چھوت چھات نے مدنی زندگی کے سارے سرچشمے مسموم کر دیئے تھے۔ زندگی کی ساری لذتیں اونچی ذات کے لوگوں کے لئے مخصوص تھیں۔ غریب عوام کی زندگی ان کے لئے بوجھ تھی۔ اللہ تعالٰی نے انہیں انسان بنایا تھا لیکن اس کے بندوں نے انہیں جانوروں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ سرزمین ہند میں کئی راجے حکمرانی کرتے تھے۔ جنہوں نے مخصوص طبقے کے علاوہ سب کی زندگی کو عذاب بنا رکھا تھا اور وہ اپنی رعیت کو ڈھور ڈنگروں سے زیادہ اہمیت دینے پر آمادہ نہ تھے۔ ان کے سینوں میں نفرت و غصہ کے شعلے لپک رہے تھے لیکن بیکس و مجبور تھے۔ راجاؤں کے آپس میں بھی دل پھٹے ہوئے تھے اور جب موقع ملتا تھا ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے تھے۔

شق القمر کے معجزہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دنیا جہاں میں خبر کر دی تھی کہ اللہ تعالٰی کا محبوب اور نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

مبعوث ہو چکے ہیں اور جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے توفیق عطا فرمانا تھی وہ بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

بروایت زین الدین مورخ سیلون میں کرنگا نور کا راجہ پیرو مل بھی شق القمر کو دیکھ کر مکہ مکرمہ جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے سرفراز ہوا تھا۔ اسلام لانے کے بعد جب وہ لوٹا تو اثنائے سفر رحلت فرما گیا تھا۔

اس نے ساتھیوں کو وصیت کی جنہوں نے اس کے مطابق حضرت شرف بن مالک رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے ہمراہ لا کر کرنگا نور میں مسجد تعمیر کروائی اور حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اشاعت اسلام کروائی۔ بعد ازاں حضرت مالک بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مالابار میں تبلیغ کی اور کوکن میں مسجد بنوائی۔

چودہ ہجری یا ۶۳۶ عیسوی میں خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں مجاہدین اسلام بمبئی کے قریب لنگر انداز ہوئے۔ بائیس ہجری میں خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور مسعود میں اسلامی لشکر مکران سے سندھ کے ساحل پر اترا۔

پہلی صدی کے آخر میں مسلمان تاجر مغربی ساحل ہند اور لنکا میں رہائش پذیر ہوئے۔ کچھ بستیاں آباد کیں۔ علاقائی لڑکیوں سے شادیاں کیں جن سے اولاد پیدا ہوئی۔ ۷۱۲ عیسوی میں حجاج بن یوسف کے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا اور ملتان و سندھ میں عربوں کی حکومت قائم کی۔ ۳۸۰ ہجری یا ۹۸۶ عیسوی میں سبکتگین نے ہندوستان پر شمال و مغرب سے حملہ کیا اور دریائے سندھ تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ بعد ازاں اس کے بیٹے حضرت محمود غزنوی رحمتہ اللہ علیہ نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور کفار و مشرکین کے بخئے ادھیڑ

دیئے۔ جس سے ہندو ریاستوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس کے بعد شہاب الدین محمد غوری نے ملتان پر حملہ کر کے قرامطی حکومت کا خاتمہ کیا اور پھر کئی دوسرے قلعے فتح کرنے کے بعد آخر میں راجہ پرتھوی راج کے مضبوط قلعہ بھٹنڈہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

راجہ پرتھوی راج مسلمانوں سے انتقام کی آگ میں جلنے لگا۔ دن کا چین اور رات کی نیند عنقا ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کے بادشاہ شہاب الدین محمد غوری سے جنگ کرنے اور قلعہ بھٹنڈہ پر دوبارا قابض ہونے کے لئے وہ ہمہ تن انتظامات میں مصروف تھا اور عوام الناس جنگ کے خوف سے اعصاب شکنی اور افراتفری کا شکار تھے۔ یہ تھے وہ حالات جن دنوں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اپنے مریدین کے ہمراہ بیابانوں' جنگلوں' میدانوں اور بستیوں میں اذانیں دیتے' رکوع و سجود کرتے' درس ہدایت دیتے۔ لوگوں کی مشکلات میں آسانیاں فرماتے اجمیر کی جانب تشریف لے جا رہے تھے۔

نجومیوں کی پیشین گوئی بہ سلسلہ بربادی سلطنت راجہ پرتھوی راج کو بارہ سال کا عرصہ بیت چکا تھا۔ کئی لوگوں کے ذہن سے یہ بات محو ہو چکی تھی۔ البتہ پرتھوی راج کے ملازمین جو خصوصی طور پر فراہم کردہ حلیہ کے شخص کی تلاش پر متعین تھے وہ ٹوہ میں لگے رہتے تھے لیکن حالات نے ان کو بھی بد دل کر دیا تھا۔ طویل مدت گزرنے کی وجہ سے وہ ست پڑ چکے تھے۔ حکومت کے جور و ستم اور معاشی بدحالی نے ان کا کچومر نکال دیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ فرائض کی انجام دہی پر مجبور تھے۔

شہاب الدین محمد غوری کو بھی راجہ پرتھوی راج کی تیاریوں کی اطلاع مل گئی تھی۔ وہ بھٹنڈا کا قلعہ واپس لینا چاہتا تھا۔ بھٹنڈا پر مسلمانوں کو قابض ہوئے ابھی دو اڑھائی ماہ سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا وہ بھی غزنیں

سے لشکر لے کر چل پڑا اس کی خبر اہل ہندوستان کو بھی ہو گئی تھی۔ جس نے ہر شخص کو جنگ کے خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کا قافلہ پٹیالہ کے قریب سمانا میں رکا۔ اس جگہ راجہ پرتھوی راج کے ملازم متعین تھے۔ انہیں اطلاع ہوئی کہ کوئی قافلہ آکر قیام پذیر ہوا ہے تو وہ آئے جب انہوں نے آپ کو دیکھا اور فراہم کردہ تصویر سے ملایا تو پہچان لیا کہ یہی وہ درویش ہے جس کے بارے میں نجومیوں نے پیش گوئی کی تھی۔

اب وہ آپ کے قتل کی تدابیر سوچنے لگے۔ بڑے ادب کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی۔

"یا حضرت! کرم فرمائیں۔ ہمارے پاس ٹھہریں تاکہ ہم بھی آپ کی برکتوں سے مستفید ہوں۔"

آپ نے مراقبہ کیا۔ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بشارت ہوئی۔

"معین الدین! ان لوگوں کی نیت بد ہے۔ دغا فریب کرنا چاہتے ہیں۔ ٹھہرنا مناسب نہیں۔"

"آپ لوگوں کا شکریہ' ہم عجلت میں ہیں رک نہیں سکتے۔"

آپ نے ارشاد فرمایا تو وہ لوگ عجز و انکساری سے دوبارا عرض کرنے لگے۔

"حضور! آپ ہمیں کیوں اپنے فیض سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔"

"فیض کے لئے کوئی خاص جگہ مخصوص نہیں ہے۔"

آپ نے فرمایا اور رفقاء سے سفر جاری رکھنے کے لئے کہا تو سب فوراً تیار ہو گئے اور تیزی سے چل پڑے۔ وہ لوگ منہ دیکھتے رہ گئے۔ آپ کے رعب و جلال نے انہیں کوئی بھی اقدام کرنے سے باز رکھا۔ اور سوچنے لگے۔

"کوئی بات نہیں۔ اگر یہاں سے بچ گئے ہیں تو آگے قابو آجائیں گے۔"

دہلی راجہ پرتھوی راج یا رائے پتھورا چوہان کا پایہ تخت تھا لیکن وہ زیادہ تر وقت اجمیر میں بسر کرتا تھا۔ اہل دہلی مسلمانوں سے بے حد متنفر تھے اور ان کا منہ دیکھنا گناہ سمجھتے تھے۔ جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ چالیس رفقاء باصفا کے ساتھ دہلی پہنچے تو اس وقت ہندوستان پر جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے۔ اہل دہلی ہوش میں نہ تھے۔ لحظہ بہ لحظہ کی خبریں آرہی تھیں کہ مسلمانوں کا لشکر اب کہاں پہنچ گیا ہے۔ لہٰذا دہلی میں آپ کے داخلے کے وقت کوئی قابل ذکر مخالفت نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں روحانی طور پر بھی آپ نے ان لوگوں کی قوت حرکت سلب کر لی تھی اور وہ لوگ جو آپ کی تلاش پر متعین تھے وہ بھی ساکت و صامت رہے اور انہیں سمجھ نہیں آتا تھا کہ کیا کریں۔ لاہور تا دہلی سفر آپ نے دو ماہ میں مکمل کیا تھا۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے بمع اصحاب ایسی جگہ قیام فرمایا جہاں حضرت شیخ رشید مکی کا مقبرہ تھا۔ چہار اکناف کفر و شرک کے اندھیرے پھیلے ہوئے تھے اور عین درمیان میں آپ اور آپ کے ساتھی الوہیت و عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شمع فروزاں کیے ہوئے تھے۔ آپ کے خدام جب پانچ وقت فضا میں اللہ اکبر کی صدا بلند کرتے تو کفر کے سینے پر سانپ لوٹ جاتا تھا۔ کفار و مشرکین کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے کہ کہیں اللہ وحدہ لاشریک کا نام ان تک نہ پہنچے۔ اور جب وہ لوگ ان درویشوں کو باجماعت نماز پڑھتا دیکھتے تو حیران رہ جاتے تھے کہ آخر یہ لوگ جھکتے کس کے سامنے ہیں ان کا اللہ تبارک و تعالیٰ کہاں ہے۔

وہ لوگ جو بے حد متشدد و سخت تھے انہوں نے کئی بار کوشش کی کہ وہ آپ کے مریدین باصفا کو کسی نوع کی گزند و نقصان پہنچائیں لیکن ان کے تمام حربے اور چالیں ناکام ہو جاتی تھیں ان کے اجسام پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ اور

وہ اپنی آگ میں خود ہی جل کر بھسم ہو جاتے تھے۔

ایک دن ایک سخت دل کافر جسے آپ کی موجودگی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی اس نے تیز دھار خنجر لیا اور بغل کے نیچے چھپا کر حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا۔ اس کی نیت تھی کہ جونہی موقع ملا وہ خنجر سے وار کر کے آپ کو ختم کر دے گا۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے مومنانہ فراست سے اس کا ارادہ بھانپ لیا اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"جس ارادے سے آئے ہو وہ پورا کرو' میری گردن حاضر ہے۔"

جب اس نے یہ سنا تو دنگ رہ گیا۔ بید مجنوں کی طرح جسم کانپنے لگا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن الفاظ حلق میں اٹکے ہوئے تھے۔

اس نے بغل سے خنجر نکال کر ایک طرف پھینک دیا اور خود آپ کے قدموں پر گر پڑا۔

"مجھے معاف کر دیں۔"

وہ پاؤں پر گرا پڑا بار بار یہی کہہ رہا تھا۔ آپ نے محبت و شفقت سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔

"اٹھو۔"

وہ اٹھ بیٹھا لیکن ندامت سے آنکھیں ملانے کی جرات نہ کر سکا۔

"جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔"

"یا حضرت! اپنے اللہ سے کہیں میرے گناہ معاف کر دے اور مجھے اپنے ساتھ ملا لیں۔"

یہ سنا تو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے ساتھیوں کے چہرے خوشی سے تمتما اٹھے۔

جب انسان مصائب و آلام میں گھرا ہوا ہو تو ان سے چھٹکارے کے لئے جائے پناہ تلاش کرتا ہے۔ آپ کے حسن سلوک' اخلاق کریمانہ اور انداز بود و باش نے اہل دہلی کو متاثر کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ ان کا رخ آپ کی طرف ہونے لگا۔ جو بھی غمزدہ و پریشان حاضر خدمت ہوتا سکون کی دولت سے بہرہ ور ہوتا تھا۔ تفکرات کا بوجھ ہلکا محسوس کرتا اور خوشگوار تاثر لے کر واپس لوٹتا تھا۔ آپ سے میل ملاقات سے جس پر حق روشن ہو جاتا وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتا تھا۔

ایک دن آپ ایک بت کدہ کے سامنے سے گزرے۔ اس وقت وہاں سات بت پرست موجود تھے۔ جو بتوں کے سامنے سر جھکائے ہوئے تھے۔ اچانک ان کی نظر آپ پر پڑی تو جمال باکمال نے ان کو وارفتہ کر دیا۔ آپ بھی رک گئے۔ وہ قریب آ گئے۔

"آپ کون ہیں؟"

ایک نے پوچھا۔

"میں اللہ کا بندہ ہوں"

آپ نے جواب دیا۔ وہ حیرت سے تکنے لگے۔

"اللہ کون؟"

وہ بیک زبان گویا ہوئے۔

"جس نے ہمیں تمہیں پیدا کیا ہے۔ زمین و آسمان بنائے ہیں۔ جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے جو زمین سے غلہ اگاتا اور آسمان سے پانی برساتا ہے۔"

"آپ مسلمان ہیں؟"

انہوں نے دریافت کیا۔

"الحمد للہ۔"

آپ نے کہا۔

"مسلمان کی تعریف کیا ہے؟"

ایک نے دریافت کیا۔

"جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے کو نقصان نہ پہنچے۔"

آپ نے فرمایا اور ان پر خصوصی توجہ فرمائی تو وہ بے بس ہو گئے۔ قدموں پر گر پڑے۔ گناہوں سے تائب ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ نے سب کا اسلامی نام رکھا اور سب کا لقب حمیدالدین رکھا۔ حضرت شیخ حمیدالدین دہلوی رحمتہ اللہ علیہ انہیں ساتوں میں سے ہیں جو سب سے زیادہ مشہور ہوئے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی اصل منزل اجمیر تھی۔ دہلی میں زیادہ قیام بھی خلاف حکمت تھا۔ حالات ایسے تھے کہ شہاب الدین محمد غوری اور راجہ پرتھوی راج کی افواج کا ٹکراؤ کسی وقت بھی ہو سکتا تھا۔ دہلی سے اجمیر کا راستہ آپ اور آپ کے ساتھیوں کے لئے پرخطر تھا۔ لیکن اندریں حالات سب کی توجہ جنگ اور اس کے نتائج کی طرف تھی۔

دہلی میں قیام کے دوران میں آپ نے دیکھا کہ یہاں بہت جلد اسلام پھیل جائے گا لہٰذا اپنے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کو آپ نے فرمایا۔

"بیٹا قطب الدین! میں تمہیں دہلی میں چھوڑے جا رہا ہوں۔ آج سے یہ علاقہ تمہارا ہے۔"

حضرت خواجہ قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ نے سنا تو کچھ عرض کرنے کے لئے لب مبارک وا کئے ہی تھے کہ مرشد نے فرمایا۔

"میل ملاقات اور خط و کتابت ہوتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ یہاں بہت جلد اسلام پھیلنے والا ہے اس لئے یہاں تمہاری

موجودگی ازبس ضروری ہے۔"

"آپ بہتر جانتے ہیں۔"

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اور ادب سے سر جھکا دیا۔

دوسرے دن حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ بقیہ ساتھیوں کے ہمراہ سوئے اجمیر چل پڑے۔

حضرت قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ مرشد کے ساتھ دور تک چلتے رہے اور پھر مرشد سے بغلگیر ہو کر واپس لوٹ گئے۔

باب ۹

اندھیرے اجالے میں ٹکراؤ

اجمیر وہ مقام تھا جس کے بارے میں دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو حکم ہوا تھا۔

"معین الدین! تو میرے دین کا معین ہے' ولایت ہندوستان تجھ کو عطا کی' وہاں کفر و ظلمت پھیلی ہوئی ہے' تو اجمیر جا' تیرے وجود سے ظلمت کفر دور ہو گی اور اسلام رونق پذیر ہو گا۔"

یہ آپ کی آخری منزل تھی جہاں تادم حیات قیام فرما کر فریضہ تبلیغ ادا کرنا تھا۔ اسلام کا پھریرا بلند کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے چراغ روشن کرنے تھے۔ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سینوں میں بھرنا تھا۔ لوگوں کو راہ ہدایت کی طرف رہنمائی فرمانا تھی۔ عطائے خداوندی کو رضائے خداوندی کے مطابق تقسیم کرنا تھا۔

دہلی سے اجمیر آتے ہوئے آپ کو کسی نوع کی کوئی دقت و رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ سیاسی حالات نے لوگوں میں خوف ہراس پھیلا رکھا تھا۔ سب نفسا نفسی کا شکار تھے۔ لہٰذا کسی نے آپ کے روحانی قافلہ پر توجہ نہ دی کہ کون لوگ ہیں۔

اجمیر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ تمام راجوں سے پہلے ایک ہندو راجہ کا

نام " آجا " تھا۔ جس کی سلطنت کی حدود ہندوستان کی مغربی سرحد تک پھیلی ہوئی تھیں۔ نیز ہندی میں " آجا " آفتاب کو بھی کہتے ہیں۔ اور " میر " ہندی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ ہندوؤں کی تاریخ میں مرقوم ہے کہ ہندوستان میں پہاڑوں پر تعمیر ہونے والی دیواروں میں سب سے پہلے یہی دیوار تعمیر ہوئی جو اجمیر کے پہاڑ پر ہے۔ اسی طرح سرزمین ہند میں جو سب سے پہلا حوض بنایا گیا وہ " پھکر " کا حوض تھا۔ جو اجمیر سے اٹھ میل کے فاصلے پر تھا اور ہندو اس کی پوجا کرتے تھے۔ وہ ہر سال چھ روز کے لئے " تحویل عقرب " کے وقت وہاں جمع ہو کر غسل کرتے تھے۔ اپنی عمر عزیز اور اولاد کو ایک باطل مذہب کی بدولت برباد کرتے تھے۔ ان میں سے جو قیامت کے قائل تھے ان کا عقیدہ تھا کہ قیامت بھی اسی حوض سے شروع ہو گی۔ راجہ پرتھوی راج المعروف رائے پتھورا بھی آجا کی اولاد میں سے تھا۔

اجمیر میں بڑے بڑے مندر تھے۔ ان میں ایک مندر تو بہت ہی بڑا تھا۔ جو راجوں' مہاراجوں' رانیوں اور مہارانیوں کی پوجا پاٹ کے لئے مختص تھا۔ اس میں غرباء کا داخلہ منع تھا۔ ان کے لئے دوسرے چھوٹے مندر تھے۔ اس مندر کے نام راجے نے کئی گاؤں لگا رکھے تھے جن کی زمینوں کی آمدنی اس مندر پر صرف ہوتی تھی۔ اس میں اتنے چراغ تھے کہ ان کو جلانے کے لئے ہر روز منوں سرسوں کے تیل کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس مندر کے ساتھ ایک تالاب بھی تھا جس کا نام اناساگر تھا۔ اس کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ جو اس تالاب میں ایک مرتبہ نہا لے اس کی عمر بھر کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اجمیر میں داخل ہوئے تو ۵۸۷ ہجری کا سن اور عمر چون سال تھی۔ اناساگر کے قریب ذرا فاصلے پر سایہ دار درخت تھے۔ آپ اپنے رفقاء کے ساتھ یہاں ٹھہرے۔ ان

دنوں راجہ پرتھوی راج موجود نہیں تھا۔ وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ بھٹنڈہ کے قلعہ کی تسخیر کے لئے گیا ہوا تھا۔ جہاں مسلمان قابض تھے اور غزنین کی طرف سے شہاب الدین محمد غوری اپنی فوج کے ساتھ ہوا کے دوش پر چلا آرہا تھا تاکہ راجہ پرتھوی راج کے ناپاک ارادے کو خاک میں ملادے۔

جب نماز کا وقت ہوا تو مسلمانوں نے اناساگر کے پانی سے وضو کیا اور پھر فضا میں اللہ اکبر کی صدائے دل نواز بلند ہوئی۔ جن لوگوں کے کان مندر کی گھنٹیوں سے آشنا تھے ان کے لئے یہ آواز اجنبی اور حیران کن تھی۔ جہاں تک اذان کی آواز پہنچی لوگ اپنے گھروں اور دکانوں سے باہر نکل آئے اور ایک دوسرے کی طرف حیرت بدنداں دیکھنے لگے لیکن سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔

جب عقدہ نہ کھلا تو ان کے قدم بے اختیار آواز کی جانب اٹھنے لگے۔ جب وہ اناساگر کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ درختوں کی سائے میں تیس چالیس کے قریب لوگ ایک نورانی چہرہ شخص کی اقتداء میں عبادت میں مصروف ہیں۔ وہ کبھی ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور کبھی ان عبادت گزاروں کی طرف دیکھتے تھے اور حیران ہوتے تھے کہ جس کی عبادت کر رہے ہیں وہ تو نظر نہیں آتا ہے۔ اور پھر ان کی نگاہیں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے چہرے مبارک پر جم گئیں۔ وہ غور سے دیکھنے لگے اور پھر بیساختہ ان کے منہ سے بیک زبان نکلا۔

"یہ تو وہی شخص لگتا ہے جس کا حلیہ بارہ سال قبل نجومیوں نے بتایا تھا کہ راجہ پرتھوی راج کی سلطنت کے زوال کا باعث بنے گا۔"

یہ سوچ کر ان کے چہرے خوف کی لپیٹ میں آگئے' رنگ زرد پڑ گئے' حواس باختہ ہو گئے۔ ان دنوں راجہ پرتھوی راج مسلمانوں سے نبرد آزما

ہونے کے لئے گیا ہوا تھا۔ لہٰذا انہیں طرح طرح کے وسوسوں اور وہموں نے گھیر لیا وہ جلدی سے واپس لوٹ گئے۔ مسلمان درویشوں کی آمد کی اطلاع جنگل کی آگ کی طرح دور و نزدیک پھیل گئی۔

شام کا دھندلکا چھا رہا تھا کہ راجہ پرتھوی راج کے ملازم چرواہے اونٹ لے کر آ گئے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ درختوں تلے کچھ لوگ ڈیرے لگائے بیٹھے ہیں تو انہوں نے حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ سے کہا۔

"سائیں لوگو! یہ جگہ خالی کر دو۔"

"کس لئے۔"

آپ نے پوچھا تو وہ بولے۔

"یہاں پرتھوی راج کے اونٹ بیٹھیں گے۔"

"اور بڑی جگہ پڑی ہے ان کو وہاں بٹھا دو۔"

آپ نے ارشاد فرمایا تو انہوں نے کھردرے انداز میں کہا۔

"نہیں۔ وہ یہیں بیٹھیں گے۔"

آپ نے سنا تو ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

" سامان اٹھا لو۔ ہم ذرا ہٹ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہاں راجہ کے اونٹ بیٹھنا چاہتے ہیں تو بیٹھے رہنے دو۔"

یہ کلمات فرما کر آپ کھڑے ہو گئے اور اناساگر کے کنارے جہاں آپ کا چلہ واقعہ ہے جا کر ٹھہر گئے۔

دوسرے دن چرواہے آئے اور اونٹوں کو اٹھانے لگے تو وہ اٹھنے کا نام نہ لیتے تھے۔

"آج ان کو کیا ہو گیا ہے۔ پہلے تو اونٹ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ بیٹھتے تھے۔"

وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ تحیر و پریشانی ان کے چہروں سے عیاں

تھی۔
"یار لگتا ہے وہ فقیر ان اونٹوں کو جادو کے زور سے اٹھنے نہیں دیتا۔"
ایک نے کہا۔
"کل ہم اس کے ساتھ بولے بھی تو بڑی بدتمیزی سے تھے۔"
دوسرا بولا۔
"اب کیا کریں۔"
تیسرا گویا ہوا۔
"داروغہ کے پاس چلتے ہیں اور اسے حالات سے آگاہ کرتے ہیں۔"
چوتھے نے مشورہ دیا اور وہ سب ساربانوں کے داروغہ کے پاس چلے گئے اور سارا واقعہ اسے بتایا۔ وہ بھی بھونچکاں رہ گیا اور پھر ساربانوں سے کہا۔
"تم جا کر اس فقیر سے اپنے رویئے کی معافی مانگو اور کہو بابا جی مہربانی فرما کر اپنا جادو واپس لے لیں اور اونٹوں کو اٹھنے دیں۔ اگر یہ یونہی بیٹھے رہے تو بھوک پیاس سے مرجائیں گے۔ فقیر تو بڑے رحم دل ہوتے ہیں۔"

داروغہ سے ملنے کے بعد ساربان واپس آئے اور حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معافی طلب کرنے کے بعد جیسا داروغہ نے کہا تھا ویسے ہی عرض کیا۔
"ہم مسلمان ہیں' ہمارا جادو سے کوئی تعلق واسطہ نہیں' اونٹ اللہ کے حکم سے بیٹھے ہیں اور اسی کے حکم سے اٹھ بیٹھیں گے۔ جاؤ۔"
آپ نے فرمایا تو ساربان اونٹوں کی طرف گئے اور وہ حسب معمول انہیں دیکھتے ہی اٹھ بیٹھے۔
"لگتا ہے یہ فقیر بڑا پہنچا ہوا ہے۔"
ایک نے کہا اور پھر اونٹوں کو ہانک کر چرانے کے لئے لے گئے۔

شام کو جب چرواہے اونٹوں کو واپس لے کر آئے تو انہوں نے بڑے ادب کا مظاہرہ کیا اور تھوڑی دیر آپ کے پاس بھی بیٹھے۔

اونٹوں والا واقعہ زبان زد خاص و عام تھا۔ کئی لوگ محض اس لئے حاضر خدمت ہوئے کہ دیکھیں وہ کونسی شخصیت ہے جس نے اونٹوں کو زمین سے جکڑ دیا تھا۔ بعض لوگوں کی پریشانیوں اور مصیبتوں نے ابھارا اور وہ آپ کے پاس ان کے مداوا کے لئے آئے۔ بعض آپ کی نورانیت' اخلاق' محبت اور حسن سلوک سے متاثر ہو کر آئے۔ اس طرح عوام کا رخ آپ کی طرف ہو گیا۔ جو لوگ حاضر خدمت ہوتے آپ ان کے دکھوں کا مداوا بھی کرتے اور تبلیغ بھی فرماتے تھے۔ اسلام کی حقانیت روشن کرتے تھے۔ راجہ آجا کے دور سے لے کر راجہ پرتھوی راج کے عہد تک ایسے لوگ موجود تھے جن کا اعتقاد تھا کہ قیامت واقع ہو گی اور وہ پھر حوض سے شروع ہو گی۔ ان پر حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی وعظ و نصیحت کا بہت جلد اثر ہوتا تھا اور جب آپ فرماتے۔

" بتوں کی پوجا پاٹ چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کرو ورنہ جہنم کی آگ میں جلائے جاؤ گے اور تمہارے معبود بھی دوزخ میں ہوں گے۔"

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ و تبلیغ سے کئی لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے جس نے کفر و شرک کے ایوانوں میں ہلچل مچا دی تھی۔ پنڈتوں' پروہتوں اور ارباب بست وکشاد کے لئے یہ ناقابل برداشت تھا کہ لوگ اپنا مذہب ترک کر کے نیا دین قبول کریں۔ وہ اس بات سے بھی خوفزدہ تھے کہ جب راجہ پرتھوی راج جنگ سے واپس آئے گا اور اسے حالات و واقعات سے آگاہی ہو گی تو وہ کیا کہے گا۔ وہ غیظ و غضب میں آکر انہیں کوئی بھی سزا دے سکتا تھا۔ چنانچہ سب لوگوں نے باہمی مشورہ کیا اور حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کو پیغام

بھیجا۔

" بابا جی! یہ جگہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔ اجمیر میں آپ نہیں رہ سکتے اور اناساگر سے پانی بھی نہیں لے سکتے۔"

جب آپ نے سنا تو ارشاد فرمایا۔

" سب لوگ اس میں نہاتے ہیں' پانی لے جاتے ہیں' کپڑے دھوتے ہیں' اگر ہم نے پانی لے لیا تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔"

پیغام لانے والوں نے سنا تو بولے۔

" بابا جی! وہ لوگ ہمارے مذہب اور دھرم کے ہیں۔ بہرکیف یہ فیصلہ ہے کہ آپ اس سے پانی نہیں لے سکتے۔"

" اگر اجازت ہو تو ایک مشکیزہ پانی لے لیں۔"

آپ نے فرمایا۔

" ہاں اس کے بعد اجازت نہیں ہو گی۔"

انہوں نے کہا تو آپ نے ایک خادم سے کہا کہ تالاب سے ایک مشکیزہ پانی بھر لو۔

شاہی کارندے خوشی خوشی واپس لوٹ گئے اور باتیں کرتے جا رہے تھے۔

" ایک مشکیزہ پانی کتنا عرصہ ساتھ دے گا۔"

دوسرا بولا۔

" جب پیاس تنگ کرے گی تو از خود بھاگ جائیں گے۔"

دوسرے دن ہندو جب اپنے گناہ دھونے اور پوتر و پاک ہونے کے لئے اناساگر آئے تو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ تالاب بالکل سوکھا پڑا ہے۔ ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ واویلا کرتے' شور مچاتے' ارباب

بست و کشاد کے پاس گئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ کبھی اناساگر کا پانی بھی خشک ہو سکتا ہے۔ لوگ بگٹٹ وہاں پہنچے۔ آنکھوں پر یقین نہیں آتا تھا۔ لحظہ بہ لحظہ تالاب پر لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ خبر ایسی تھی کہ آن واحد میں اجمیر اور اس کے مضافات میں پھیل گئے۔ لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ ہر شخص اداس و ملول و افسردہ تھا۔ وہ ایک نظر اٹھا کر ان درویشوں کی طرف دیکھ لیتے تھے جو اطمینان سے بیٹھے ذکر و عبادت میں مشغول تھے۔

اگرچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو خوارق عادت کے اظہار کی قوت عطا فرمائی ہوتی ہے لیکن وہ بے جا اس کا اظہار نہیں کرتے رہتے اور نہ ہی کرامت ولایت کی دلیل ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں اور دوستوں کی بات کی لاج رکھتا ہے اور وہ جیسا کہتے ہیں ویسا ظہور میں آجاتا ہے۔ اونٹوں کے بیٹھے رہنے اور اناساگر کے پانی کے خشک ہونے میں یہی حقیقت کارفرما تھی۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے کسی مقام پر بھی اپنی ناراضگی و خفگی یا غم و غصہ کا اظہار نہیں فرمایا تھا اور نہ ہی یہ مبلغین کی شان کے لائق ہے۔ کوئی شخص اپنا مذہب جبر سے نہیں محبت و نرمی اور حسن سلوک سے تبدیل کرتا ہے۔ اونٹوں کے معاملہ میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے صرف اتنا فرمایا تھا۔

"یہاں اونٹ بیٹھتے ہیں تو بیٹھے رہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی و مقبول بندے کے الفاظ کو حقیقت کا جامہ پہنا دیا اور اونٹ اٹھنے کا نام نہ لیتے تھے اور جب ساربانوں نے درخواست کی تو فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیٹھے اور اسی کے حکم سے اٹھتے ہیں۔"

تو اونٹ اٹھ بیٹھے۔

اناساگر کے بارے میں فرمایا کہ کیا ایک مشکیزہ پانی لے لیں۔
کفار نے اجازت دے دی تو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مشکیزے کے لئے پانی کی گنجائش نہ رکھی اور اسے خشک کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے کسی کو ہدایت دینا ہوتی ہے تو اس کا سامان پیدا فرما دیتا ہے اور لوگوں کو اپنے اولیاء کے قریب لے آتا ہے۔ اجمیر میں ہر شخص کی زبان پر یہی تھا۔

"اناساگر کا پانی خشک ہو گیا ہے اب کیا ہو گا۔"

"فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

شاہی افسران نے لوگوں کو دلاسا دیا اور خود حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں احترام سے بٹھایا۔

"کیسے آنا ہوا۔"

"باباجی! اناساگر کا پانی خشک ہو گیا ہے۔ تمام لوگ مضطرب ہیں۔ یہ تالاب آپ کا اپنا ہے۔ جتنا چاہیں پانی استعمال کریں۔"

"ہم نے تو آپ کی اجازت سے ایک مشکیزہ پانی لیا تھا۔ وہ پانی ہم آپ کو لوٹا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کارساز مطلق ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

آپ نے فرمایا اور خادم کو حکم دیا کہ مشکیزہ کا پانی اناساگر میں ڈال دے۔

خادم جب مشکیزہ اٹھائے اناساگر کے کنارے پہنچا تو وہاں لوگوں کا ہجوم تھا۔ انہوں نے خادم کو راستہ دیا۔ اس نے جا کر اناساگر میں مشکیزہ کا پانی انڈیل دیا اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ اناساگر میں پانی بھرنے لگا۔ جیسے جیسے پانی زیادہ ہو رہا تھا وہاں پر موجود لوگوں کے چہروں پر خوشی کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔

اس واقعہ نے بے شمار لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں حق کی جوت جگا دی تھی۔ اسلام کی طرف ان کے دل جھک گئے تھے۔ بہت سے لوگ حاضر

خدمت ہو کر گناہوں سے تائب ہوئے اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آپ کی محفل میں بیٹھ کر لوگوں کو طمانیت و سکینہ نصیب ہوتی۔ غموں کے بادل چھٹتے دکھائی دیتے اور مشکلات کی جگہ آسانیاں ظہور پذیر ہونے لگتی تھیں۔ ان واقعات نے لوگوں کا رخ آپ کی طرف کر دیا تھا۔ کئی ایک نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور سلسلہ ارادت میں شامل ہو کر سلوک کی منازل طے کرنے لگے۔

ترائن کے مقام پر شہاب الدین محمد غوری اور راجہ پرتھوی راج کی فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ دونوں فریقین نے مکمل تیاری کی ہوئی تھی اور ایک دوسرے کو مرنے مارنے پر تلے ہوئے تھے۔ آخر کار جنگ کا آغاز ہوا۔ دونوں ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ کبھی ایک کا پلہ بھاری ہوتا اور کبھی دوسرے کا۔ خلج، غور اور خراسان کے امراء جو شہاب الدین محمد غوری کے ہمراہ آئے تھے ان میں بددلی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ سنگینی حالات کا احساس دلانے کے باوجود ان کے رویئے میں تبدیلی نہ آئی تو اس کے اثرات افواج کی مجموعی کارکردگی پر پڑے اور لڑائی میں وہ جوش و جذبہ برقرار نہ رہا جس کی ضرورت تھی۔ یہ بات راجہ پرتھوری راج نے بھی محسوس کی تو اس کی افواج کے حوصلے بڑھے اور انہوں نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ اندرونی خلش اور بیرونی دباؤ نے مسلمانوں کے پاؤں جمنے نہ دیئے اور ان پر شکست کے سائے منڈلانے لگے۔ شہاب الدین محمد غوری نے بساط بھر سعی کی کہ مسلمان ہزیمت کا شکار نہ ہوں مگر شکست و پشیمانی مقدر ہو چکی تھی لہٰذا وہ جنگ میں زخمی ہو کر غزنیں لوٹ گیا۔ پرتھوی راج نے دور تک مسلمانوں کا تعاقب کیا اور پھر واپس آکر بھٹنڈہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

اگرچہ اسلامی لشکر واپس غزنیں چلا گیا تھا لیکن قلعہ بھٹنڈہ ترنوالہ

نہیں تھا۔ جسے آسانی سے تسخیر کر لیا جاتا۔ یہاں بھی اہل ایمان بستے تھے جو شہادت کے جذبے سے سرشار تھے اور دم آخر تک لڑنے کا عزم بالجزم رکھتے تھے۔

علاقے میں جب قدرے استحکام ہوا تو راجہ پرتھوی راج نے اپنے لڑکے "گولا" کو قلعہ بھٹنڈہ کی فتح پر مامور کیا اور خود اجمیر واپس لوٹ گیا۔ راستے میں جہاں سے گزرتا ہندو اس کا والہانہ استقبال کرتے تھے۔

اجمیر سے عدم موجودگی کے دوران میں راجہ پرتھوی راج کو وہاں کے حالات کی خبریں ملتی رہتی تھیں لیکن جب واپس آیا تو اس نے صورت حال کو بہت دگرگوں پایا۔ وہ چاہتا تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے ساتھیوں کو ملک بدر کر دے لیکن جب اس نے اپنے عمال و عوام کی مسلمان درویشوں سے عقیدت و وابستگی دیکھی تو اسے اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا اور سوچنے لگا۔

"مجھے حکمت عملی سے کام لینا چاہیے۔ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے والا طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔"

لیکن جو واقعات اس نے سنے اور حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا جو حلیہ مبارک اسے بتایا گیا تھا اس نے بارہ سال قبل ماں سے ہونے والی باتوں کی یاد تازہ کر دی تھی۔ اس کے دل میں انجانا سا خوف بیٹھ گیا تھا اور باطنی طور پر ہندوستان کی حکومت سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ لیکن بادشاہت کا نشہ ایسا ہوتا ہے جو کسی طرح اترنے کا نام نہیں لیتا۔ چنانچہ وہ مختلف ہتھکنڈے آزمانے پر اتر آیا۔ اس نے اپنے خاص آدمیوں کے ذریعے یہ بات پھیلا دی۔

"یہ اجنبی درویش جو آبادی سے باہر ڈیرے جمائے بیٹھے ہیں دراصل شہاب الدین محمد غوری کے جاسوس ہیں۔"

یہ ایسا نعرہ تھا جس کا تعلق عوامی جذبات کے ساتھ تھا اور وہ آن واحد میں بھڑک اٹھتے تھے مگر لوگوں کا ذاتی مشاہدہ اس کی نفی کرتا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ سے ہر طبقے کے لوگوں کی عقیدت اس قدر راست اور مضبوط تھی کہ اس میں کمی نمودار نہ ہوئی اور راجہ پرتھوی راج کا یہ حربہ بے اثر ہو کر رہ گیا۔ اس نے اسے مسلمانوں کا مزید دشمن بنا دیا۔

عقیدت کا توڑ یہ ہے کہ جس سے عقیدت ہو اس کی خامیوں کو اچھالا جائے۔ چنانچہ رائے پنھوار نے چند اشخاص کو اس کام پر متعین کیا کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے ساتھیوں کی خامیاں تلاش کریں اور اسے بتائیں۔ چنانچہ وہ لوگ اپنا زیادہ تر وقت آپ کے پاس بسر کرنے لگے۔ بعض اوقات رات کو بھی وہاں رہ جاتے تھے۔ آپ اور آپ کے ساتھیوں کے لیل و نہار کی مصروفیات کھلی کتاب کی طرح ان لوگوں کے سامنے تھیں۔ ان کے ذہنوں میں جو زہر بھرا گیا تھا اس کا اثر آپ کی صحبت سے از خود زائل ہونے لگا تھا اور عقیدت کی کونپلیں ان کے سینوں کے اندر بھی پھوٹنے لگی تھیں۔ ایک دن سب بیٹھے تھے تو آپ نے فرمایا۔

"نیک لوگوں کی صحبت نیکی کرنے سے بہتر اور برے لوگوں کی صحبت بدی کرنے سے بدتر ہے۔"

تھوڑی دیر توقف کے بعد آپ نے پھر لب ہائے مبارک کو جنبش دی اور کہا۔

"بدبختی کی علامت یہ ہے کہ انسان گناہ کرتا رہے اور پھر بھی اللہ تعالیٰ کا مقبول ہونے کا امیدوار ہو۔"

سب لوگ آپ کے ارشادات کی حکمتوں کی گہرائیوں میں کھوئے ہوئے تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

" درویش وہ ہے کہ جس کے پاس جو بھی حاجت لے کر آئے تو اسے خالی ہاتھ واپس نہ کرے۔"

اور پھر آپ نے حکومتی اشخاص کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

" آپ کی اگر کوئی حاجت ہو تو بتائیں۔"

آپ کی محبت' اخلاق' سلوک اور شفقت نے ان کے دلوں میں گھر کر رکھا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی باتیں سن کر اپنا راز پوشیدہ نہ رکھ سکے۔ بولے۔

" حضور! ہمیں آپ کی خامیاں تلاش کرنے پر مامور کیا گیا تھا۔"

" اگر کوئی خامی نظر آئی ہو تو بتائیں تاکہ اسے دور کرنے کی کوشش کریں۔"

آپ نے عاجزانہ انداز میں کہا تو وہ پاؤں پر گر پڑے اور دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔

جب راجہ پرتھوی راج کے متعین افراد نے اپنی رپورٹ دی تو وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔ ہر ناکامی اس کے اندر مسلمانوں کے خلاف نفرت کو دوچند کر دیتی تھی اور پھر وہ نئی تدابیر سوچنے لگتا تھا۔

ایک دن وہ اسی ادھیڑبن میں مبتلا تھا کہ اب کونسی تدبیر اختیار کرے کہ ایک خیال اس کے ذہن میں گزرا تو شیطانی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ اس نے حسین ترین ہندو عورتوں کو بلا کر کہا۔

" تم وقتاً" فوقتاً" مختلف بہانوں سے معین الدین کے پاس جاؤ اور اسے بہکانے کی کوشش کرو۔"

" مہاراج آپ فکر نہ کریں۔ کسی کو شیشے میں اتارنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔"

وہ بولیں۔

"مجھے تم سے یہی امید ہے۔ اگر تم کامیاب ہوئیں تو منہ مانگا انعام ملے گا۔"
راجہ پرتھوی راج نے کہا تو ان کی باچھیں کھل گئیں۔ لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ ان کا واسطہ کس چٹان سے پڑنے والا ہے۔ جس پر دنیا' دولت' عورت' حسن و جمال' نفس' خواہشات اور ترغیبات کا مطلقاً" اثر نہیں ہوتا تھا۔ جس کے دل و دماغ میں معرفت الٰہیہ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانگزیں ہو تو اس کے مقابل ہر چیز ہیچ ہے۔ چنانچہ جب وہ کسی مسئلہ کے حل کے بہانے اپنے حسن و جمال کی جگمگاہٹوں کو ناز و عشوں کے جلو میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتی تھیں تو سب کچھ بھول جاتی تھیں۔ کوئی قوت انہیں چہرہ ڈھانپ لینے پر مجبور کر دیتی تھی۔ بمشکل اپنا مسئلہ بیان کر پاتی تھیں اور فوراً واپس لوٹ جاتی تھیں۔ اس محاذ پر بھی راجہ پرتھوی راج کو منہ کی کھانا پڑی تھی۔

ایک روز رائے پتھوار نے سب سے بڑے مندر کے پنڈت کو بلایا۔ بڑی عزت سے اسے اپنے قریب بٹھایا اور کہا۔

"رام دیو! دیکھ رہے ہو مسلمان درویشوں نے کیا ادھم مچا رکھا ہے۔ لوگ اپنا دھرم چھوڑ کر ان کا مذہب اختیار کر رہے ہیں۔"

"رام رام مہاراج کون ایسا چاہے گا۔"

رام دیو بولا۔

"تو پھر تم اس کا کچھ اپا کرو نا۔"

"جو آپ کا آگیا مہاراج۔"

رام دیو نے کہا تو راجہ پرتھوی راج نے کہا۔

"تم اپنے چیلے چانٹوں اور شاگردوں کے ہمراہ جا کر فقیر بابا سے مناظرہ کرو۔ علمی طور پر اسے شکست دو اور اجمیر چھوڑ جانے پر مجبور کرو۔"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ تشریف فرما تھے۔ مریدین ارد گرد باادب بیٹھے تھے کہ اسی اثنا میں رام دیو بمع اپنے شاگردوں کے وہاں پہنچ گیا۔ اس کا انداز اس کے غیض و غضب کی نشاندہی کر رہا تھا۔ جب وہ قریب آیا تو آپ نے اپنے مریدین سے فرمایا۔

"مہمان آئے ہیں ان کو جگہ دو۔"

"ہم بیٹھنے نہیں آئے آپ سے دو دو باتیں کرنے آئے ہیں۔"

رام دیو بولا۔

"بیٹھ کر بھی باتیں ہو سکتی ہیں۔ تشریف رکھیں۔"

آپ نے فرمایا تو وہ لوگ بیٹھ گئے۔ رام دیو نے بیٹھتے ہی بلند آواز سے بولنا شروع کر دیا اور آپ کو تنقید کا نشانہ بنایا۔

" آپ نے یہاں کا امن تہہ و بالا کر دیا ہے۔ گھروں میں فساد ڈلوا دیا ہے۔ لوگوں کو اپنے مذہب سے برگشتہ کر دیا ہے۔ آخر آپ کی ہمارے ساتھ کیا دشمنی ہے۔ آپ یہاں سے کہیں اور کیوں نہیں چلے جاتے۔"

وہ بولتا رہا اور آپ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھے اس کی باتیں سنتے رہے۔ جب وہ کہہ چکا تو آپ نے فرمایا۔

"اور کچھ کہنا ہے ؟"

"نہیں۔ آپ میری باتوں کا جواب دیں۔"

رام دیو نے کہا۔ آپ نے اس کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا اور فرمایا۔

" رام دیو! میں تمہاری پیشانی پر اسلام کا نور دیکھ رہا ہوں اور تو ہے کہ میرے ساتھ مناظرہ کر رہا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو جنت میں جائے گا لیکن کام جہنمیوں والے کر رہے ہو۔"

رام دیو نے سنا تو اس کے ہونٹوں پر چپ کے تالے لگ گئے۔

"سوچ کیا رہے ہو کلمہ پڑھو۔"
آپ نے فرمایا اور اس کے دل پر نگاہ ڈالی تو قدموں پر گر پڑا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ آپ نے اس کا نام محمد عبداللہ رکھا۔

رام دیو کے ساتھیوں نے جب دیکھا تو الٹے پاؤں بھاگے اور سیدھے راجہ پرتھوی راج کے پاس جا کر دم لیا اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ لمحہ بھر کے لئے تو وہ بھی سکتہ میں آ گیا۔ اس کی ہر تدبیر الٹ پڑ رہی تھی۔ بولا۔
"یہ فقیر بابا کوئی معمولی فقیر نہیں لگتا۔ بہت بڑا درویش ہے یا پھر بہت بڑا جادوگر ہے۔ جس نے رام دیو جو ہمارا بڑا پنڈت' پروہت اور عالم تھا' اپنے مذہب کا رکھوالا تھا اور اپنے دھرم کو بچانے کے لئے دوسروں سے مناظرہ کیا کرتا تھا کو بھی اپنے مذہب میں شامل کر لیا ہے۔"

راجہ پرتھوی راج کو رہ رہ کر نجومیوں کی بات یاد آتی تھی۔ جو انہوں نے اس کی ماں کو بتائی تھی۔ حالات نے جو تانا بانا اس کے ارد گرد بن دیا تھا وہ اسے سوچنے پر مجبور کرتے تھے کہ اس کی سلطنت پر عنقریب زوال آنے والا ہے اور اس کی شمع حیات بھی کسی وقت بجھ سکتی ہے لیکن شاہی غرور و نخوت اور شان و شوکت اسے جھکنے نہیں دیتے تھے۔ بعض اوقات وہ سوچنے لگتا تھا۔
"اگر میں باوقار زندہ رہ سکتا ہوں تو باوقار انداز میں مر بھی سکتا ہوں۔"
اور پھر اس کے اندر انتقامی جذبات پنپنے لگتے تھے۔

جب سے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اجمیر میں تشریف لائے تھے اناساگر کے قریب ہی قیام پذیر تھے۔ ایک دن حضرت محمد عبداللہ قدس سرہ نے عرض کیا۔

"یا مرشدنا! میرے پاس ایک ٹکڑا زمین لب جھیل رہا ہے۔ وہ میں آپ کو ہدیہ

کرتا ہوں۔ اسے قبول فرمائیں اور آبادی میں چل کر قیام فرمائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق آپ کے قدموں کی برکت سے مستفید ہو۔ مسلمانوں کے لئے مسجد بھی تعمیر کرلیں گے۔ اس طرح دین اسلام کی اشاعت میں آسانی ہو گی۔ مزید برآں آپ کے لئے علیحدہ حجرہ بھی بن جائے گا۔"

آپ نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور پھر آپ وہاں منتقل ہو گئے۔

نئی جگہ پر پہنچ کر سب سے پہلے آپ نے مسجد اولیاء کی بنیاد رکھی۔ مطبخ خانہ اور مریدین کے لئے جماعت خانہ سب مل جل کر دن کو بناتے تھے اور رات کے وقت مسجد کی تعمیر کا کام کرتے تھے۔ کسی نے راجہ پرتھوی راج کو اطلاع کر دی۔

"مسلمان رات کو چراغوں کی روشنی میں مسجد تعمیر کر رہے ہیں۔"

سنتے ہی اس نے شہر میں اعلان کرا دیا کہ کوئی دوکاندار معین الدین اور اس کے درویشوں کو تیل نہ دے۔"

دوکانداروں نے مسلمانوں کو تیل فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور بتایا۔

"یہ پرتھوی راج کا حکم ہے۔ ہم تیل فروخت کر کے کسی مصیبت میں نہیں پڑنا چاہتے۔"

تو حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے مریدین کو تشویش لاحق ہوئی تو انہوں نے اپنے مرشد کو صورت حال سے آگاہ فرمایا۔

"پریشان نہ ہوں۔ انشاء اللہ سب بندوبست ہو جائے گا۔

آپ نے فرمایا تو مریدین مطمئن ہو گئے۔

رات کو جب آپ وضو فرمانے لگے تو نیچے ایک برتن رکھ لیا جس میں وضو کا پانی گرتا تھا۔ جب وضو فرما چکے تو مریدین سے فرمایا۔

"اسے چراغوں میں ڈال دو۔ انشاء اللہ تیل کی طرح جلے گا۔"
ور جب انہوں نے چراغ جلائے تو پہلے سے بھی تیز روشنی دینے لگے۔
اگلے دن جب راجہ پرتھوی راج کو علم ہوا تو سٹپٹا کر رہ گیا۔ اور اس نے آپ کے درویشوں کے ہاتھ تیل فروخت کرنے پر سے پابندی اٹھالی۔
اب راجہ پرتھوی راج کو پورا یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کا فقیر بابا بہت بڑا جادوگر ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کے امراء و وزراء کو بلایا اور کہا۔
"مسلمانوں کے فقیر معین الدین نے اجمیر میں جو صورت حال پیدا کر دی ہے اس سے تم بخوبی واقف ہو۔ اگر آج اس کا تدارک نہ کیا گیا تو آنے والے دنوں میں بہت بڑا فتنہ کھڑا ہو جائے گا۔ تم بتاؤ کیا کیا جائے۔"
"آپ نے بجا ارشاد فرمایا۔ مہاراج جادو کا توڑ جادو سے ہی کیا جا سکتا ہے۔" ایک وزیر نے کہا۔
"تم درست کہتے ہو۔ ان دنوں جے پال کا فن جادوگری میں سکہ چلتا ہے۔ تم اسے بلاؤ تاکہ اس مصیبت سے چھٹکارا ملے۔"
راجہ پرتھوی راج نے حکم دیا۔ چند دنوں کے بعد جے پال راجہ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ راجہ نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ عزت کا مقام دیا اور جے پال کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور بہت زیادہ انعام و اکرام کا لالچ دیا اور کہا۔

"جے پال! ہندو دھرم خطرے میں ہے۔ معین الدین کی شعبدہ بازی دیکھ کر بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔"

"یہ تو بہت برا ہوا۔ آپ فکر نہ کریں۔ مسلمانوں کا فقیر معین الدین پانچ منٹ بھی مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ آپ تاریخ مقرر کریں۔ میں اپنے دوسرے جادوگروں کے ہمراہ پہنچ جاؤں گا۔"

جے پال نے جس یقین کے ساتھ اپنے فن کی برتری کا اظہار کیا تھا اسے سن کر رائے پتھورا کو اطمینان ہو گیا تھا کہ معین الدین جے پال کا مقابلہ نہیں کر سکے گا اور وہ بڑی بیتابی سے مقررہ تاریخ کا انتظار کرنے لگا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے کانوں تک یہ بات پہنچی لیکن آپ نے اسے در خود اعتنا نہ سمجھا اور معمولات کے مطابق مصروف کار رہے۔

" مسلمان جادوگر اور ہندو جادوگر کا مقابلہ ہوگا۔ " یہ بات دور دور تک پھیل گئی اور اس مقابلہ کو دیکھنے کے لئے بے شمار لوگ اجمیر آنا شروع ہو گئے۔ یہ خبر جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کو پہنچی تو وہ ہندوؤں کی جہالت و کم عقلی پر مسکرا دیئے اور فرمایا۔

" اب بہت سے لوگوں کو حق اور ناحق میں فرق دیکھنے کا موقع میسر آئے گا اور کئی لوگوں کے سینے اسلام کے لئے کشادہ ہو جائیں گے۔"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کنار جھالرہ جہاں مقیم تھے اس کے سامنے وسیع و عریض میدان تھا۔ جہاں مقابلے کا انتظام کیا گیا تھا۔ روز مقررہ لوگوں کا جم غفیر موجود تھا۔ راجہ پرتھوی راج بمع اراکین سلطنت اونچی سی سٹیج پر براجمان تھا۔ جے پال اور دوسرے جادوگر بھی نخرد غرور سے بیٹھے ہوئے تھے۔

" حضور! ہمیں بھی میدان میں چل کر بیٹھنا چاہئے ورنہ یہ لوگ کیا کہیں گے کہ اسلام کو مقابل آنے کی ہمت نہ پڑی۔"

عبداللہ نے کہا۔

" اچھا یہ بات ہے تو چلو ہم بھی وہاں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ مریدین

نے جلدی سے ایک جگہ صفیں بچھا دیں۔ جب سب اس پر بیٹھ گئے تو آپ نے آیتہ الکرسی پڑھ کر سب کے گرد حصار کھینچ دیا۔

بے شمار لوگوں کی موجودگی کے باوجود مکمل خاموشی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جے پال اپنی جگہ سے اٹھا اور حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے پاس گیا اور ادب سے بولا۔

"سائیں بابا! پہلے میں اپنا جادو دکھاؤں یا آپ اپنے کمالات دکھائیں گے۔"

"تم نے جو کرنا ہے کرو۔"

آپ نے ارشاد فرمایا اور خود ذکر میں مشغول ہو گئے۔

جے پال نے واپس اپنی جگہ پر جا کر مالا پر کچھ پڑھنا شروع کیا۔ لوگوں کو یوں محسوس ہوا جیسے بے شمار سانپ پھنکارتے ہوئے حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کی جانب دوڑ رہے ہیں اور وہ آپ اور آپ کے مریدین کو ڈسنے لگیں گے۔ لوگ حیرت زدہ بھی تھے اور تالیاں بھی بجا رہے تھے۔ راجہ پرتھوی راج، اراکین سلطنت اور ان کے حرم کی عورتیں خوش ہو رہی تھیں۔ وہ سوچ رہے تھے۔

"اب مسلمانوں کا فقیر اور اس کے ساتھی ان سے کیسے بچیں گے۔"

اور اس لمحے کے منتظر تھے جب سانپ ان پر حملہ آور ہوں گے۔ مگر جلد ہی کفار کی امنگوں پر اوس پڑ گئی۔ سانپ خط حصار کے اندر جانے سے قاصر رہے اور وہیں مٹی کا ڈھیر بن گئے۔ لوگ تالیاں بجانا بھول گئے۔ وہی لوگ جو پہلے جے پال کے جادو کی تعریف میں رطب اللسان تھے وہی حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے کمال کے گن گا رہے تھے۔

"یہ کیا۔ ایک سانپ بھی ان لوگوں کے پاس نہیں پہنچ سکا۔"

راجہ پرتھوی راج نے غصے سے جے پال کو کہا۔

" آپ پریشان نہ ہوں' میرے ترکش میں کئی تیر ہیں۔ رام نے چاہا تو فتح ہماری ہو گی۔"

جے پال نے جواب دیا اور پھر جنتر منتر پڑھنے لگا۔ لوگوں نے دیکھا کہ آکاش سے آگ کے شعلے برس رہے ہیں۔ وہ حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کے ارد گرد گر رہے تھے لیکن آپ اور آپ کے ساتھیوں کو کسی نوع کا نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔

لوگوں کی خوشی مایوسی میں بدل گئی۔ راجہ پرتھوی راج پھر جے پال سے مخاطب ہوا۔

" تمہاری تو آگ بھی بے اثر ثابت ہوئی۔"

" مہاراج آپ گھبرائیں نہیں۔ بس دیکھتے جائیں۔ مسلمان فقیر میرے حملوں سے کب تک محفوظ رہے گا۔"

جے پال نے کہا اور پھر اپنے تھیلے سے ہرن کی جھال جس کا نام مرگ جھالی تھا نکالی۔ اسے زمین پر بچھایا اور اس پر بیٹھ کر کچھ پڑھنے لگا۔ معاً وہ کھال بمع جے پال فضا میں بلند ہوئی اور وہ ہوا میں پرواز کرنے لگا۔ لوگ تعریفوں کے ڈونگرے برسا رہے تھے۔ اس قدر شور تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے جوتوں کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

" جاؤ اور جے پال کو نیچے لاؤ"

یہ کہنے کی دیر تھی کہ جوتیاں فضا میں ابھریں اور جے پال کے سر پر زور زور سے برسنے لگیں۔ وہ سب کچھ بھول گیا۔ مالا کہیں جاگری اور ہرن کی کھال کہیں اور خود نڈھال ہو کر آپ کے قدموں پر گر پڑا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ اور پھر اس نے اپنے ساتھی جادوگروں کو مخاطب کر کے کہا۔

" پورے ہندوستان میں مجھ سے بڑھ کر کوئی اور جادوگر نہیں۔ جادو کی تمام اقسام سے واقف ہوں۔ لیکن حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ جادو گر نہیں۔ میرے جادو کے توڑ میں آپ کی روحانیت کا حصہ ہے۔ انجام بخیر چاہتے ہو تو تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔"

اس کے کہنے کی دیر تھی کہ وہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ اسلام کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔

راجہ پرتھوی راج کا آخری سہارا جے پال تھا کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ پر غالب آئے گا۔ لیکن اس کا وہ سہارا بھی ٹوٹ گیا تھا۔ میدان مقابلہ میں بہت سے لوگوں نے اسلام کو سینے سے لگا کر اسے بدحواس کر دیا تھا جس نے مسلمانوں کے خلاف آتش انتقام کو مزید بھڑکا دیا تھا۔ حالات کی زنجیر اس کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ ایک دن دربار لگائے بیٹھا تھا کہ خادم نے آکر عرض کی۔

" مہاراج! معین الدین کا کوئی آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

اس نے اعیان سلطنت کی طرف نگاہ ڈالی۔ دل میں امید کی ایک کرن جاگی۔ فرمایا۔

" بلاؤ۔"

تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص اندر داخل ہوا اور راجہ پرتھوی راج کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

" کیسے آئے ہو؟"

راجہ نے پوچھا۔

" مجھے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

"کس لئے؟"

راجہ نے دریافت کیا۔

"وہ فرماتے ہیں کہ آپ نے بذات خود اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ حق حق ہے اور ناحق ناحق۔ وہ آپ کو دعوت اسلام دیتے ہیں کہ اسی میں دنیا اور آخرت میں فلاح ہے۔"

یہ کہہ کر حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کا فرستادہ خاموش ہو گیا اور راجہ پرتھوی راج کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ راجہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور ترش لب و لہجہ میں بولا۔

"اپنے خواجہ سے کہنا کہ مجھے ان کی دعوت قبول نہیں۔"

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو جب بتایا گیا کہ راجہ پرتھوی راج نے دعوت اسلام رد کر دی ہے تو افسوس کرتے ہوئے فرمایا۔

"کتنا اچھا ہوتا اگر وہ مسلمان ہو جاتا۔"

دنوں میں مطبخ خانہ' جماعت خانہ' حجرہ اور مسجد اولیاء تیار ہو گئے تھے۔ آپ کے آستانے پر ہر وقت رونق لگی رہتی تھی۔ مریدین کی تربیت بھی ہو رہی تھی۔ نو مسلموں کو اسلام کی تعلیمات سے آراستہ کیا جا رہا تھا۔ درود و ذکر کی محفلیں سجتی تھیں۔ روز افزوں مسجد اولیاء میں نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اشاعت اسلام کا کام یکسوئی کے ساتھ ہو رہا تھا۔ پانچوں وقت جب مسجد سے اللہ کی عظمت و کبریائی کا اعلان ہوتا تھا تو کفر کے سینے پر سانپ لوٹنے لگتے تھے۔ لیکن جو شمع آپ نے فروزاں کی تھی اس کی روشنی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ لوگ دور و نزدیک سے آکر حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے۔ یہ سب باتیں راجہ پرتھوی راج کے سینے پر مونگ دلنے والی

تھیں۔ لہٰذا اس نے مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا اور وہ انہیں طرح طرح سے اذیتیں دینے لگا۔

جنگ ترائن میں شکست کھانے کے بعد شہاب الدین محمد غوری زخمی ناگ کی طرح تلملا رہا تھا۔ اس نے ہر طرح کا آرام و آسائش اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس نے محل سرائے میں بستر پر سونا ترک کر دیا تھا۔ نئے کپڑے نہیں پہنتے تھے اور خلج و غور و خراساں کے بے وفا امراء سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ ہر وقت انہیں سوچوں میں غلطاں رہتا تھا کہ اپنی شکست کا کس طرح بدلہ لے۔ اور اسلامی لشکر بغرض جہاد جمع کرنے میں کوشاں تھا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا اس کے اضطراب میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

وہ ایک خنک اور تاریک رات تھی۔ شہاب الدین محمد غوری محو استراحت تھا۔ وقت دبے گام گزر رہا تھا۔ عالم رویاء میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک نورانی چہرہ بزرگ آئے اور فرمایا۔

" اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کی سلطنت تمہیں بخشی ہے۔ جلد اس طرف توجہ کرو اور راجہ پرتھوی راج کو زندہ گرفتار کر کے سزا دو۔"

خواب دیکھ کر وہ فوراً اٹھ بیٹھا اور سوچنے لگا۔

"کیا یہ میرا وہم ہے یا حقیقت۔"

اور پھر خواب میں آ کر بشارت دینے والے بزرگ کا چہرہ مبارک اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔

" یہ بزرگ غلط نہیں کہہ سکتے۔"

وہ سوچنے لگا۔ دل بھی اس خیال کی تصدیق کر رہا تھا۔

اب نیند شہاب الدین محمد غوری کی آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی۔ بیتابی سے صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا لیکن آج کی رات اسے غیر معمولی طویل

محسوس ہو رہی تھی اور سویرا نمودار ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔

جب صبح ہوئی تو اس نے غزنیں کے علماء و فضلاء کو بلا بھیجا۔ جب سب آ گئے تو اس نے انہیں اپنا خواب سنایا اور اس کی تعبیر پوچھی۔

"بادشاہ سلامت! مبارک ہو۔ خواب بڑا واضح اور فتح و کامرانی کا مژدہ ہے۔"

علماء و فضلاء نے بیک زبان کہا اور پھر بولے۔

"اب آپ ہندوستان پر حملہ کرنے کی تیاری کریں۔"

"بظاہر ابھی تو کوئی صورت نظر نہیں آتی۔"

شہاب الدین محمد غوری نے کہا۔

"بشارت آپ کو مل گئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کارساز مطلق ہے وہ کوئی نہ کوئی صورت ضرور پیدا فرمائے گا۔ دل ہاریں نہیں۔"

علماء و فضلاء کے کہنے پر اس کی ڈھارس بندھی اور وہ اسلامی لشکر جمع کرنے میں مزید مستعدی و تندہی سے کام کرنے لگا۔

ایک دن شہاب الدین محمد غوری بیٹھا تھا کہ اس کا معتمد سردار معین الدین تولکی جو علاقہ تولک کی پہاڑیوں کے سرداروں کا سرغنہ تھا حاضر خدمت ہوا اور کہا۔

"ایک لاکھ بیس ہزار مسلح سوار جذبہ جہاد سے سرشار آپ کے حکم کے منتظر تیار بیٹھے ہیں۔"

شہاب الدین محمد غوری نے یہ خوشخبری سنی تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا اور باطنی و ظاہری طور پر مطمئن ہو گیا۔

ابھی یہ دونوں بیٹھے ہندوستان پر حملہ کی منصوبہ بندی کر رہے تھے کہ چوبدار نے قنوج کے راجہ جے چندر کے ایلچی کے آنے کی اطلاع دی۔

"بھیج دو۔"

شہاب الدین محمد غوری نے چوبدار سے کہا تو وہ واپس لوٹ گیا۔
راجہ جے چندر اور راجہ پر تھوی راج کی آپس میں سخت مخالفت و عداوت تھی۔ ان کی باہمی نوک جھونک ہوتی رہتی تھی۔ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کی روادار نہ تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے چارہ جوئی کرتے رہتے تھے۔ شہاب الدین محمد غوری نے جب پر تھوی راج سے شکست کھائی تھی تو اعلان کیا تھا۔
"میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک اس کا بدلہ نہ لے لوں گا۔"
راجہ جے چندر کو بھی اس کا علم تھا۔ اسی سلسلہ میں اس نے اپنا ایلچی بھیجا تھا۔ وہ شاہی آداب بجا لایا اور راجہ جے چندر کا رقعہ شہاب الدین محمد غوری کی خدمت میں پیش کیا۔ لکھا تھا۔
"شہاب الدین محمد غوری تم دہلی پر حملہ کرو۔ میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا اور پوری پوری مدد کروں گا۔ مزید برآں وہ راجے جو راجہ پر تھوی راج کے مخالف ہیں وہ بھی سد راہ نہ ہوں گے۔"
یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ کفار و مشرک بھی مدد پر آمادہ ہو گئے تھے۔ خط کے جواب میں شہاب الدین محمد غوری نے لکھا۔
"انشاء اللہ ہم عنقریب حملہ آور ہوں گے اور راجہ پر تھوی راج کو زندہ گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دیں گے۔"
اور قاصد کو واپس بھیج دیا۔
اسلامی لشکر بڑی شان و شوکت کے ساتھ راجہ پر تھوی راج سے نبرد آزما ہونے کے لئے غزنیں سے روانہ ہوا۔ جب وارد پشاور ہوا تو وہاں ایک ولی اللہ مرد غوری سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا۔

"شہاب الدین محمد غوری کہاں کا عزم ہے۔"

"یا حضرت! راجہ پرتھوی راجہ سے جہاد کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ آج سے ایک سال قبل بلخ و غور و خراساں کے امراء کی بیوفائی کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس وقت سے میں نے انہیں منہ تک نہیں لگایا۔"

یہ سن کر مرد غوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"شہاب الدین محمد غوری! بہتر ہے کہ ان امراء کا قصور معاف کر دو۔ ان کو اپنے پاس بلاؤ۔ عزت و آبرو بخشو تا کہ وہ جان لڑا کر جنگ میں حصہ لیں اور پہلی بدنامی و شکست کا داغ دھوئیں۔ فکر نہ کرو انشاء اللہ فتح و نصرت تمہارے قدم چومے گی۔"

پیر مرد غوری رحمتہ اللہ علیہ کی نصیحت نے شہاب الدین محمد غوری پر خاصا اثر کیا۔ ملتان پہنچ کر اس نے دربار لگایا۔ تمام امراء کو دعوت شرکت دی۔ ان کی خطا معاف کی اور کہا۔

"اے مسلمانو! سال گذشتہ اسلام کے دامن پر جو داغ لگا ہے اس کا دھونا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

امراء کو بھی احساس ہوا کہ ماضی میں ان سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی تھی۔ لہٰذا انہوں نے وعدہ کیا کہ اسلام کی سربلندی کے لئے وہ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کریں گے۔

جب اسلامی لشکر لاہور پہنچا تو شہاب الدین محمد غوری نے قوام الملک رکن الدین حمزہ کو بطور ایلچی راجہ پرتھوی راج کے پاس بھیجا۔ جو تیز رفتار گھوڑے پر اجمیر کی جانب چل پڑا۔

دعوت اسلام کے جواب میں راجہ پرتھوی راج ملقب بہ رائے پتھورا نے مسلمانوں کو تنگ کرنے کے لئے مزید دانت تیز کر لئے تھے اور ان

کو طرح طرح سے اذیتیں دیتا رہتا تھا۔ جب وہ شکایت لے کر حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر عرض کرتے تو آپ فرماتے۔

"صبر کرو' سب ٹھیک ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔"

ایک روز راجہ پرتھوی راج نے ایک مسلمان ملازم کو جو خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کا مرید تھا بے حد ستایا۔ وہ آستانہ عالیہ پر حاضر ہوا اور حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ سے فریاد کی۔ آپ نے راجہ کو لکھ بھیجا۔

"اسے مت ستایا کرو۔"

رقعہ پڑھ کر راجہ پرتھوی راج بڑا جز بز ہوا اور بڑے غرور و تکبر سے اہل دربار کو مخاطب کر کے کہا۔

"معین الدین اور اس کے ساتھی مشکوک ہیں ان کو یہاں سے ہٹا دینا چاہئے۔"

سفارشی شخص نے آکر حضرت خواجہ معین الدین غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کو بتایا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

"ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے حوالے کر دیا ہے۔"

اس وقت محفل میں موجود افراد کو سمجھ میں نہ آیا کہ پتھورا کو زندہ کس کے حوالے کر دیا ہے۔ لیکن وہ ادباً خاموش رہے اور انتظار کرنے لگے کہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

یہ بات راجہ پرتھوی راج کے کانوں تک بھی پہنچی تو غصے سے اس کا خون کھولنے لگا۔ اب اس کے لئے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی اجمیر میں موجودگی ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ وہ ایک پل بھی آپ کے وجود کو برداشت پر آمادہ نہ تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ کل وہ آپ اور آپ کے ساتھیوں کو اجمیر سے نکال دے گا۔ اور جو ہو گا پھر دیکھا جائے گا۔

اگلے دن ہی معزز الدین محمد سام غوری ملقب بہ شہاب الدین محمد غوری کا ایلچی پہنچ گیا۔ راجہ پرتھوی راج نے بڑے کروفر سے دربار منعقد کیا اور ایلچی کو بلایا۔ اس نے ایک خط پیش کیا اور خاموش کھڑا ہو گیا۔ خط پڑھ کر سنایا گیا۔ لکھا تھا۔

" پرتھوی راج' میں عظیم لشکر کے ساتھ ہندوستان آنے والا ہوں۔ خون خرابے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ بہتر ہے بھٹنڈہ کے قلعہ سے دستبردار ہو کر اطاعت کر لو۔ ورنہ نتیجہ ظاہر ہے۔ گھمسان کا رن پڑے گا۔ پھر جو بھی نتیجہ ہو۔"

جب راجہ پرتھوی راج کے منہ چڑھے چندابھانٹ نے خط ختم کیا تو راجہ پرتھوی راج نے حقارت سے مسلمانوں کے ایلچی کی طرف دیکھا۔ گردن غرور سے اکڑ گئی۔ اس نے پیغام کو ذرہ برابر اہمیت نہ دی۔ اسے اپنی طاقت پر ناز تھا۔ اپنی شجاعت پر گھمنڈ تھا۔ راجپوتوں کی وفاداری اور راجاؤں کی امداد پر کلی اعتماد تھا۔ اپنی فوج اور قوت بازو پر زعم تھا۔ پچھلے سال مسلمانوں کو شکست دینے کی وجہ سے اس کا دماغ اور بھی خراب ہو گیا تھا۔ اس نے کاتب کو خط کا جواب لکھایا۔

" شہاب الدین محمد غوری ! شاید ماضی کی شکست سے تم نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ ہماری بے شمار فوج کی تیاری اور اس کا جوش و خروش تم کو ہنوز یاد ہو گا۔ ہر روز اطراف ہندوستان سے لشکر پہنچ رہے ہیں۔ اگر اپنے پر تم کو رحم نہیں آتا تو اپنی نامراد فوج پر ہی رحم کرو۔ اور اپنے آنے پر پشیمان ہو کر واپس لوٹ جاؤ۔ ورنہ اس کے لئے آمادہ و تیار ہو جاؤ کہ تین ہزار سے زائد صف شکن ہاتھی۔ بے شمار پیادے اور تیرانداز تمہارے لشکر پر حملہ آور ہوں گے اور ہاتھیوں سے تمہیں اور تمہاری فوج کو کچل دیا جائے گا۔"

مسلمانوں کا ایلچی خط کا جواب لے کر واپس لوٹ گیا۔ راجہ پر تھوی راج نے فی الوقت حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے ساتھیوں کو اجمیر سے نکالنے کا منصوبہ ملتوی کر دیا اور خود جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ اس نے تمام راجاؤں کی طرف قاصد دوڑا دیئے اور ان سے مدد طلب کی۔ خط میں لکھا۔

"اگر آج مسلمانوں کی یلغار کو نہ روکا گیا اور انہیں شکست سے دوچار نہ کیا گیا تو پھر ہندوستان پر مسلمان راج قائم ہو جائے گا۔ پھر کسی کی حکومت برقرار نہیں رہے گی۔"

راجہ پر تھوی راج کی آواز پر ڈیڑھ صد راجاؤں نے لبیک کہا۔ ان میں راجہ جے چندر اور دوسرے راجے شامل نہ ہوئے جن کے ساتھ راجہ پر تھوی راج کی بنتی نہیں تھیں۔ مختصر سے عرصے میں بہت بڑا لشکر راجہ پر تھوی راج کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا۔ اس میں تین ہزار مست ہاتھی' تین لاکھ سوار اور بے شمار پیادہ شامل تھے۔ لیکن ان کے مقابل مسلمان لشکر کی تعداد صرف ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ دونوں فوجوں نے سرسوتی دریا کے پار مورچے لگائے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ تھا اور کفار کو عددی قوت پر ناز و گھمنڈ تھا۔ اپنے مقابل مسلمانوں کی کم تعداد نے اس کے غرور و تکبر میں کئی گنا اضافہ کر دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں وہ مسلمانوں کو شکست کھا کر بھاگنے پر مجبور کر دے گا۔ اور پھر وہ کبھی ادھر کا رخ نہ کریں گے۔

شہاب الدین محمد غوری نے اپنی فوج کو چار حصوں میں منقسم کیا اور ہر ایک کو باری باری میدان جنگ میں کودنے کا حکم دیا۔

جنگ کے آغاز سے قبل اس نے باری باری فوج کے چاروں حصوں

کے سامنے جا کر پرجوش تقریر کی۔ اپنے اسلاف کے کارناموں کو دوہرایا۔ حضرت خالد بن ولید' حضرت عبیدہ بن الجراح' حضرت یزید بن سفیان' حضرت عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم عظیم سپہ سالاران اسلام کی مثالیں دیں اور کہا۔

"مسلمان عددی برتری و قوت پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے۔ جان توڑ کر کفار و مشرکین کا مقابلہ کرو۔ اسلام کی سربلندی کے لئے لڑو۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لڑو۔ حوران خلد تمہاری منتظر ہیں۔"

اس تقریر کے بعد مسلمانوں کے جوش و جذبہ کا عالم دیدنی تھا۔ جونہی شہاب الدین محمد غوری نے اشارا کیا تو فوج کا پہلا حصہ آگے بڑھا۔ راجہ پرتھوی راج جو ڈیڑھ صد راجاؤں کے ہمراہ ایک پیڑ کے نیچے فروکش تھا اس نے چند ہزار مسلمانوں کو آگے بڑھتے دیکھا تو مسکرایا اور کہا۔

"باقی فوج شہاب الدین غوری نے شاید بھاگنے کے لئے رکھی ہے۔"

اور پھر راجہ پرتھوی راج اور دوسرے عام راجاؤں نے اپنی اپنی تلوار پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی۔

"اب یا تو فتح ہو گی یا موت۔"

اور پھر راجہ پرتھوی راج کے اشارے پر ساری فوج حرکت میں آگئی اور یکبارگی مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ بظاہر انہوں نے مسلمانوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ اگر راجپوت بے جگری سے لڑ رہے تھے تو مسلمانوں کا جذبہ شہادت دیکھ کر وہ بھی عش عش کر رہے تھے۔ کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے۔ معاً شہاب الدین محمد غوری نے فوج کے دوسرے تازہ دم حصے کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ وہ برق رفتاری سے آگے بڑھے اور کفار پر تابڑ توڑ حملے کرنے لگے۔ پرتھوی راج اور اس کے ساتھی راجاؤں نے جب دیکھا کہ جنگ شدت اختیار کر گئی ہے تو خود

بھی میدان جنگ میں کود پڑے تاکہ اپنی اپنی فوجوں کے حوصلے بڑھائیں۔

مسلمانوں کی تازہ دم فوج نے خوشگوار اثرات مرتب کئے۔ کفار کی افواج جو صبح سے برسرپیکار تھیں ان پر تھکن کے آثار نمایاں ہونے شروع ہو گئے تھے۔ شہاب الدین غوری نے فوج کے تیسرے حصے کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ تازہ دم فوج عقابوں کی طرح کافرچڑیوں پر لپکی۔ انہوں نے جب اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر حملہ کیا تو راجہ پرتھوی راج کا لشکر بد حواس ہو گیا۔ ہندو راجے اپنی اپنی فوج کی ہمت بندھا رہے تھے۔ لیکن صبح سے تلواریں چلاتے ہوئے ان کے بازو شل ہو گئے تھے۔ ہاتھی بھی بے بس نظر آتے تھے۔ کئی ایک نیزوں اور تیروں کا شکار ہو کر ڈھیر ہو گئے تھے۔ بہت سے ہاتھیوں نے اپنی ہی فوج کے کئی افراد کو کچل دیا تھا۔ مسلمانوں کے اُس حملے نے کفار کو تھوڑا پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جب شہاب الدین غوری نے دیکھا کہ راجہ پرتھوی راج کی فوج کے پاؤں اکھڑنے والے ہیں تو اس نے فوج کے چوتھے تازہ دم حصے کو بھی حملے کا اذن دے دیا۔ جو نعرہ تکبیر بلند کرتا ہوا لشکر کفار پر قہربن کر ٹوٹا۔ اسی اثنا میں کھانڈے راؤ دوسرے بہت سے راجاؤں کے ہمراہ واصل جہنم ہوا تو راجہ پرتھوی راج کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ جان بچانے کے لئے جس کا جدھر منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔ راجہ پرتھوی راج دریائے سرسوتی کے کنارے گرفتار کر لیا گیا۔ اسے شہاب الدین محمد غوری کی سامنے پیش کیا اور پھر اس کے حکم سے پرتھوی راج کی گردن مار دی گئی۔

ترائن کی دوسری جنگ میں مسلمانوں کی فتح نے ہندوستان کی تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا۔ شہاب الدین محمد غوری دہلی کی طرف بڑھا تو راستے میں کسی طرح کی کوئی مزاحمت نہیں ہوئی۔ دہلی کا انتظام سنبھالنے کے بعد وہاں اپنے معتمد غلام قطب الدین ایبک کو نائب مقرر کیا۔ تھوڑا عرصہ دہلی

میں قیام کرنے کے بعد راجہ جے چندر والی قنوج اور دوسرے راجاؤں کی معیت میں اجمیر گیا۔

جب وہ اجمیر میں داخل ہوا تو مغرب کا وقت تھا۔ اتنے میں اس نے اذان کی آواز سنی تو حیران رہ گیا۔

"یہ اذان کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟"

شہاب الدین محمد غوری نے دریافت کیا۔

"کچھ عرصے سے یہاں چند درویش قیام پذیر ہیں"

کسی نے بتایا تو وہ نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد میں گیا۔ اس وقت جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ شہاب الدین محمد غوری جماعت میں شامل ہو گیا۔ جب نماز ختم ہوئی تو اس کی نظر حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ پر پڑی تو اسے حیرت انگیز خوشی ہوئی۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یہ وہی بزرگ تھے جنہوں نے خواب میں آکر ہندوستان کی فتح کی بشارت دی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھا آپ کی خدمت میں پہنچا اور قدموں پر گر پڑا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جب جذبات محبت و تشکر اعتدال پر آئے تو بڑے مودب انداز سے عرض کی۔

"یا خواجہ! اپنی مریدی کا اس ناچیز کو شرف بخشیں۔"

آپ نے محبت و شفقت سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیا۔

اسلامی حکومت کے استحکام کے لئے ضروری تھا کہ زیادہ اکھاڑ پچھاڑ نہ کی جائے اور شورشوں کو ابھرنے سے روکا جائے۔ لہٰذا راجہ پرتھوی راج کے بیٹے "کولا" کو اجمیر کا والی مقرر کیا اور کہا۔

"وعدہ کرو کہ تم حکومت کے فرمانبردار رہو گے اور خراج برابر ادا کرو گے۔"

اس نے وعدہ کر لیا۔ یہ اقدام اس لئے بھی ضروری تھا کہ اگرچہ اجمیر میں اسلام کی رونق روز افزوں دوبالا ہو رہی تھی۔ لیکن یہاں سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر کفر کا غلبہ تھا۔

شہاب الدین محمد غوری نے چند روز حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں گزارے اور پھر فیض سے بہرور ہو کر واپس خراسان چلا گیا۔

باب ۱۰

حسن سیرت و اخلاق

اخلاق کریمانہ اور اوصاف حمیدہ میں ایسی قوت پنہاں ہے جس سے پتھروں کو موم بنایا جا سکتا ہے۔ سنگلاخ چٹانوں کو ریزہ ریزہ کیا جاسکتا ہے۔ شوریدہ سر سمندروں کو پرسکون بنایا جاسکتا ہے۔ اندھیروں میں روشنی کی نقب لگائی جاسکتی ہے۔ جانی دشمنوں کو دوست بنایا جاسکتا ہے۔ باطل کی قوتوں کو مسخر کیا جاسکتا ہے اور غیر کو خیر کے سانچے میں ڈھالا جاسکتا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ جب کفرستان اجمیر میں تشریف لائے تو مکارم اخلاق کا ایسا پیکر و نمونہ تھے کہ اغیار بھی ان پر انگشت نمائی نہیں کر سکتے تھے۔ جو آپ سے ایک بار مل لیتا تھا آپ کی شرافت و نجابت اور حسن سیرت و اخلاق عالیہ کا مداح ہو جاتا تھا۔ کفار کی جانب سے اسلام دشمنی کے ہروار کو اخلاق کی ڈھال پر روکا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی دشمنی کی دیواروں میں دراڑیں پڑنے لگی تھیں۔

دہلی میں اسلامی حکومت کے قیام اور اجمیر میں راجہ پرتھوی راج کے فرزند "کولا" کا باجگزار حاکم ہونے کی وجہ سے اسلام دشمنی و عناد، کفار و مشرکین کے سینوں کے اندر چھپ گیا تھا لیکن وہ جب بھی موقع ملتا اس کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ علاوہ ازیں اجمیر کی حدود کے باہر کفر و شرک ہنوز عروج پر تھا۔ اور "کولا" کی حاکمیت معاندین اسلام کے لئے پناہ گاہ کا کام دیتی

تھی۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ اسلام کبھی بزور شمشیر نہیں پھیلا۔ اسلام رواداری اور برداشت کا سبق دیتا ہے۔ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کے مذہب میں مداخلت کی جائے یا اسے زجر و توبیخ کا نشانہ بنایا جائے۔ یہ صرف اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کرشمہ تھا کہ خون کے پیاسوں کو بھائی چارے کی لڑی میں پرو دیا۔ اولیاء اللہ اطاعت و اتباع رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں بڑے شدید ہوتے ہیں۔ ان کے اخلاق و اوصاف میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اخلاق و سیرت کی جھلک ہوتی ہے جس سے ہر جگہ دوستی پھیلتی ہے اور پروانے ازخود اس طرف آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کا سارا وقت عبادت میں گزرتا تھا۔ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرماتے تھے۔ اکثر روزے سے رہتے تھے۔ ساتویں دن خشک روٹی کو پانی میں بھگو کر افطار کرتے تھے۔ تلاوت قرآن پاک کثرت سے کرتے رہتے تھے۔ درود پاک سے زبان مبارک کو ہر لحظہ تر رکھتے تھے۔ بعض اوقات ذوق عبادت میں اجمیر سے باہر پہاڑیوں' غاروں اور جنگلوں میں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے رہتے تھے۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی یاد میں اس قدر مست ہو جاتے تھے کہ گرد و نواح کا ذرہ ذرہ اللہ اللہ پکارنے لگتا تھا۔ فرائض کی ادائیگی کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ تعلیمات چشتیہ کے مطابق زیادہ تر کام گرمی دل' بیتابی روح اور آہ سوزاں سے کام لیتے تھے۔ آپ نے جو معمولات اپنا رکھے تھے ان میں سرمو فرق نہیں آنے دیتے تھے۔

ظاہری و باطنی طور پر آپ اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر بڑا زور دیتے تھے۔ ہمیشہ باوضو بادۂ عشق مصطفیٰ رحمت للعالمین صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلم میں محو و مست رہتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جب ذکر عالیہ فرماتے تو بے حد ادب و محبت کا اظہار فرماتے تھے۔ جب کوئی حدیث پاک بیاں فرماتے تو گریہ کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ حسرت و درد بھرے لہجے میں فرماتے۔

" قیامت میں اس شخص کا کیا حال ہو گا اور وہ کیا کرے گا جس کو عیاذاً باللہ حضور نبوی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے شرمندگی ہو گی۔"

آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ چہرہ مبارک پر اکثر غم و اندوہ کے بادل چھائے رہتے تھے۔ اکثر دعا فرمایا کرتے تھے۔

" اے اللہ ! جہاں کہیں درد محبت ہو اپنے معین کو عطا فرما۔"

جب آپ حالت استغراق میں ہوتے تو کافی دیر آنکھیں بند کئے معرفت الٰہیہ کے جلوؤں سے بہرہ ور ہوتے رہتے تھے اور جب آنکھیں وا فرماتے تو نظر جس پر پڑتی اسے متوالا بنا دیتی تھی۔

آپ کا کوئی عمل قرآن و حدیث سے باہر نہ تھا۔ غیر مسلم بھی آپ کے اخلاق و سیرت و اوصاف سے ذہنی طور پر غلام بن کر رہ گئے تھے۔ جب کبھی ان پر کوئی مصیبت و ابتلا وارد ہوتی تو اس کا مداوا تلاش کرنے کے لئے آپ کے در اقدس پر حاضر ہوتے تھے اور مطمئن و آسودہ ہو کر لوٹتے تھے۔ آپ تنگ نظری سے کوسوں دور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوؤں کو جوتشیوں' نجومیوں اور پروہتوں کی باتوں سے اتنا سکون نہیں ملتا تھا جتنا آپ کی باتیں سن کر وہ سکھ اور چین محسوس کرتے تھے۔ اگرچہ بات آپ کی مختصر ہوتی تھی لیکن اپنی معنویت و جامعیت کے لحاظ سے پر تاثیر ہوتی تھی۔

تحمل و بردباری آپ کی شان' عفو و درگزر آپ کا شیوہ اور جود و

سخا آپ کا وصف تھا۔ اپنے پاس کچھ جمع کر کے نہیں رکھتے تھے۔ جو کچھ بطور نذرانہ محبت پیش کیا جاتا فوراً تقسیم فرما دیتے تھے۔ کبھی کوئی سائل' حاجت مند تہی دامن و بے نیل و مرام نہیں لوٹتا تھا۔ غریبوں' محتاجوں' یتیموں اور بیواؤں کی دستگیری و مدد فرماتے تھے۔ بھوکوں کو کھانا کھلا کر بہت خوش ہوتے تھے۔ اگر کوئی مظلوم ہوتا تو اس کو ظالم کے پنجہ ظلم و استبداد سے رہائی دلاتے تھے۔ سلام کرنے میں سبقت فرماتے تھے۔ حلیم الطبع اور منکسر المزاج تھے۔ لباس بے حد سادہ تھا۔ پھٹ جاتا تو پیوند لگا لیتے تھے۔ ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ آپ اس سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ الغرض آپ لوگوں کے دلوں اور دماغوں پر راج کرتے تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے غوثی و قطب الاقطابی کے مقامات طے کر لئے تھے۔ قطب وحدت کے درجے پر فائز تھے۔ مرتبہ محبوبیت پر پہنچ گئے تھے اور احدیث میں فنا ہو کر دوست کے رنگ میں رنگ گئے تھے۔ یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل و کرم' نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر رحمت' پیرو مرشد حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی توجہ اور بزرگان دین کے فیض کا نتیجہ تھا کہ روز افزوں معرفت الٰہیہ کی منازل طے کر رہے تھے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے ہر چیز اس کی تابع ہو جاتی ہے اور وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ ابتداء میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ روحانی طور پر حج کے موقعہ پر وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ زیارت کعبہ سے مشرف ہوتے تھے۔ جو لوگ حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہوتے وہ حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کو وہاں موجود پاتے حالانکہ وہ اپنے حجرے میں موجود

ہوتے تھے۔ لیکن بعد میں روحانیت میں یہ کمال حاصل ہوا کہ جامع مسجد اجمیر میں عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے حجرہ مبارک میں تشریف لے جاتے اور جب نماز فجر کے وقت باہر تشریف لاتے تو چہرہ مبارک نور سے چمک رہا ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔

"عشاء کی نماز تمہارے ساتھ ادا کرتا ہوں۔ رات بھر کعبہ شریف کی زیارت و طواف کرتا ہوں اور صبح کی نماز کے وقت واپس آجاتا ہوں۔"

آپ کو دست غیب بھی حاصل تھا کہ سارے شہر کے غربا و مساکین پیٹ بھر کر کھاتے تھے اور پھر بھی بچ جاتا تھا۔ لنگر کا ناظم جب بھی لنگر کے لئے پیسے طلب کرتا تو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ مصلے کا ایک کنارہ اٹھاتے اور فرماتے۔

"جتنی ضرورت ہے لے لو۔"

مصلٰی کے نیچے خزانہ ہوتا تھا۔ لیکن وہی خادم جب نماز کے بعد مصلے کو اٹھاتا تو وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو مختلف خطابات و القابات سے نوازا گیا جو آپ کے اوصاف و خواص کی عکاسی کرتے تھے۔ یہ خطابات و القابات آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم' بزرگان دین اور علمائے عظام کی طرف سے عطا ہوئے تھے۔ مریدین و حاضرین اکثر آپ کو انہیں خطابات و القابات سے مخاطب کیا کرتے تھے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ قطب المشائخ بر و بحر (یہ خطاب بارگاہ رسالتماب ﷺ سے عطا ہوا تھا۔)

۲۔ ہند النبی	۳۔ عطائے رسول
۴۔ خواجہ اجمیر	۵۔ خواجہ بزرگ
۶۔ ہند الولی	۷۔ غریب نواز

۸ سلطان الہند
۹- نائب رسول فی الہند

القابات

۱- تاج المقربین و المحققین
۲- سید العابدین
۳- تاج العاشقین
۴- برہان الواصلین
۵- آفتاب جہاں
۶- پناہ بے کساں
۷- دلیل العارفین
۸- مخزن معرفت
۹- قدوۃ الاولیاء
۱۰- سلطان العارفین
۱۱- قطب دوراں
۱۲- معین الملت
۱۳- وارث الانبیاء والمرسلین
۱۴- امام شریعت و طریقت
۱۵- مقتدائے ارباب دین
۱۶- پیشوائے ارباب یقین
۱۷- صاحب اسرار
۱۸- مہبط انوار
۱۹- برہان الاصفیاء
۲۰- عالم علم ظاہری و باطنی
۲۱- قدوۃ السالکین
۲۲- واقف رموز صوری و معنوی
۲۳- معین الحق
۲۴- محب اولیائے زماں
۲۵- رہنمائے کاملین
۲۶- ملک المشائخ
۲۷- سلطان السالکین
۲۸- منہاج المتقین
۲۹- قطب الاولیاء
۳۰- شمس الفقراء
۳۱- ختم المہتدین
۳۲- سلطان العاشقین
۳۳- برہان العارفین
۳۴- قطب الاقطاب
۳۵- حجتہ الاولیاء
۳۶- مخزن المعرفت والحقیقت
۳۷- پردہ انداز اسرار غیبی
۳۸- چہرہ کشائے صور لاریبی
۳۹- سرحلقہ مشائخ
۴۰- زبدۂ مشائخ اجل و قدوۂ اولیاء اکمل

ولایت ہند ختم المرسلین، رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عطا کردہ تھی اور حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو اجمیر میں بھیجنے کا مقصد اولیٰ یہ تھا کہ یہاں ظلمت کفر کو دور کر کے اسلام کو رونق پذیر کیا جائے۔ اس کے لئے آپ نے جلسے یا جلوسوں کا سہارا نہیں لیا بلکہ جو طریق کار اختیار کیا گیا وہ اس قدر پر کشش اور دل پذیر تھا کہ لوگ ازخود اس سے متاثر ہوتے اور اسلام سے وابستہ ہوتے تھے۔

آپ قرآنی تعلیمات کو اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پیش کرتے تھے اور اخلاق کا عملی نمونہ اپنی زندگی سے پیش کرتے تھے۔ آپ کی زبان کم اور عمل زیادہ بولتا تھا۔ دوسروں کے غموں اور خوشیوں میں شریک ہوتے تھے اور حسب حال اپنا کردار ادا کرتے تھے۔ اگر کوئی غموں، فکروں اور مشکلات و مصائب کی چٹانوں کے نیچے دبا ہوتا تو دامے درہمے اور سخنے اس کی مدد کرتے تھے اور جب تک وہ شخص اپنے دکھوں سے چھٹکارا نہیں پا لیتا ہے آپ اپنی اعانت و مدد سے دست کش نہیں ہوتے تھے۔ اگر کسی کے ہاں خوشی کا موقع ہوتا تو وہاں جا کر دعائے خیر کرتے تھے۔ آپ کے رویئے کے مقابل ان لوگوں کے اپنوں کا رویہ بالکل جداگانہ ہوتا تھا جس سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔

جو شخص آپ سے ملاقی ہوتا اس سے بڑی عزت و احترام سے پیش آتے۔ خاطر مدارات کرتے۔ جس غرض و غایت سے آتا اس پر پوری توجہ فرماتے اور کسی معاملہ میں آپ کی مدد درکار ہوتی تو اس میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے تھے۔ بذل و احسان سے لوگ آپ کے قریب ہو جاتے اور جب وہ دیکھتے کہ آپ اور آپ کے ساتھی درویشوں کی زندگی بڑے اطمینان و آسودگی سے گزر رہی ہے تو ان کے اندر رشک پیدا ہوتا۔ سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ آخر

ایسا کیوں ہے۔ یہ بے نوائی و فقیری میں بھی خوش و خرم ہیں اور ہم سب کچھ ہونے کے باوجود بے اطمینانی و اضطراب کا شکار ہیں۔

جب کسی معاملے میں رہنمائی طلب کی جاتی یا مشورے کے لئے عرض کیا جاتا تو انسانی زندگی سے امثال و مشاہدات کے حوالے سے نکات واضح فرماتے تھے۔ جس سے اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ جب کہ ان کے اپنے لوگ الجھاؤ میں مزید اضافہ کر دیتے تھے۔ لہٰذا انہیں یقین ہو جاتا تھا کہ آپ جو بھی ارشاد فرماتے ہیں مبنی بر حقائق و صداقت ہے۔

گفتگو بہت مختصر مگر مدلل ہوتی تھی۔ علمیت کے ساتھ توہمات کا رد فرماتے تھے۔ اصنام پرستی کی تاریخ سے پردہ اٹھا کر اس کے بے حقیقت ہونے کا ثبوت دیتے کہ دوسروں کو تسلیم کئے بغیر چارہ کار نظر نہ آتا تھا اور وہ غور و تدبر پر مجبور ہو جاتے تھے۔

کسی کی ذات اور مذہب پر تنقید و تبصرہ کرنے سے بھی لوگ ایک دوسرے سے پرے ہٹ جاتے ہیں۔ اولیاء اللہ کا مقام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس سے جوڑنے کے لئے آتے ہیں توڑنے کے لئے نہیں۔ لہٰذا آپ کا طریقہ تبلیغ تنقید و تبصرہ سے مبرا تھا۔ لوگ بے دھڑک آپ کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ سب لوگ خود کو آپ کے سایہ شفقت میں محسوس کرتے تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے مریدین کا طرز عمل، حسن سلوک اور سادہ و پاک زندگی بھی خاموش تبلیغ کا کام دیتی تھی۔ اغیار جب ان کو دیکھتے تھے تو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔

بعض مریدین و خلفاء کو آپ نے تبلیغ حق پر متعین کر رکھا تھا جو اجمیر

کے قرب و جوار میں جا کر اسلام کی حقانیت واضح کرتے رہتے تھے۔ آپ ان کی مناسب تربیت فرماتے اور ضروری ہدایات دیتے تھے اور ان کی نگرانی خود کرتے تھے۔ اگر کبھی انہیں کسی مشکل مقام و صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا تو وہاں بذات خود تشریف لے جاتے تھے۔

آپ کی تبلیغ میں کوئی غرض و غایت' شوکت نفس' نام و نمود یا انعام و صلہ کو قطعاً عمل دخل نہیں تھا۔ سب کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا اور اس کے محبوب و حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم کی تکمیل میں کر رہے تھے۔ اس انداز و طریق تبلیغ نے کفار و مشرکین کے اذہان و قلوب میں انقلاب عظیم برپا کر دیا اور نور اسلام اپنی تابانیوں اور رحمتوں کے ساتھ پھیلنے لگا۔

اجمیر کے نواح میں ایک کڑ کافر رہتا تھا۔ وہ اسلام دشمنی میں ہمیشہ پیش پیش ہوتا اور کوشش کرتا کہ لوگوں کو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ سے بدظن کرے اور ان کو آپ کے پاس آنے سے روکے۔ لیکن آپ کا جب بھی کبھی اس سے آمنا سامنا ہوتا تو اس کی بڑی عزت کرتے اور فرماتے۔

"یہ مرد صاحب نعمت اور ولی اللہ ہے۔"

آپ کی بات سن کر لوگ بڑے متحیر و حیران ہوتے کہ وہ شخص اسلام اور مسلمانوں کا شدید مخالف و دشمن ہے اور حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ اسے اولیاء اللہ میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن یہ عقدہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

یہ بات اس شخص تک بھی پہنچی تو اس کے باطن میں ہلچل سی مچ گئی۔

"میں خواجہ اجمیر رحمتہ اللہ علیہ کو کس آنکھ سے دیکھتا ہوں اور وہ مجھے کس

آنکھ سے دیکھتے ہیں۔"

وہ سوچنے لگتا۔

"آج تک جو کچھ مسلمانوں کے پیشوا نے کہا کبھی غلط ثابت نہیں ہوا۔"

ایک خیال اس کی سوچوں کو چھوتا ہوا گزر گیا اور پھر رفتہ رفتہ اس کے معاندانہ رویئے میں تبدیلی رونما ہونا شروع ہوئی۔ اکثر و بیشتر وہ انہیں خیالات کے ہجوم میں گھرا رہتا تھا اور جب اس پر حق روشن ہو گیا تو پھر ایک دن حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہو کر اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دے دیا۔ خدام میں شامل ہو گیا اور آپ کے فرمان کے مطابق اولیائے کاملین میں سے ہوا۔ دوسرے لوگوں نے جب اس کی زندگی میں یکسر تبدیلی دیکھی اور آپ کی صحبت بابرکت میں رہنے سے جن فیوض سے متمتع ہوا تھا اس کا مشاہدہ کیا تو اور بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ حاضر و غیب مریدین پر بڑی توجہ فرمایا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آتے تھے۔ بڑی محبت فرماتے تھے۔ ان کے لئے ہر وقت دعائے خیر و مغفرت فرماتے تھے۔ مریدین بھی آپ پر جان چھڑکتے تھے۔

ہندوستان روانگی سے قبل ایک روز حرم کعبہ میں مشغول عبادت تھے کہ غیب سے آواز آئی۔

"اے معین الدین! میں تم سے راضی ہوں اور تجھے بخش دیا ہے۔ اب جس چیز کی تمہیں خواہش ہو طلب کرو' وہی عطا کروں گا۔"

آپ نے عرض کی۔

"اے بارالہ! معین الدین کے مریدین اور مریدین کے مریدین جو بھی اس سلسلہ میں داخل ہوں ان کو بخش دے۔"

فرمان ہوا۔

" اے معین الدین ! تو میرا ہے اور تیرے مرید اور تیرے مریدوں کے مرید قیامت تک جو بھی تیرے سلسلے میں داخل ہوں گے میں نے سب کو بخش دیا۔"

جب کبھی آپ پر خاص کیفیت طاری ہوتی تو مریدین سے فرمایا کرتے تھے۔

" تمہارا مرشد اس وقت تک جنت میں نہ جائے گا جب تک مریدوں کے مریدوں کے مریدوں کے مریدوں اور جو قیامت تک میرے سلسلہ میں داخل ہونے والوں کو ساتھ نہ لے لوں گا۔"

یوں تو مریدین کی تربیت ہر وقت ملحوظ خاطر رہتی تھی۔ لیکن عشاء کے بعد خصوصی محفلیں جمتی تھیں جن میں مختلف موضوعات پر روشنی ڈالتے تھے۔ مریدین بھی کچھ دریافت کرنا چاہتے تو اس کی عام اجازت تھی تاکہ کوئی سوال تشنہ نہ رہ جائے۔

چودھویں کا چاند چمک رہا تھا۔ ہر سو پر اسرار چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ آستانہ عالیہ کی مسجد میں عشاء کی نماز ہو چکی تھی۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ سر جھکائے مصلے پر تشریف فرما ذکر میں مصروف تھے۔ مریدین و معتقدین ہالہ بنائے بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا۔ آسمان پر طائرانہ نظر ڈالنے کے بعد مریدین کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا۔

" ایک بزرگ نے سو سال سے کچھ اوپر تک اللہ تعالیٰ بزرگ و بلند کی عبادت کی اور جو کچھ مجاہدے کا حق تھا ادا کیا۔ اس کے بعد اسرار الٰہی سے ایک بھید اس پر ظاہر کیا گیا۔ چونکہ وہ بزرگ تنگ حوصلہ تھا اس لئے اس کی تاب نہ لا کر اسے ظاہر کر دیا۔ دوسرے روز جو نعمت اسے عطا کی گئی تھی سب چھین لی گئی

اور وہ دیوانہ ہو گیا۔ اس نے عرض کی۔

"یا اللہ! یہ کیا ہوا؟"

غیب سے آواز آئی۔

" اے خواجہ! اگر تو اس بھید کو ظاہر نہ کرتا تو دوسرے بھیدوں کے لائق بنتا۔ لیکن جب ہم نے دیکھا کہ تو ابھی تک ساتویں پردہ میں ہے۔ تو ہم نے اپنی نعمت تجھ سے چھین کر دوسرے کو دے دی ہے۔"

تھوڑی دیر فضا میں خاموشی رہی۔ پھر حضرت شیخ عبداللہ رازی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔

" یا حضرت! شریعت' طریقت' معرفت کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے لحہ بھر توقف فرمایا۔ پھر زبان حق بیان سے ارشاد فرمایا۔

" یہ چاروں مقامات ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ان کی ترتیب بھی یہی ہے۔ شریعت راستہ ہے اور جو شخص راستے پر ہی نہ ہو گا وہ دوسرے مقامات تک رسائی کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ عبادت قال افعال ہے اور اس کے لئے وضو لازمی ہے لہٰذا جو باوضو ہوتا ہے اس کی روح زیر عرش تک پہنچتی ہے۔ لوگ منزل گاہ قرب کے نزدیک صرف اس وقت جا سکتے ہیں جب نماز میں مکمل فرمانبرداری کریں کیونکہ مومن کی معراج یہی نماز ہے۔ طریقت میں خود پرستی و نفس پرستی دراصل بت پرستی ہے۔ جب تک ان کو ترک نہ کیا جائے' اللہ تعالیٰ کی عبادت کی منزل کا آغاز نہیں ہوتا۔ یاد رکھو عادت پرست حق پرست نہیں ہوتا اور خود پسندی گناہ کبیرہ ہے۔ اہل طریقت کے لئے دس شرائط ہیں۔

اول : طلب حق

دوم : طلب مرشد

سوم : ادب

چہارم : رضا

پنجم : محبت و ترک فضول

ششم : تقویٰ

ہفتم : استقامت شریعت

ہشتم : کم کھانا و کم سونا

نہم : عزلت نشینی خلق سے

دہم : روزہ و نماز

معرفت انسان پر فرض ہے جیسا کہ الا لیعبرون سے ظاہر ہے۔ معرفت خداوندی کی علامت یہ ہے کہ مخلوق سے بھاگے اور معرفت میں خاموش رہے۔ عارف کو معرفت حاصل نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ معارف کو یاد نہ کرے اور عارف وہ ہے جو اپنے دل سے غیراللہ کو نکال باہر کرے تاکہ وہ بھی اسی طرح اکیلا ہو جائے جیسے اس کا محبوب یکتا ہے۔ عارف کی علامت یہ ہے کہ موت کو پسند کرے۔ عیش و راحت کو چھوڑ دے اور یادالٰہی سے انس حاصل کرے۔ عارف آفتاب صفت ہوتا ہے۔ اس سے تمام عالم منور ہوتا ہے۔ عارف کا کم تر درجہ یہ ہے کہ پہلے دلی نور دکھائے پھر کوئی اگر دعویٰ کے ساتھ سامنے آئے تو اسے یہ قوت کرامت ملزم بنا دے۔ جہاں تک اہل حقیقت کا تعلق ہے تو ان کے لئے بھی دس شرائط ہیں۔

اول : معرفت میں کامل ہو اور خدا رسیدہ ہو۔

دوم : نہ رنج ہو' نہ رنجیدہ کرے اور نہ کسی کی بدی خیال میں لائے۔

سوم : حق تعالیٰ کی راہ دکھائے اور خلق کو ایسی بات بتائے جس میں دنیا و آخرت کا فائدہ مرتب ہو۔

چہارم : تواضع۔

پنجم : عزلت۔

ششم : ہر شخص کو عزیز و محترم جانے اور اپنے کو سب سے حقیر اور کم تر شمار کرے۔

ہفتم : رضا و تسلیم۔

ہشتم : ہر ایک درد و رنج میں صبر۔

نہم : سوز و گداز و عجز و نیاز۔

دہم : قناعت و توکل۔

یہ فرما کر آپ خاموش ہو گئے۔ حاضرین محفل بھی چپ چاپ بیٹھے تھے۔ وہ آپ کے فرمودات پر غور کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں ایک آواز فضا میں ابھری۔ حمید الدین سنجری عرض کر رہے تھے۔

"کیا مرشدنا! عشق و محبت اور عاشق و معشوق کے بارے میں کچھ ارشاد ہو۔"

سماعت فرمایا تو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے چہرے مبارک پر نور کی چمک پیدا ہوئی۔ قدرے مراقبے کی حالت میں رہے۔ پھر زبان درفشاں کو جنبش دی اور فرمایا۔

"عشق کی راہ ایسی ہے کہ جو اس پر چلتا ہے اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔ عشق و محبت میں گفتگو' حرکت اور مشغلہ صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ باہر ہیں اور جب اندر داخل ہوتے ہیں تو خاموشی' سکون اور آرام میسر آتا ہے۔ فریاد اور شور و غوغا ہرگز نہیں ہوتا۔

عزیز! دریاؤں کا بہتا پانی شور کرتا ہے لیکن جب سمندر سے مل جاتا

ہے آواز نہیں رہتی۔ اسی طرح جب عاشق معشوق سے واصل ہو جاتا ہے تو واویلا نہیں کرتا۔ عاشق ہر وقت محو عشق ہوتا ہے۔ اگر کھڑا ہے تو ذکر دوست میں ہے۔ اگر طواف کر رہا ہے تو اس کی ہیبت و عظمت میں ہے۔ اہل عشق وہ ہے جو صبح کی نماز پڑھنے کے بعد دوسری صبح تک محو خیال دوست رہے۔ جب میں اپنے وجود سے باہر آیا تو دیکھا کہ عاشق' معشوق اور عشق تینوں ایک ہیں یعنی عالم توحید میں سب ایک ہیں۔ یاد رکھو دوست کے اسرار حسین ہوتے ہیں اس لئے عاشق کے دل میں رہتے ہیں۔

قدرے سکوت کے بعد آپ نے فرمایا۔

محبت کے چار معنی ہیں۔

اول : ذکر خدا میں دل و جان سے خوش رہنا۔

دوم : ذکر خدا کو بزرگ تر جاننا۔

سوم : اس کے ساتھ مشغول رہے۔ دوسروں کے ساتھ قطع تعلق کر لے۔

چہارم : اپنے آپ پر روئے اور اس پر جس کو اس سے محبت ہے۔

محبت میں صادق وہ ہے جو والدین' بھائیوں اور بیٹوں سے اللہ تعالٰی اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے قطع تعلق کرے اور سب سے بیزار ہو۔ سن لو! جس کو محبت و فقر عطا کئے جاتے ہیں اسے وحشت نہیں دی جاتی کہ وہ اس پر فریفتہ ہو جائے۔"

ماحول پر پھر خاموشی مسلط ہو گئی۔ حضرت سید نور الدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی آواز سے سکوت توڑا۔ عرض کی۔

"یا سیدی! مرشد' مرید' یقین اور دوستی کے بارے میں حکمت عطا ہو۔"

ارشاد فرمایا۔

"جب تک مرشد کی تربیت حاصل نہ ہو گی مرید منزل پر نہیں پہنچے گا۔ مرید کو طاعت میں اس وقت لطف آتا ہے۔ جب طاعت میں خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس خوشی میں وہ حجاب سے قریب ہو جاتا ہے اور یقین ایک نور ہے جس سے انسان منور ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں محبان و متقیان میں شامل ہو جاتا ہے۔ عزیز! دوستی بڑی نعمت ہے۔ اگر دوست کی دوستی میں دونوں جہاں بھی بخش دیئے جائیں تب بھی کم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دوستی اس طرح ہوتی ہے کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ دشمنی رکھے یعنی دنیا و نفس تو اس سے دشمنی رکھے۔ دوستی اس کا نام ہے کہ اس کا ذکر دل سے کرے کیونکہ دل یاد کے لئے بنایا گیا ہے۔"

علم و عرفان و حکمت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اور حاضرین اس سے مستفید ہو رہے تھے۔ ان کے سامنے ایسی راہیں کشادہ ہو رہی تھیں جن کا تعلق معرفت الٰہیہ سے تھا۔ اس راہ کے بظاہر کانٹے حقیقت میں سدا بہار رنگین و مشکبار پھول تھے۔ معاً حضرت علیم الدین عالم نواز رحمتہ اللہ علیہ نے درخواست کی۔

"حضور! سلوک کے بارے میں علم عطا ہو۔"

آپ نے گرد و پیش میں نگاہ دوڑائی اور فرمایا۔

"اس راہ میں بہت سے مرد عاجز اور عاجز مرد ہو گئے ہیں۔ جب تک آدمی راہ سلوک میں دنیا و مافیہا ترک نہ کر دے۔ وہ اہل سلوک میں داخل نہیں ہو سکتا۔ نہ ان میں سے ہوتا ہے۔ پس اگر اس کی یہ حالت نہ ہو تو سمجھ کہ جھوٹا ہے۔ اہل سلوک میں محبت ایک ایسا علم ہے کہ لاکھوں علماء اس کو سمجھنا چاہتے ہیں مگر ذرہ بھر بھی ان کو اس کی خبر نہیں ہوتی اور زہد میں ایک ایسی ساعت ہے جس کی زاہدوں کو بھی خبر نہیں۔ وہ اس سے غافل ہیں۔ وہ ایک بھید ہے۔ جو دونوں

جہاں سے باہر ہے اور اسے اہل محبت اور اہل عشق کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جو دونوں جہاں میں ثابت ہوتا ہے وہ اس بھید کو جانتا ہے۔ بعد ازاں وہ دعویٰ نہیں کرتا تاکہ دعویٰ اسے رنج نہ پہنچائے۔"

مریدین کی تشنگی علم دم بدم بڑھتی جارہی تھی۔ کچھ غور سے سن رہے تھے اور کچھ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات و فرمودات ضبط تحریر میں لارہے تھے۔ رات لحظہ بہ لحظہ گہری ہوتی جارہی تھی۔ چاند کسی بیسوا کی طرح اداس و غمگین آسمان کی پنہائیوں میں محو خرام تھا۔ آپ اپنی جگہ سے اٹھے تو مریدین بھی ادب و نیازمندی سے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے انہیں متبسم نظروں سے دیکھا اور حجرے کی طرف تشریف لے گئے۔

ایک دن عصر کے بعد حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ مصلے پر ہی بیٹھے رہے۔ مریدین کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے۔ سب خاموش و مودب تھے۔ آپ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد از خود گویا ہوتے تھے۔ جب آپ بولنے لگے تو سب ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے دانش و محبت اور علم و عرفان کے گلستانوں سے رنگا رنگ پھول توڑ کر تقسیم کر رہے ہوں۔ اس نشست میں آپ نے فرمایا۔

☆ قرآن مجید کا دیکھنا ثواب' پڑھنا اور سمجھنا ثواب ہے' حرف پر نگاہ پڑے دس گناہ دور ہوں اور دس نیکیاں درج ہوں۔ اس سے آنکھ کی روشنی بڑھتی اور امراض چشم سے نجات ملتی ہے۔

☆ جس نے نعمت پائی ہے سخاوت سے پائی ہے۔

☆ بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھلانا۔ غربا کی فریاد سننا اور حاجت روائی کرنا۔ درماندوں کی دستگیری کرنا۔ عذاب دوزخ سے بچاؤ کی بہترین

تدابیر ہیں۔

☆ سب سے اچھا وقت وہ ہے جب کہ وسواس نفس نہ ہوں اور خلقت سے رہائی حاصل ہو۔

☆ درویشی اس کا نام ہے کہ جو آئے محروم نہ جانے دے۔ اگر بھوکا ہے تو کھانا کھلائے' اگر ننگا ہے تو نفیس کپڑا پہنائے۔

☆ جہان میں عزیز ترین یہ ہے کہ درویش درویشوں سے ملیں اور جو کچھ دل میں ہو صاف صاف بیان کریں اور بدترین چیز یہ ہے کہ درویش درویشوں سے جدا رہیں۔

☆ جو ورد یا وظیفہ مقرر کیا جائے وہ اگر دن میں نہ ہو سکے تو رات میں پڑھنا چاہیے۔ ورد کا تارک لعنتی ہے۔

☆ گناہ تمہیں اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتا جتنا مسلمان بھائی کو ذلیل و خوار کرنا۔

☆ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ وہ ضعیف ترین ہے جو اپنی بات پر قائم نہ رہے۔

☆ قبرستان میں کھانا پینا اور ہنسنا نہیں چاہیے کیونکہ یہ مقام عبرت کا ہے اور جو ایسا کرتے ہیں وہ سنگ دل اور منافق ہوتے ہیں۔

☆ حقیقتاً متوکل وہ ہے جو خلقت کے آزار اور رنج پہنچانے پر کسی سے شکایت کرے نہ حکایت۔

☆ دل وہ ہے جو اپنے حال سے خالی ہو اور مشاہدہ دوست میں باقی ہو۔

☆ اگر کافر سو برس تک لاالہ الااللہ کہے تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتا مگر صدق دل سے ایک مرتبہ محمد رسول اللہ کہنے سے کفر مٹ جاتا ہے۔

☆ اے غافل سفر آخرت کا توشہ تیار کر جو تجھے درپیش ہے۔

☆ جس کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے اس پر بلا نازل ہوتی ہے۔

☆ جو بزرگی کا دعویٰ کرتا ہے قید میں ہوتا ہے۔

☆ بندہ مومن تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے اول فقر و فاقہ' دوم بیماری اور سوم موت۔

☆ جس کو اللہ تعالیٰ اپنی رضا مرحمت فرما دے وہ بہشت کو کیا سمجھے۔

اتنے میں مغرب کا وقت ہو گیا اور فضا اللہ اکبر کے دل نواز نغمے سے معمور ہو گئی۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے نماز پڑھائی اور اپنے حجرے مبارک کی طرف تشریف لے گئے۔

آپ کو کبھی کسی نے غصے کی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ اگر کبھی کسی سے کوئی کوتاہی سرزد ہوتی تو پیار و محبت سے سمجھا دیتے تھے۔ لیکن ایک مرتبہ آپ کو غصے کا اظہار کرنا پڑا۔

ایک روز حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ اپنے مرید خاص حضرت شیخ علی رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ کہیں کام سے تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک شخص ملا جس نے آپ کے مرید سے قرضہ لینا تھا' اس نے راستہ روکا اور کہا۔

"شیخ علی! میرا قرض واپس کرو۔"

"میں بہت جلد لوٹا دوں گا۔"

حضرت شیخ علی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا لیکن وہ نہ مانا اور بولا۔

"جب تک قرض ادا نہیں کرو گے یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔"

جب آپ نے دیکھا تو اس شخص کو سمجھانے کے لئے فرمایا۔

"اس وقت شیخ علی کے پاس رقم نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو ابھی قرضہ ادا کر دیتا۔

جب اس کے پاس پیسے ہوں گے یہ خود آکر تمہارا قرض چکا دے گا' لہٰذا اسے جانے دو۔"

لیکن آپ کے سمجھانے کا اس پر قطعاً کوئی اثر نہ ہوا اور بولا۔

"بابا جی! میں اسے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک میرا قرض ادا نہیں کرتا۔"

یہ بات سن کر آپ کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہوئے۔ آپ نے اپنی چادر جلال میں زمین پر پھینک دی اور اس شخص سے فرمایا۔

"تمہارا جتنا قرض ہے میری چادر میں ہاتھ ڈال کر نکال لو۔"

"چادر میں کوئی خزانہ تو نہیں ہے بابا جی۔"

اس شخص نے کہا اور کھڑا رہا۔ آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"تم جاؤ تو سہی۔ لیکن اتنے ہی پیسے لینا جتنا تمہارا قرض ہے۔"

اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ لیکن اس طرف گیا اور بددلی سے اس کے اندر ہاتھ ڈالا۔ دیکھا کہ واقعی اس کے اندر خزانہ ہے اور روپوں سے بھری پڑی ہے۔ اتنا مال دیکھ کر اس کے اندر حرص و طمع نے آنکھ کھولی اور قرض سے زیادہ رقم اٹھالی۔ بس پھر کیا تھا ہاتھ چادر کے ساتھ چمٹ گیا اور خشک ہو گیا۔ وہ سخت نادم و پشیمان ہوا اور رو کر عرض کی۔

"بابا جی! مجھ پر کرم فرمائیں۔ دعا کریں میرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے۔"

آپ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے دعا کو شرف قبولیت بخشا اور اس شخص کا ہاتھ تندرست ہو گیا۔ وہ آپ کے قدموں سے لپٹ گیا اور کلمہ پڑھ کر حلقہ مریدین میں شامل ہو گیا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کا طریقہ تھا کہ جب کوئی قضائے الٰہی سے وفات پا جاتا تو آپ بہ نفس نفیس قبرستان تشریف لے

جاتے۔ نماز جنازہ پڑھاتے اور دعائے مغفرت فرماتے تھے۔ مرید کے عزیز و اقربا سے ہمدردی فرماتے اور کافی دیر تک قبر پر بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت فرما کر اس کا ثواب پہنچاتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ کا ایک مرید فوت ہو گیا تو اس کے اقربا نے آپ کو اطلاع دی۔ آپ حسب معمول قبرستان میں تشریف لے گئے۔ جب سب لوگ واپس لوٹ گئے تو آپ نے قبر پر بیٹھ کر تلاوت قرآن پاک کرنا شروع کر دی۔ اچانک آپ پر کشف ہوا کہ عذاب کے فرشتے آ گئے ہیں تو چہرے پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ اسی اثنا میں حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ روحانی طور پر تشریف لے آئے اور بارگاہ رب العزت میں دعا کی۔

" اے اللہ ! یہ درست کہ اس کے اعمال ناقص تھے لیکن منسوب تو ہمارے سلسلہ کے ساتھ تھا۔ اسے معاف فرما دے۔"

غیب سے آوازہ آیا۔

" عثمان ہرونی ! ہم نے تمہارے صدقے معین الدین کے مرید کے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ اور اس پر سے عذاب قبر ٹل گیا۔"

وہ مریدین جن کو آپ سند دے کر فارغ فرماتے تھے تو ان کو دوسرے بزرگوں کے پاس بھیج دیا کرتے تھے تاکہ پتہ چلے کہ وہ کس طرح کے تربیت یافتہ ہیں اور مرید بھی جائزہ لے سکیں کہ ان کی تربیت کیسی ہوئی ہے۔ اس سے نہ صرف مختلف سلاسل کے بزرگوں میں یگانگت بڑھتی تھی بلکہ ان پر یہ بھی عیاں ہو جاتا تھا کہ انہوں نے رشد و ہدایت کی روشنی کو مزید کس طرح پھیلانا ہے۔

اسلامی حکومت کے قیام اور تبلیغ اسلام سے رفتہ رفتہ کفر و شرک کے اندھیرے چھٹنے لگے تھے اور لوگ برضا و رغبت دامن اسلام سے وابستہ

ہونے لگے تھے۔ لیکن وہ اقلیت میں تھے اور انہیں طرح طرح کی مشکلات درپیش تھیں۔ کیونکہ وہ اپنی برادری اور خاندان سے کٹ گئے تھے۔

ہندو ایک متعصب قوم ہے اور تعصب اس کی گھٹی میں شامل ہے۔ ہندو فلسفہ بھی یہی کہتا ہے کہ اگر بوجوہ تمہیں کسی غیر قوم کی ماتحتی کرنی پڑے تو اس کے آگے سر جھکا دو۔ اس کے قریب ہو جاؤ اور جب وہ تمہیں اپنا سمجھنے لگے تو اس کی کمر کی طرف سے چھرا گھونپ دو۔

شہاب الدین محمد غوری کے ہاتھوں شکست کھانے سے اگرچہ ان کے دانت کھٹے ہو گئے تھے لیکن وہ اپنی فطری کم ظرفی و بدباطنی اور ہندوانہ تعلیمات کے پیش نظر اسلام دشمنی کا کسی نہ کسی طرح اظہار کرتے رہتے تھے۔ ان کے لئے یہ بات بھی ناقابل برداشت تھی کہ آئے دن ان کے یار دوست' رشتہ دار اور عزیز اقربا اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوں لہٰذا وہ مسلمانوں کا قافیہ حیات تنگ کرنے کے لئے طرح طرح کی ریشہ دوانیاں کرتے رہتے تھے اور کسی ایسے موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ وہ اس بات کے بے انتہا خواہاں تھے کہ مسلمانوں کو معاشی و سماجی و سیاسی لحاظ سے پسماندہ رکھا جائے اور نفسیاتی طور پر انہیں ذہنی و فکری الجھنوں میں مبتلا رکھا جائے۔ لہٰذا وہ مسلمانوں کے دوست و سجن کے روپ میں ان کے اردگرد دم ہمہ رنگ زمیں بچھاتے رہتے تھے۔

لیکن دین اسلام میں ایسی حقانیت' اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمان میں ایسی صداقت' حبیب کبریا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عشق و محبت میں ایسی چاشنی و شیرینی اور اولیاء اللہ کی صحبتوں میں ایسا رنگ ہے کہ جو ایک بار اسلام کو سینے سے لگا لیتا ہے پھر مرنا تو اسے قبول ہوتا ہے لیکن اس سے منحرف ہونے کے متعلق وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔

اجمیر اور اس کے مضافات اور قریبی شہروں میں بسنے والے مسلمان اکثر و بیشتر دعا و برکت کے لئے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوتے رہتے تھے۔ وہ مختلف مسائل و مشکلات کا ذکر کرتے اور ان کے حل کے لئے درخواست کرتے تھے۔ وہ کہتے۔

۱ ۔ زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نصیب ہو۔

۲ ۔ کشائش رزق ہو۔

۳ ۔ مصائب سے چھٹکارا نصیب ہو۔

۴ ۔ امراض سے نجات ملے۔

۵ ۔ حاجات پوری ہوں۔

۶ ۔ اولاد صالح ہو۔

۷ ۔ اغیار کے فتنوں سے محفوظ رہیں۔

۸ ۔ کاروبار میں برکت ہو۔

۹ ۔ قرض کی ادائیگی کی صورت پیدا ہو۔

۱۰ ۔ آفات و بلیات سے مامون رہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ ان مسائل و مشکلات کا حل تجویز فرماتے۔ جس پر عمل پیرا ہونے سے ان کا مسئلہ حل ہو جاتا اور وہ مختلف بوجھوں کے نیچے سے نکل آتے تھے۔ آپ کے مریدین مشکلات اور ان کے حل کو جامہ تحریر پہنا دیتے اور جب تبلیغ کے لئے جاتے تو لوگوں کو بتاتے بھی تھے۔ ان وظائف کی عام اجازت ہے اور آج بھی ان کا فیض جاری ہے۔ وہ وظائف یہ ہیں۔

برائے زیارت رسول پاک ﷺ

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے واسطے حضرت قطب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو ہر رات حسب ذیل درود شریف ایک ہزار مرتبہ پڑھنے کی تلقین فرمائی۔

اللھم صلی علیٰ محمد عبدک و حبیبک و رسولک النبی الامی وعلیٰ الہ۔

خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص سوتے وقت یہ کلمے پڑھے۔ مجھ کو خواب میں دیکھے۔

اللھم رب البیت الحرام والشھر الحرام والرکن والمقام اقرا روح محمد منی الشلام۔

اسم اعظم

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسم اعظم یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد "یاحی یاقیوم" پڑھ لیا کرو اور اپنی ہر ضرورت پورا ہونے کے لئے اللہ سے دعا کرو۔

مہم میں کامیابی کیلئے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب کوئی مہم درپیش ہو تو کامیابی کے لئے چار رکعت صلوٰۃ العاشقین پڑھے۔ اول رکعت میں سو مرتبہ یااللہ، دوسری رکعت میں یارحمٰن، تیسری رکعت میں یارحیم اور چوتھی رکعت میں یاودود پڑھے۔

کشائش رزق کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کشائش رزق کے واسطے صبح و شام حسب ذیل دعا تین مرتبہ پڑھا کرو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللھم اغفرلی ذنوبی و وسع علٰی رزقی واقدرلی علی کسبه و متعنی بمارزقتنی و تشغلنی فیما صرفته غنی یا ارحم الراحمین وصلی اللّٰه علی سیدنا محمدوالہ اجمعین۔

حاجت پوری ہونے کیلئے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص حسب ذیل دعا ہر فرض نماز کے بعد پڑھے گا اس کی ہر حاجت پوری ہو گی۔

یا شفیق یا رفیق نحن من کل یقین۔

ہر مصیبت سے نجات کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حسب ذیل آیت کریمہ کو مصیبت کے وقت پڑھے تو ہر مصیبت سے نجات پائے۔

لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین۔

روزی میں برکت کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ روزی میں برکت کے واسطے حسب ذیل دعا نماز کے بعد بکثرت پڑھنی چاہیئے۔

سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین۔

علم کی ترقی کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علم و ذہن میں ترقی کے لئے حسب ذیل دعا ہر روز صبح کی نماز کے بعد پڑھنا مفید ہے۔

منھا خلقنکم وفیھا نعیدکم و منھا نخرجکم تارۃ اخری۔

مرض سے نجات پانے کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کھیعص' حمعسق چینی کی طشتری پر لکھ کر مریض کو پلائے یا تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالے۔

گم ہوئی چیزوں کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسب ذیل آیت کو پڑھ کر گم شدہ چیز کو تلاش کرنا کامیابی کی ضمانت ہے۔ ورنہ غیب سے کوئی عمدہ چیز ملے گی۔

ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونھم کحب اللہ ما والذین امنوا اشد حبا للہ ولو یری الذین ظلموا اذیرون العذاب ان القوۃ للہ جمیعاً وان اللہ شدید العذاب۔

گناہوں کی معافی کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسب ذیل

آیت کو ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھنے سے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔

ان الذین اتقوا اذا مسھم طآئف من الشیطان تذکروا اتقوا فاذاھم مبصرون۔

مقبول دعا

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسب ذیل دعا خواجگان چشت کے معمولات میں سے ہے۔ صبح کی نماز کے بعد یہ دعا پڑھی جائے اس دعا کے پڑھنے سے دینی اور دنیاوی حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں۔

اللھم زد نورنا و زد سرورنا وزد معرفتا و زد طاعتنا و زد محبتنا و زد عشقنا و زد شوقنا و زد ذوقنا و زد خوقنا و زد حولنا و زد قوتنا و زد قبولنا و زد السمنا و زد علمنا و زد جلمنا برحمتک یا ارحم الرحمین۔

دشمن پر غالب آنے کے واسطے

حضرت خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب دشمن کے سامنے جاؤ تو حسب ذیل اسماگرامی کا پڑھنا مفید ہے۔

یا سبوح' یا قدوس' یا غفور' یا ودود۔

حاجت برآری کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت شیخ یحیٰ مدنی قدس سرہ جب مدینہ منورہ سے رخصت ہوئے تو فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم یاذوالجلال والاکرام ہر حاجت کے لئے

ایک ہزار دفعہ پڑھنا چاہئے۔ اور یا اللہ تین ہزار گیارہ دفعہ سوتے وقت پڑھے۔ ہر روز حسبنا اللہ ونعم الوکیل سو دفعہ پڑھے۔

تائب کو چاہئے کہ ہر فریضہ کے بعد دس دس دفعہ درود شریف اور دس دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے اور فرض مغرب کے بعد چھ رکعتیں اوابین تین سلام سے پڑھے۔ اور ہر رکعت میں سورۂ اخلاص تین دفعہ پڑھے۔ اور دو رکعت حفظ الایمان پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ اخلاص دس دفعہ پڑھے۔ جب سونے لگے تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سو بار پڑھے اور اہل شجرہ کی ارواح پر فاتحہ پڑھے اور اکثر اوقات میں ذکر اللہ اور لا الہ الا اللہ میں مشغول رہے۔

مصیبت سے خلاصی کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسب ذیل آیت پڑھنے سے مصیبت سے رہائی ہو جاتی ہے۔

ان فی خلق السموات والارض۔ تا آخر سورۃ۔

اولاد کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اولاد کے واسطے حسب ذیل آیت نماز کے بعد تین مرتبہ پڑھے۔

یا ایھا الناس اتقوا ربکم ان زلزلۃ الساعۃ شی عظیم۔

آسیب دور کرنے کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واذا بطشتم بطشتم جبارین تین مرتبہ پانی پر پڑھ کر آسیب زدہ کو پلا دے۔

آنکھ کی روشنی کے لئے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسب ذیل آیت نماز کے بعد پڑھے انگلی پر دم کر کے آنکھ میں لگائے۔

والسماء بنیناھا باید وانا الموسعون والارض فرشناھا فنعم الماھدون۔

ڈاڑھ کے درد کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس رخسارے پر ہاتھ رکھے جس طرف درد ہو اور سات بار کہے۔

اللھم اذھب عنہ سوء مایجد و فحشہ بدعوۃ نبیک التمکین المبارک عندک۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی جس دانت میں درد ہو اس پر رکھے اور پڑھے۔

بسم اللہ و باللہ اسئلک بعزتک وجلالک وقدرتک علی کل شئی فان مریم لم تلد غیر عیسیٰ من روحک و بکماتک ان تکشف مایلقی فلاں بن فلاں اوتلقیٰ فلانہ بنت فلانتہ من الضر

تیسری ترکیب یہ ہے کہ جس رخسارہ کی طرف درد ہو اس پر یہ لکھا جائے۔

ولہ ماسکن فی الیل والنہار وھو السمیع العلیم۔

تجارت میں ترقی کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تجارت میں

ترقی کے واسطے حسب ذیل درود زیادہ پڑھنا چاہیے۔

اللھم صلی علٰی محمد عبدک و رسولک وصلی علٰی جمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات۔

نماز کی مقبولیت کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نماز کے بعد کلمہ توحید تین بار پڑھ لینے سے نماز کو درجہ مقبولیت حاصل ہو جائے گا۔

رزق میں ترقی کے واسطے

خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا نماز کے بعد یہ دعا بکثرت پڑھنے سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔

ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ انہ کان حلیماً غفورا۔

فتوحات کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صبح تین بار پڑھے۔

اللھم باسمک ابتدیت وبکرمک اقتدیت وبکرمک اقتدیت وبکرمک اقتدیت وبنور قدسک اھتدیت وبفضسک استغیث واستغفرک والیک۔

پھل کی مٹھاس کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسب ذیل

آیت پڑھ کر پھل کو تراشے شیریں معلوم ہوگا۔

فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم۔

زہریلے جانور کے کاٹے کا اتار

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس جگہ زہریلا جانور کاٹے اس مقام پر انگلی گماتا ہوا ایک سانس میں سات دفعہ یہ پڑھ کر چھینٹا مارے یا کان میں دم کرے۔

ربنا ھب لنا من ازوجنا و ذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔

جملہ حاجات کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسب ذیل آیات کو انگشتری پر کندہ کرا کے اپنے پاس رکھے۔

وان تکاد الذین کفرو الیزلقونک بابصارھم لما سمعوا الذکر ویقولون انہ لمجنون وما ھوا الا ذکر للعالمین۔

رجعت عمل سے محفوظ رہنے کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی عمل کے وقت حسب ذیل سورت کو پڑھ لے تو وہ عمل کی رجعت سے محفوظ رہے گا۔

اذا السماء انشقت واذنت لربھا وحقت واذا الارض مدت والقت ما فیھا و تخلت۔

قرض کی ادائیگی کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسب ذیل آیت پڑھنا مفید ہے۔

رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ انک سمیع الدعآء۔

کشائش رزق کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شروع مہینے کے جمعہ سے چالیس جمعہ تک بعد نماز مغرب گیارہ مرتبہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھے اور ہر جمعہ کے بعد حسب ذیل آیت کاغذ پر لکھ کر کنوئیں میں ڈالتا رہے۔

ولقد مکنکم فی الارض وجعلنکم فیھا معائش قلیلا ما تشکرون۔

بغض وعداوت سے بچنے کیلئے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چالیس دن تک سو مرتبہ پڑھے اور پڑھتے وقت دشمن کا خیال دل میں رکھے۔

والقینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیمۃ۔

ہر مشکل کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسب ذیل آیت کریہ پڑھ کر دعا کرے۔

واذا جاء تھم ایۃ قالوا لن نومن حتیٰ نوتیٰ مثل ما اوتی

رسل اللہ اللہ اعلم حیث یجعل رسلتہ۔

ہر مرض و درد کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تکلیف یا درد کی جگہ حسب ذیل آیت کو ہاتھ میں رکھ کر تین دفعہ دم کرے۔

وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید۔

ہول دلی کو دور کرنے کیلئے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسب ذیل آیت لکھ کر تعویز بنا کر گلے میں اس طرح لٹکائیں کہ دل پر رہے۔ ہو سکے تو دھاگے میں باندھ دیں تاکہ دل سے نہ ہٹنے پائے۔

ھو الذی انذک بنصرہ و بالمؤمنین والف بین قلوبھم لو انفقت مافی الارض جمیعا ما آلفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم انہ عزیز حکیم۔

بد خوابی سے بچنے کیلئے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسب ذیل آیت کو سوتے وقت پڑھے یا لکھ کر گلے میں ڈالے۔

فلما القوا قال موسیٰ ما جئتم بہ السحر ان اللہ سیبطلہ ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین و یحق الحق بکلمتہ ولو کرہ المجرمون۔

بلیات سے بچنے کیلئے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسب ذیل آیت پڑھ کر کشتی یا سواری پر سوار ہونے سے راستے کی تمام بلیات سے امن پائے گا کسی کو اگر سردی سے بخار آتا ہو تر بیری کی لکڑی پر لکھ کر گلے میں ڈالے۔

انی توکلت علی اللہ ربی و ربکم ما من دآبۃ الا ھو احد بنا میتھا ان ربی علی صراط مستقیم۔

ہر مشکل کے حل کیلئے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر مشکل کے حل کے لئے سورۂ فاتحہ زیادہ پڑھنی چاہئے۔ مشکل کے وقت سورۂ فاتحہ اس طرح پڑھنا چاہئے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے میم کو الحمد کے لام سے ملائے اور آمین کے موقع پر ولا الضالین کے بعد تین مرتبہ آمین کہے۔

آنکھوں کی روشنی کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آنکھوں کی روشنی قائم رکھنے کے لئے ہر نماز کے بعد لا الہ الا ھو القیوم پڑھے اور آنکھوں پر دم کرے پھر ھنت الوجوہ للحی القیوم پڑھے اور دونوں انگوٹھوں پر دم کرکے آنکھوں سے انگوٹھوں کو ملے۔

مخلوق کی محتاجی سے بچنے کیلئے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص حسب

ذیل آیت ستر مرتبہ پڑھے گا مخلوق کا محتاج نہ ہو گا۔

اللھم اغننی بحلالک عن حرامک وبطاعتک عن معصیتک ولفضلک عن من سواک برحمتک یاارحم الرحمین

کھوئی ہوئی چیز ملنے کیلئے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گم شدہ چیز کے ملنے کے لئے حسب ذیل دعا پڑھنی چاہئے۔

یا جامع الناس لیوم لا ریب فیہ اجمع علی ضآلتی۔

آنکھ کا درد دور ہونے کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آنکھ کا درد دور ہونے کے لئے اور آنکھ کی روشنی حاصل کرنے کے واسطے اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم پڑھ کر انگلیوں کے سروں پر دم کرے اور آنکھوں پر پھیرے۔ پھر الم۔ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم پڑھ کر اسی طرح کرے۔ پھر اسی طرح الوجوہ للحی القیوم پڑھے اور آنکھوں پر پھیرے۔

قرض کی ادائیگی کے واسطے

(الف) حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسب ذیل آیت صبح و شام پڑھ لینے سے قرض ادا ہو جائے گا۔

رب ھب لی من لدنک ذریۃً طیبۃ انک سمیع الدعاء۔

(ب) حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرض کے ادا ہونے کے واسطے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے موطا میں حسب ذیل دعا آئی ہے۔

اللھم فالق الاصباح جعل الیل سکناً والشمس والقمر حسباناً اقض عنی الدین واغیننی من الفقر وامض یسمعی وبصری وقوتی فی سبیلک۔

(ج) حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز کے بعد سو دفعہ پڑھے۔

اللھم یاغنی یاحمید یامبدع یامعید یارحیم یاودود اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک وبطاعتک عن معصیتک واغننی بفضلک عمن سواک برحمتک یاارحم الرحیم پڑھے اور پھر ہر روز سو بار پڑھا کرے۔

پریشانی دور ہونے کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر روز سات بار حسب ذیل آیت پڑھنا اور پڑھ کر داہنے سینے پر ملنا اور اس کی مداومت کرنا مفید ہے۔

ھوالذی انزل السکینۃ فی قلوب المؤمنین لیزد دو ایمانًا مع ایمانھم وللہ جنود السموات والارض وکان اللہ عریزا حکیما۔

نماز استخارہ

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ استخارہ کی نماز جو شب میں پڑھی جاتی ہے اس کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قل یاایھا الکفرون اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص پڑھے اور سوتے وقت اپنے مقصد کے متعلق تصور کر کے اور دعا کر کے سو

رہے۔

دوزخ سے نجات کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذی الحجہ کے ایام عشرہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہئے۔

فتح و کامرانی کے واسطے

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اذاجاء نصراللہ پڑھنا چاہئے۔

باب ۱۱

عائلی زندگی

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اپنے مقصد کی تکمیل کے سلسلہ میں شبانہ روز مصروف تھے۔ آپ کی مبارک زندگی میں آرام نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ رات عبادت الٰہی میں بسر ہوتی تھی اور دن کے وقت تبلیغ اسلام میں مصروف رہتے تھے۔ کبھی مریدین کی اصلاح احوال فرما رہے ہوتے تھے اور کبھی وہ نزدیک و دور سے آنے والے مسلمانوں کی دلجوئی و دستگیری کرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور کبھی وہ لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہونے اور ان کے دکھ بانٹنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ الغرض فراغت کسی بھی لمحے نہ تھی۔

تاروں بھری رات تھی۔ ہر سو ہو کا عالم تھا۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ تھوڑی دیر کے لئے فرش پر دراز ہوئے تو آنکھ لگ گئی۔ اسی ہنگام پیغمبر اسلام' راحت انس و جان' نور مجسم' حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور فرمایا۔

"اے معین الدین! تم ہمارے دین کے معین ہو اور میری سنتوں میں سے ایک سنت کے تارک ہو۔"

جب آپ نے سنا تو لرز اٹھے۔

"معین الدین اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تارک ہو۔"
ڈرتے ڈرتے عرض کی۔
"میرے ماں باپ آپ پر قربان یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کونسی سنت؟"
ارشاد ہوا۔
"تم نے ابھی تک شادی نہیں کی۔"
اور پھر آپ کی آنکھ کھل گئی۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ دن رات کی مصروفیات میں آپ کو کبھی شادی کرنے کا خیال تک نہ آیا تھا۔
"کہیں اس کوتاہی پر میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض نہ ہو گئے ہوں۔"
یہ سوچ کر آپ کا چہرہ فق ہو گیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔
صبح جب آپ حجرے سے باہر تشریف لائے تو چہرہ مبارک ہنوز زرد تھا اور سوچوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ مریدین نے فوراً بھانپ لیا کہ کوئی بات ہوئی ہے لیکن کسی کو جرات نہ ہوئی کہ پوچھے۔
"یا مرشدنا! کیا بات ہے؟"

حالات نے ہندوؤں کو مسلمانوں کی حکمرانی میں سانس لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن اپنے دل کی بھڑاس بغاوتوں کی شکل میں نکالتے رہتے تھے۔ کہیں نہ کہیں کوئی راجہ علم بغاوت بلند کرتا تو مختلف مقامات پر قطب الدین ایبک کے حاکم ان کی سرکوبی کے لئے میدان جنگ میں اترتے۔ انہیں شکست سے دوچار کرتے اور پھر اپنے مستقر پر لوٹ آتے تھے۔

انہی دنوں ایک راجہ نے شورش برپا کی تو قطب الدین ایبک نے قلعہ بھتیلی کے حاکم ملک خطاب کو اس کی سرکوبی کے لئے لکھا۔ وہ مسلمان

مجاہدین کو ساتھ لے کر اس راجہ کے مقابلہ کے لئے برق رفتاری سے روانہ ہوا۔ راجہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسلامی لشکر اتنی عجلت کے ساتھ اس کے سر پر پہنچ جائے گا۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ لیکن وہ زیادہ دیر مقابلے پر ڈٹ نہ سکا اور شکست نے اس کے منہ پر کالک مل دی۔ اس جنگ میں راجہ کی بیٹی غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔

ملک خطاب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کا مرید تھا۔ واپسی پر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کنیز کو آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ کا اور اجے پال جادوگر کا مقابلہ ہوا تھا تو راجہ پرتھوی راج نے اور بھی کئی راجوں کو مقابلہ دیکھنے کی دعوت دے رکھی تھی۔ اس کنیز کا باپ اور یہ خود بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ یہ کنیز اسی وقت حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی عظمت و بزرگی و صداقت کی معترف ہو گئی تھی اور آج تقدیر نے اسے گھیر کر آپ کے قدموں میں لا ڈالا تھا۔ آپ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا۔ تو وہ ادب و خاموشی سے سنتی رہی اور پھر بولی۔

"یا شیخ! لاریب دین اسلام ہی حق ہے آپ مجھے کلمہ پڑھائیں۔"

جب وہ اپنی مرضی سے مسلمان ہو گئی تو سب کے چہروں پر بشاشت دوڑ گئی اور اللہ اکبر' سبحان اللہ کی آوازوں سے فضا گونج اٹھی۔

"آج سے تمہارا نام امتہ اللہ ہے۔"

آپ نے فرمایا اور پھر کہا۔

"میری طرف سے تم آزاد ہو۔ جہاں جانا چاہو جا سکتی ہو۔"

"حضور اب میں کہاں جاؤں گی اپنے قدموں میں جگہ دے دیں۔"

امتہ اللہ نے عرض کی تو آپ نے اسے اپنے حبالہ عقد میں لے لیا۔ سید

المحبوبین و امام الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جس سنت کے ترک کی طرف نشاندہی فرمائی تھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر عمل کی صورت پیدا فر دی تھی۔ یہ سوچ کر کہ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم راضی ہو جائیں گے' خوشی سے چہرہ مبارک تمتا اٹھا۔ یہ ۵۹۸ ہجری کا واقعہ ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پاک نام بلند کرنے اور اسلام کی شمع فروزاں کرنے میں ہمہ تن مشغول تھے۔ موسم بدلتے رہے۔ شہاب الدین محمد غوری اپنے نامزد حاکم قطب الدین ایبک سے بے حد مطمئن تھا جو ہندوستان کی حکومت کو بہترین انداز میں چلا رہا تھا۔ لہٰذا وہ خراسان کی حکمرانی میں مگن رہا اور دوبارا ہندوستان آنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ۳ شعبان المعظم ۶۰۲ ہجری کو غزنیں کے نواح میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں شہید ہو گیا۔

اب سلطان قطب الدین ایبک دہلی کے تخت پر مستحکم ہو گیا اور حکومت کے استحکام اور پائیدار امن کے لئے اس نے ہندوستان کے ہر گوشے میں لشکر بھیج کر نہ صرف سلطنت میں توسیع کی بلکہ بغاوتوں کو سر اٹھانے سے روکا۔

شہاب الدین محمد غوری نے راجہ پرتھوی راج کے بیٹے "کولا" کو باجگزار حاکم مقرر کیا تھا۔ اگرچہ اس نے کھل کر اسلامی حکومت کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا تھا لیکن اندرون خانہ وہ اپنی ذہنیت اور اجمیر کو باپ کی ملکیت سمجھتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف سرگرم عمل رہتا تھا۔ اسلامی حکومت کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں کی پشت پناہی کرتا رہتا تھا۔ اب وقت آگیا تھا کہ اس کو اجمیر کی حاکمیت سے دستبردار کر دیا جائے۔ لہٰذا قطب الدین ایبک نے اس کی جگہ میر سید حسین مشہدی کو جو سید حسین خنگ سوار کے نام سے موسوم

تھے درواغہ مقرر کیا۔

میر سید حسین مشہدی شہاب الدین محمد غوری کے ہمراہ آئے تھے جنہیں وہ واپسی پر سلطان قطب الدین ایبک کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ ان کا تعلق شیعہ مسلک سے تھا۔ لیکن مطالعہ' تحقیق اور اہل سنت کے اکابرین سے میل ملاقات نے ان پر روشن کر دیا تھا کہ اس مذہب کا دین حقہ سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا جب وہ اجمیر پہنچے تو آستانہ عالیہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ پر حاضری دی۔ تائب ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ اس پر باقی مسلمان بے حد مسرور تھے۔ اجمیر سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر کفر کا غلبہ تھا اور وہ دندناتا پھرتا تھا۔ اجمیر کے گرد و نواح کے اکثر لوگ حضرت سید حسین مشہدی رحمتہ اللہ علیہ کے توسط سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت سید حسین مشہدی رحمتہ اللہ علیہ کی اکثر ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں اور وہ مختلف امور پر مشورہ کرتے رہتے تھے۔ حضرت سید حسین مشہدی کو "کولا" کی جگہ کفار و مشرکین قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگا تھا۔ دلوں میں نفرت کے آلاؤ بھڑک رہے تھے۔ وہ ان کو راستے سے ہٹانے کے لئے موقع کے انتظار میں رہتے تھے۔ لیکن اللہ والوں کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی وہ اپنی دھن میں مگن رہتے ہیں اور اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لئے سر تاپا مستعد و تیار رہتے ہیں اور سرگرم عمل ہوتے ہیں۔

سلطان قطب الدین ایبک کو حکمرانی کرتے ہوئے بیس سال ہو گئے تھے کہ ۶۰۷ ہجری میں ایک دن چوگان کھیل رہا تھا کہ گھوڑے سے گرا اور سفر آخرت پر روانہ ہو گیا۔

اس اچانک سانحہ سے کفرو شرک کا بھوت اچانک بیدار ہو گیا۔ اس

نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ مسلمانوں میں افراتفری پھیل گئی ہے اور جگہ جگہ فتنہ سر اٹھانے لگا۔ ان دنوں حضرت سید حسین مشہدی رحمتہ اللہ علیہ کی فوج گردو نواح کے علاقوں میں تعینات تھی اور وہ تھوڑے سے نفوس کے ساتھ قلعہ اجمیر میں رہتے تھے جسے ان دنوں پٹیلی اور آج کل تاراگڑھ کہتے ہیں۔ کفار نے اس موقع کو غنیمت جانا اور شب تار میں کثیر تعداد میں آکر حملہ کر دیا۔ دونوں طرف سے تلواریں میانوں سے باہر آگئیں اور جنگ شروع ہو گئی۔ مسلمان بے جگری سے لڑے اور لڑتے لڑتے بہت سے کفار کو مار کر جام شہادت نوش کیا۔

حضرت میر حسین مشہدی رحمتہ اللہ علیہ موسوم بہ سید حسین خنگ سوار کی شہادت کی اطلاع جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو ہوئی تو درویشوں کے ہمراہ پہاڑ پر تشریف لے گئے جہاں قلعہ تھا۔ شہداء کی نماز جنازہ پڑھی اور وہیں سپرد خاک کر دیا۔ حضرت میر حسین مشہدی رحمتہ اللہ علیہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ روحانیت میں بلند مقام پایا تھا۔ مزار پر اکثر لوگ فیض کے لئے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔

سلطان قطب الدین ایبک کے بعد اراکین سلطنت کے مشورے سے سلطان شمس الدین التمش جو مرحوم سلطان کا غلام اور متبنٰی تھا تخت نشین ہوا۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے ۵۸۵ ہجری میں اس کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی تھی جب کہ اس کی عمر بارہ سال کی تھی کہ یہ لڑکا جب تک دہلی کا بادشاہ نہ ہو گا اللہ تعالیٰ اسے دنیا سے نہیں اٹھائے گا۔ لہٰذا بائیس سال بعد آپ کا فرمان سچا ثابت ہوا اور وہ تخت دہلی پر براجمان ہوا۔

سلطان شمس الدین التمش جب سریر آرائے سلطنت ہوا تو

ہندوستان کے اکثر و بیشتر حصوں میں کفر و شرک نے سر اٹھایا اور بغاوتوں کا طوفان اٹھ پڑا۔ لہٰذا اس کی تمام تر توجہ ان کو کچلنے کی طرف مبذول ہو گئی۔ جاگداروں کی سازباز سے امرائے معزی و قطبی نے جو بغاوت کی تھی سب سے پہلے التمش نے انہیں دہلی کے نواح میں شکست دی اور پھر بدایوں' اودھ' بنارس اور سوالک کو مطیع کیا۔ بعدازاں وہ دوسری طرف متوجہ ہوا۔ طویل عرصے تک وہ باغیوں سے نبرد آزما رہا اور پھر ان کو نکیل ڈالی۔ مسلمانوں کے جذبہ جہاد' حسن اخلاق و سیرت' حکمت عملی اور مثالی کردار و شجاعت کے سامنے دشمنوں کی تمام تدابیر نقش بر آب ثابت ہوئیں۔ اس میں حضرت خواجہ قطب الدین بختار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کی دعاؤں کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ سلطان شمس الدین التمش ان کا مرید و فرمانبردار تھا۔ اور جب حاضر خدمت ہوتا تو زانوئے ادب طے کرتا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ بھی اس سے بہت خوش تھے۔

بزرگان دین کی تبلیغ اسلام میں استقلال۔ تسلسل اور خلوص ہوتا ہے۔ وہ ہر لمحہ اس فریضہ کی ادائیگی میں مصروف رہتے ہیں۔ اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ جگہ بہ جگہ' قریہ بہ قریہ' بستی بستی' دین اسلام کا چراغ روشن کر رہے تھے جن کے گرد توحید و رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پروانے جمع ہو رہے تھے۔

ایک دن حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ چند مریدین کے ہمراہ ایک جنگل میں سے گزر رہے تھے۔ اس جنگل میں کچھ ڈاکو رہتے تھے جو بھی وہاں سے گزرتا وہ اس کو لوٹ لیتے تھے۔ ان ڈاکوؤں نے آپ اور آپ کے مریدین کو گھیر لیا۔

"جو کچھ تمہارے پاس ہے ہمارے حوالے کر دو۔"

ایک ڈاکو بولا۔ اس سے پیشتر کہ اسے کوئی جواب ملتا۔ اس ڈاکو نے اپنے ساتھیوں کو اشارا کیا تو انہوں نے آپ کے مریدین کے پاس جو کچھ بھی تھا وہ چھیننا شروع کر دیا۔

"یہ جو اشیاء تم نے چھینی ہیں انہیں واپس کر دو۔"

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"لوٹا ہوا مال ہم نے کبھی واپس نہیں کیا۔"

ڈاکو نے جواب دیا تو آپ نے ان ڈاکوؤں پر ایسی نگاہ ڈالی کہ لرزہ براندم ہو گئے۔ خوف طاری ہو گیا۔ بمشکل خود کو کھڑا رکھ سکے اور آپ کے قدموں پر گر پڑے۔

"ہمیں معاف کر دیں۔"

وہ ملتجیانہ انداز میں کہہ رہے تھے۔ لوٹا ہوا مال واپس کر دیا اور ہاتھ باندھ کر عرض کی۔

"یا حضرت! ساری عمر اسی طرح مال حرام کماتے گذری ہے۔ ہم آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی جماعت میں شامل کر لیں۔"

آپ نے انہیں اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیا اور چند نصیحتیں فرمائیں۔

انہوں نے پند و نصائح کو بغور سنا اور ہمیشہ ان پر کاربند رہے۔

باب ۱۲

گنجینہ اسرار مکتوبات

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے خلیفہ و مرید خاص حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کو دہلی میں چھوڑا تھا۔ اس وقت سے آپس میں ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ حسب الارشاد وہ دہلی اور اس کے مضافات میں مسافران گم کردہ راہ کو صراط مستقیم پر لا رہے تھے۔ خیر و برکت تقسیم فرما رہے تھے۔ کفر و شرک کے ریگستانوں میں نور اسلام کے نخلستان بنا رہے تھے۔ گمراہیوں کے بیابانوں میں حقائق کی صدائیں بلند کر رہے تھے۔ اجاڑ و ویران قلوب و اذہان میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت کو آباد کر رہے تھے۔

روحانیت کی دنیا میں بعد و فاصلہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ سینکڑوں میلوں کی مسافت پلک جھپکنے میں طے ہو جاتی ہے۔ مرید اگر سمندر پار بھی ہو تو وہ مرشد کی نگاہ میں ہوتا ہے اور وہیں اس کی حفاظت و رہنمائی بھی ہوتی ہے۔ اس لئے اگر مرشد و مرید میں کئی سال ملاقات نہ بھی ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن جب اچانک کسی دن مرشد کا محبت نامہ موصول ہو تو اس ہنگام مرید کی خوشی و انبساط کی انتہا کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس خوشی کو کوئی نام دیا جا سکتا ہے نہ کسی چیز سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ گنج گرانمایہ مرشد کے مرقوم چند حروف کے مقابل خزف ریزوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

جب اچانک ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے ہادی و مرشد حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کا خط مبارک ملا تو وہ کبھی اسے چومتے تھے۔ کبھی آنکھوں سے لگاتے تھے اور کبھی سینے پر رکھتے تھے۔ مکتوب کے ایک ایک لفظ میں محبت' شفقت' علم' معرفت' حکمت' ہدایت اور رہنمائی کے سمندر ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔ بار بار پڑھتے تھے اور گہری سوچوں میں مستغرق ہو جاتے تھے۔ ہر بار نئے اسرار و رموز آشکارا ہوتے تھے اور پھر اسے بڑی محبت' ادب اور احتیاط سے سنبھال کر رکھ لیا۔ بعد ازاں کبھی مرشد کا خیال آتا تو خط نکال کر اسے پڑھنے لگتے تھے۔ اس سے بڑا ان کے لئے اور کوئی خزانہ نہیں تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے ایک خط اور دوسرے خط کے مابین طویل عرصہ ہوتا تھا۔ جب مرشد کی طرف سے خط و کتابت کا آغاز ہوتا ہے تو اس طرح بہت کچھ عطا کرنا بھی مقصود ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ اپنے مرشد کے خطوط سنبھالتے جاتے تھے۔ ہر خط کے وصول ہونے کے بعد ملاقات کا اشتیاق فراواں ہو جاتا تھا۔ ایک دن انہوں نے تمام خطوط کو نکالا اور بڑی محبت و ادب عقیدت سے خلوت میں بیٹھ کر پڑھنے لگے۔

پہلا خط

حقائق و معارف سے واقف رب العالمین کے عاشق برادرم خواجہ قطب الدین کو معلوم ہو کہ لوگوں میں عاقل ترین وہ فقراء ہیں جنہوں نے درویشی اور نامرادی اختیار کر لی ہے۔ کیونکہ اس میں مراد نامرادی ہے اور نامرادی مراد ہے۔ برخلاف اس کے کہ اہل غفلت نے صحت کو زحمت اور

زحمت کو صحت خیال کر رکھا ہے۔ پس دانا وہی ہے جو دنیاوی مراد ترک کر کے فقر و نامرادی اختیار کرے اور اپنی مراد چھوڑ کر نامرادی سے واقفیت کرے۔

نامرادے تانگردی بامرادے کے رسی

پس مرد کو حق تعالیٰ سے وابستگی لازم ہے۔ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ آنکھ دے تو ہر راہ میں سوا اس کے کچھ نہ دیکھے۔

جہاں میں جسے دیکھے اس میں اس کی حقیقت دیکھے۔ کیونکہ ہر ذرہ خاک جہاں نما ہے۔ اگر دیکھا جائے۔

بجز شوق مواصلت ظاہری اور کیا لکھوں۔

فقیر

معین الدین چشتی سنجری

دوسرا خط

میرے دلی محب، میرے قلبی دوست

برادرم خواجہ قطب الدین دہلوی

اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہانوں کی سعادت عطا فرمائے۔ بندۂ مسکین کی طرف سے سلام مسنون کے بعد واضح ہو۔

عزیز من!

جس نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو پہچان لیا وہ کبھی سوال یا خواہش یا آرزو نہیں کرتا۔ جس نے نہیں پہچانا ہے وہ ان کی بات کو نہیں سمجھ سکتا۔

دوسرے حرص و ہوا کو ترک کرنا چاہئے۔

جس نے حرص و ہوا کو ترک کیا اس نے مقصود حاصل کر لیا چنانچہ ایسے شخص کے لئے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔

ونهى النفس عن الهوىٰ ○ فان الجنة هى الماوىٰ۔ ں جس

نے اپنی خواہشات نفسانی کو روکا اس کا ٹھکانہ بہشت ہے۔

جس دل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے پھیر دیا اسے کثرت شہوات کے کفن میں لپیٹ کر زمین ندامت میں دفن کر دینا چاہئے۔ خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ایک روز میں خواب میں دیدار الٰہی سے مشرف ہوا۔ پوچھا۔

بایزید! کیا چاہتے ہو؟

عرض کی۔

جو تو چاہتا ہے۔

خطاب ہوا۔

اچھا۔ جس طرح تو میرا ہے' اسی طرح میں تیرا ہوں۔"

ہر کہ گردن نہد رضا اورا
مر مراحق نگاہ باں باشد

جو تصوف کی ماہیت سے واقف ہونا چاہے وہ اپنے اوپر آسائش کا دروازہ بند کرے۔ پھر زانوئے محبت کے بل بیٹھ جائے۔ اگر یہ کام کر لیا تو سمجھو کہ اہل تصوف ہو گیا۔ طالبان حق کو یہ امر دل و جان سے بجالانا چاہئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وسوسہ شیطانی سے نجات پائے گا اور دونوں جہان کی مرادیں حاصل کرے گا۔

ایک روز میرے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"معین الدین! تجھے معلوم ہے کہ صاحب حضور کسے کہتے ہیں؟ صاحب حضور وہ ہے کہ ہر وقت مقام عبودیت میں ہو۔ ہر ایک واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیال کرے اور جانے اور اس پر راضی رہے۔ تو جہان کا بادشاہ اس کا محتاج

ہے۔"

بعض درویش کہتے ہیں کہ جب طالب کمال حاصل کر لیتا ہے تو گھبراہٹ نہیں رہتی۔ یہ غلط ہے۔ دوسرے جو یہ کہتے ہیں کہ عبادت کرنا بھی اس کے لئے ضروری نہیں ہوتا۔ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ عبادت' بندگی اور عبودیت میں سربسجود رہے اور اس کے باوجود عجز کا یہ عالم تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔

ما عبدناک حق عبادتک○

ہم نے تیری ایسی عبادت نہیں کی جیسا کہ حق تھا۔

یقین جانو کہ جب عارف کمالیت کا درجہ حاصل کرتا ہے تو اس وقت کمال درجہ کی ریاضت جس سے مراد نماز ہے۔ نہایت صدق دل سے ادا کرتا ہے۔ جب کوئی شخص یہ معلوم کر کے صدق سے کام لیتا ہے تو اسے اتنی پیاس محسوس ہوتی ہے گویا اس نے آگ کے پیالے پی رکھے ہیں۔ جوں جوں ایسے پیالے پیتا ہے پیاس غلبہ کرتی ہے۔ اس واسطے کہ جمال لامتناہی کی انتہا نہیں۔ اس وقت اس کا سکون بے سکون اور آرام بے آرام ہو جاتا ہے تاوقتیکہ بقائے الٰہی سے مشرف نہ ہو جائے۔ والسلام

فقیر
معین الدین چشتی سنجری

تیسرا خط

دردمند طالب' شوق دیدار الٰہی کے آرزومند درویش' جفاکیش'
میرے عزیز بھائی خواجہ قطب الدین
اللہ تعالٰی دونوں جہاں میں آپ کو سعادت نصیب کرے۔

سلام مسنون!

کے بعد مقصود یہ ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں یہ خاکسار' خواجہ نجم الدین صغریٰ اور خواجہ محمد تارک حاضر تھے کہ اتنے میں ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر خواجہ رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔

"یہ کیونکر معلوم ہو کہ کسی شخص کو قرب الٰہی حاصل ہو گیا ہے؟"

حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"نیک عملوں کی توفیق بڑی اچھی شناخت ہے۔ یقین جانو جس شخص کو نیک کاموں کی توفیق دی گئی اس کے قرب کا دروازہ کھل گیا ہے۔"

پھر آبدیدہ ہو کر فرمایا۔

"ایک شخص کے یہاں ایک صاحب وقت لونڈی تھی۔ جو آدھی رات کے وقت اٹھ کر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھتی اور شکر حق بجالاتی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرتی تھی۔

"اے پروردیگار! میں تیرا قرب حاصل کر چکی ہوں۔ مجھے اپنے سے دور نہ رکھنا۔"

اس لونڈی کے آقا نے یہ ماجرا سن کر اس سے پوچھا۔

"تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ تمہیں قرب الٰہی حاصل ہے؟"

اس نے کہا۔

"مجھے یوں معلوم ہے کہ اس نے مجھے آدھی رات کے وقت جاگ کر دو رکعت پڑھنے کی توفیق دے رکھی ہے۔ اس واسطے میں جانتی ہوں کہ مجھے قرب الٰہی حاصل ہے۔"

اس کے آقا نے کہا۔

"اے لونڈی! میں نے تمہیں اللہ کے لئے آزاد کیا۔"

پس انسان کو دن رات عبادت الٰہی میں مصروف رہنا چاہیے تاکہ اس کا نام نیک لوگوں کے دفتر میں درج ہو جائے اور نفس و شیطان کی قید سے بچ جائے۔ والسلام

فقیر
معین الدین چشتی سنجری

چوتھا خط

اللہ الصمد کے اسرار سے واقف، لم یلد ولم یولد کے انوار کے ماہر۔

میرے بھائی قطب الدین

اللہ تعالیٰ آپ کے مدارج زیادہ کرے۔

فقیر پر تقصیر معین الدین سنجری کی طرف سے خوشی و خرمی آمیز اور انس و محبت بھرا اسلام پہنچے۔

مقصود یہ ہے کہ نادم تحریر صحت ظاہری کے سبب مشکور ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو ثواب دارین عطا فرمائے۔

بھائی! میرے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"سوائے اہل معرفت کے کسی اور کو عشق کے رموزات سے واقف نہیں کرنا چاہیے۔"

جب حضرت شیخ سعدی میگوئی رحمتہ اللہ علیہ نے آنجناب سے پوچھا۔

"اہل معرفت کو کیونکر پہچان سکتے ہیں؟"

فرمایا۔

"اہل معرفت کی علامت ترک ہے۔ جس میں ترک ہے یقین جانو کہ وہ اہل

معرفت ہے اور اسے اللہ شناسی حاصل ہے۔ اور جس میں ترک نہیں اس میں معرفت الٰہی کی بو بھی نہیں۔ یہ اچھی طرح یقین کر لو کہ کلمہ شہادت اور نفی و اثبات حق تعالیٰ کی معرفت ہے۔"

مال و مرتبہ بڑے بھاری بت ہیں۔ انہوں نے بہت لوگوں کو سیدھی راہ سے گمراہ کیا اور کر رہے ہیں۔ یہ معبود خلائق بن رہے ہیں۔ بہت لوگ جاہ و مال کی پرستش کرتے ہیں۔ پس جس نے جاہ و مال کی محبت کو دل سے نکال دیا اس نے گویا پوری نفی کر دی اور جسے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو گئی اس نے پورا پورا اثبات کر لیا اور یہ بات لاالٰہ الااللہ کے کہنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

پس جس نے کلمہ شہادت نہیں پڑھا اسے خدا شناسی حاصل نہیں ہوئی۔

فقیر
معین الدین چشتی سنجری

پانچواں خط

مخزن اسرار یزدانی - معدن فیوض سبحانی -
میرے بھائی قطب الدین
اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔

ایک روز میرے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے نفی و اثبات کے کلمہ کی بابت کیا خوب فرمایا۔

"نفی اپنے کو نہ دیکھنا اور اثبات اللہ تعالیٰ جل جلالہ کو دیکھنا ہے کیونکہ کوئی خود بیں خدا بیں نہیں ہو سکتا۔ پس نفی کی نفی کرنے والا ہونا چاہیئے۔ ورنہ نفی کا کچھ

فائدہ نہیں۔ اگر یہ خیال کریں کہ ہستی صرف اللہ تعالٰی کے ہستی ہے تو مطلب حاصل ہوتا ہے۔"

واضح رہے کہ کلمہ شہادت' نماز' روزہ وغیرہ کی صورت بھی اور حقیقت بھی ہے۔ ان کے حقائق کو چھوڑ کر صرف ظاہری صورتوں پر قناعت کر لینا فضول ہے۔ وہ شخص بڑا ہی احمق ہے جو ان لے حقائق تک نہیں پہنچتا۔

پھر فرمایا۔

" اللہ تعالٰی ہمیشہ تھا اور ہمیشہ رہے گا۔ سالک ابتداء میں نابینا ہوتا ہے۔ جب حق کی طرف سے اسے بینائی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اس سے دیکھتا اور سنتا ہے۔ اپنے آپ کو فراموش کر دیتا ہے۔ جب ایسی صورت ہو جائے تو واصل اور ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتا ہے۔

فقیر

معین الدین چشتی سنجری

جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ وصول شدہ پانچوں خطوط پڑھ چکے تو دروازہ پر ہلکی سے دستک ہوئی۔

" آجاؤ "

انہوں نے فرمایا۔ خادم خاص اندر داخل ہوا اور اس نے ایک عریضہ لا کر خدمت عالیہ میں پیش کیا۔ یہ بھی حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کا ارسال کردہ تھا۔ انہوں نے بیتابی سے اسے کھولا اور پڑھنے لگے۔ لکھا تھا۔

چھٹا خط

عارف معارف ' حق آگاہ ' عاشق اللہ

بھائی قطب الدین اوشی

اللہ تعالیٰ آپ کے فقر کو زیادہ کرے۔

دعاگو کی طرف سے انس آمیز سلام کے بعد مکشوف رائے معرفت پیرا ہو۔

عزیز من!

اپنے مریدوں کو ضرور بتا دینا۔

"فقیر مرشد کامل سے کیا مراد ہے اور اس کی علامت کیا ہے۔ اور یہ کیونکر پہچانا جاتا ہے۔"

مشائخ طریقت قدس اللہ اسرارہم نے فرمایا ہے۔

"الفقیر مالا یحتاج الی کل شئی"

فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جو تمام ضروریات سے فارغ ہو اور اس کے باقی رہنے والے جمال کے سوا اور کسی چیز کا طالب نہ ہو کیونکہ تمام موجودات کے باقی رہنے والے۔ جمال کا آئینہ اور مظہر ہیں۔ اس واسطے وہ ان سب میں اپنا مقصود دیکھتا ہے۔

کامل فقیر اسے کہتے ہیں کہ جس کے دل سے سوائے حق تعالیٰ کے سب کچھ دور ہو اور سوائے اللہ تعالیٰ اور کوئی اس کا مقصود و مطلوب نہ ہو۔

"جب ماسوائے اللہ دل سے دور ہو جاتا ہے۔ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔"

پس طالب کو ہمیشہ مطلوب و مقصود کے درپے رہنا چاہئے۔ اب یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ مطلوب و مقصود کیا ہے؟ پس معلوم ہونا چاہئے کہ مقصود یہی درد و

سوز ہے۔ خواہ حقیقی ہو یا مجازی۔ یہاں سوز مجازی سے مراد ابتدائے احکام شریعت ہے۔

والسلام

فقیر

معین الدین چشتی سنجری

جب خط پڑھا تو آتش ہجر و فراق تیز تر ہو گئی۔ دل چاہتا تھا کہ پر لگ جائیں اور اڑ کر مرشد کے قدموں میں پہنچ جاؤں۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں عریضہ ارسال کیا اور لکھا۔

مرشدنا

سلطان الآفاق حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ

سلام مسنون کے بعد عرض ہے۔

اشتیاق دیدار اس قدر ہے کہ رہا نہیں جاتا۔ اگر اجازت ہو تو بندہ شرف قدمبوسی حاصل کرے۔

سلطان شمس الدین التمش کی پریشانیوں اور دہلی کی مشکلات کے حل کے لئے دعا فرمائیں۔

والسلام

احقر

قطب الدین

خط حوالہ ڈاک کرنے کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ شدت سے حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کے جواب کا انتظار کرنے لگے۔ چند دونوں کے بعد جواب آگیا۔ رقم تھا۔

بھائی قطب الدین دہلوی
اللہ تعالٰی سلامت رکھے۔
عزیز من!
المرء مع من احب۔
یہ آقا و مولا رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے کہ آدمی اسی کے ساتھ رہتا ہے جس کے ساتھ اسے محبت ہو۔
قرب روحانی کے لئے بعد جسمانی مانع نہیں ہے۔ اگرچہ جسمانی طور پر آپ مجھ سے دور ہیں لیکن روحانی طور پر مجھ سے بالکل قریب ہیں۔
آپ وہاں سلامت رہیں۔ انشاء اللہ کچھ عرصے کے بعد بہ ارادت حضرت اللہ آپ کی طرف آنا ہو گا۔

والسلام
فقیر
معین الدین چشتی سنجری

لہٰذا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کو بحکم مرشد دہلی میں ہی رکنا پڑا اور اس گھڑی کا شدت سے انتظار فرمانے لگے کہ کب حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ قدوم میمنت لزوم سے نوازتے ہیں۔

انہیں دنوں شیخ الاسلام قضائے الٰہی سے رحلت فرما گئے۔ سلطان شمس الدین التمش اپنے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور بصد ادب عرض کی۔
"یا شیخ! شیخ الاسلام کی وفات سے شیخ الاسلامی کا منصب خالی ہو گیا ہے۔"
لیکن انہوں نے اس بات کی طرف قطعاً التفات نہ فرمایا۔ سلطان شمس الدین

التمش کو جرات نہ ہوئی کہ یہ منصب اپنے مرشد کو پیش کرے۔ لہٰذا اس نے خالی آسامی پر شیخ نجم الدین صغریٰ کو تعینات کر دیا۔ اس سے قبل وہ نیک روشن اور پسندیدہ اخلاق رکھتے تھے۔ لیکن دنیائے دنی نے جلد ہی اپنا اثر دکھایا اور اپنے حال پر قائم نہ رہ سکے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ مادرزاد ولی اللہ تھے۔ بچپن میں ہی والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کی تعلیم و تربیت کی تمام تر ذمہ داری والدہ ماجدہ پر آن پڑی تھی۔ جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے تو تھوڑے ہی عرصے میں مرشد کی نظر خاص اور لطف و کرم سے سلوک کی منازل طے کر لی تھیں۔ دہلی میں ان کا قیام باعث رحمت و برکت تھا۔ سلطان شمس الدین التمش' اراکین سلطنت' اکابر و روسا اور عوام الناس کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ سے حد درجہ اعتقاد و محبت تھی جو حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کے مرید خاص اور محبوب ترین خلیفہ تھے۔

جس خط میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کو لکھا تھا کہ ہم خود آئیں گے اس کے چند دن بعد آپ نے دہلی کا رخ کیا۔ یہ وسط ۶۱۲ ہجری کا واقعہ ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اندر داخل ہوئے۔ ان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا تھا۔ خوشی سے آنکھوں میں آنسو آگئے۔ منہ سے بے اختیار نکلا۔

"یا شیخ۔ یا شیخ"

اور پھر قدموں سے لپٹ گئے۔ آپ کی آمد دولت زمین سے کم نہ تھی۔ نہایت

عزت و احترام سے بٹھایا اور خود مودب ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کے مریدین کی بھی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ وقت کا عظیم ولی و قطب ان کے سامنے بیٹھا تھا اور وہ آپ کے دیدار میں اس قدر محو تھے کہ آنکھیں بھی نہیں جھپکتے تھے۔

"یا خواجہ! اجازت ہو تو سلطان شمس الدین التمش کو آپ کی آمد کی اطلاع کر دی جائے۔"

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔

"قطب الدین! میں صرف تمہیں ملنے کے لئے آیا ہوں۔ چند دن قیام کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔"

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"جیسے حضور پسند فرمائیں۔"

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی اور پھر آپ خدمت میں منہمک ہو گئے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ دہلی میں موجود ہوں اور یہ خبر پوشیدہ رہے' ناممکن تھا۔ آن واحد میں آپ کی موجودگی کی اطلاع بادشاہ سے لے کر عوام الناس تک سب کو ہو گئی۔ بس پھر کیا تھا لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ سلطان شمس الدین التمش جو بزرگان دین کا بڑا عقیدت مند اور ان سے محبت کرنے والا تھا مع خواص حاضر خدمت ہوا اور بے حد ادب بجا لایا۔ اور بصد عجز و انکساری عرض کی۔

"یا خواجہ! اگر کرم گستری فرمائیں تو میرے غریب خانے کو اپنے قدوم سے سرفراز فرمائیں۔"

"ہم اپنے قطب الدین کے یہاں قیام کریں گے۔"

ایک جہاں تھا کہ حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے امڈا چلا آ رہا تھا لیکن شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ آپ سے ملاقات کے لئے حاضر نہ ہوا حالانکہ اس سے قبل وہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی محفل میں آپ سے مل چکے تھے۔

ازراہ نوازش اور بہ اتباع خلق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ بہ نفس نفیس ان سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ اپنا مکان بنوا رہے تھے۔ انہوں نے آپ کی طرف قطعاً توجہ نہ کی۔ آپ نے فرمایا۔

"اے نجم الدین! ایسی کیا تجھ پر بلا آئی کہ شیخ الاسلامی کے نشہ میں انسانیت کو بالائے طاق رکھا اور راہ و رسم دیرینہ اور وضع داری قدیم کو یکسر فراموش کر دیا۔"

یہ سن کر شیخ نجم الدین صغریٰ شرمندہ ہوا۔ آپ کے پاس آیا اور عرض کی۔

"یا حضرت! میں معذرت خواہ ہوں۔"

"آخر اس روش و رویہ کی وجہ کیا ہے؟"

آپ نے دریافت فرمایا تو شیخ نجم الدین صغریٰ نے عرض کی۔

"یا خواجہ! قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے میری منزلت برباد کر دی ہے۔"

"وہ کیسے؟"

آپ نے پوچھا تو وہ بولا۔

"تمام مخلوق اس کی طرف رجوع کرتی ہے۔ میں تو برائے نام شیخ الاسلام ہوں۔ کوئی مجھے پوچھتا ہی نہیں۔"

یہ سن کر حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ مسکرائے اور فرمایا۔

"تم خاطر جمع رکھو۔ قطب الدین کو میں اپنے ساتھ اجمیر لے جاؤں گا۔"

یہ فرما کر آپ واپس حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں تشریف لے گئے۔

دہلی میں قیام کے دوران میں حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے علم و عرفان کی دولت جی بھر کر لٹائی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ پر بے انتہا نوازشات فرمائیں اور گرانمایہ نعمت سے نوازا۔ ان کے مریدین کو بھی ان کی استطاعت و قابلیت کے مطابق فیض یاب کیا اور پھر فرمایا۔

"قطب الدین!"

"جی حضور۔"

"تمہارے مریدوں میں سے کیا کوئی فیض و نعمت پانے سے رہ گیا ہے۔"

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔

"بابا فرید الدین گنج شکر رہ گیا ہے وہ چلہ میں بیٹھا ہے۔"

آپ نے سنا تو فرمایا۔

"آؤ اسے دیکھیں"

اور پھر دونوں حضرات اس حجرہ کی طرف تشریف لے گئے جہاں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ جن کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ مسعودی کہا کرتے تھے چلہ میں مصروف تھے۔

حجرے کا دروازہ کھولا تو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ مرشد کے فرمان کے مطابق وظائف میں مشغول تھے۔ حضرت خواجہ معین

الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں دیکھا تو فرمایا۔

"بابا قطب الدین۔"

"یا پیرو مرشد"

"تم نے ایسے شاہباز عظیم کو قید کر رکھا ہے۔ جو سوائے سدرۃ المنتہیٰ کے کسی دوسری جگہ آشیانہ نہیں بناتا۔ یہ فرید ایک ایسی شمع ہے جو خانوادہ درویشاں کو منور کرے گا۔ کب تک اس بیچارے کو مجاہدہ میں گھلاؤ گے۔"

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ مرشد اور مرشد کے مرشد تشریف لائے ہیں تو تعظیم کے لئے اٹھنا چاہا لیکن ضعف مانع ہوا۔ کئی مرتبہ اٹھنے کی کوشش کی لیکن کھڑے نہ ہو سکے۔ اسی اثنا میں دونوں بزرگ ان کے قریب پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اولاً اپنے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کو مودبانہ تعظیم دی اور ان کے قدموں سے لپٹ گئے۔ انہوں نے تین بار حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"پہلے حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کی تعظیم بجالاؤ۔"

لیکن انہوں نے حفظ مراتب کو ملحوظ رکھا اور پہلے اپنے مرشد کی ہی تعظیم کی اور بعد ازاں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں کو بوسہ دیا۔

اس ادا پر حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے تبسم فرمایا۔ معنی خیز نظروں سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

"یہ کمالیت کا ثبوت ہے۔ آؤ اسے کچھ عطا کر دیں۔"

"آپ کی موجودگی میں یا خواجہ میری کیا مجال ہے کہ میں کچھ عطا کروں۔"

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔ اس پر حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ بہت مسرور ہوئے اور انہیں مزید فیوض و برکات سے نوازا۔ بعدازاں حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا دایاں بازو اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے بایاں بازو پکڑا اور انہیں کھڑا کیا۔ پھر حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے آسمان کی طرف منہ کر کے بارگاہ ایزدی میں التجا کی۔

"اے اللہ رب العالمین! ہمارے فرید کو قبول فرما اور اکمل درویش کے مرتبہ پر پہنچا۔"

غیب سے آواز ائی۔

"ہم نے فرید کو قبول کیا۔ یہ وحید عصر ہو گا۔"

یہ الفاظ سن کر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی حالت میں تبدیلی واقع ہوئی۔ پھر حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے جو بخش و انعام عطا فرمانا تھا فرمایا۔ اور حضرت قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ یہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"اسم اعظم جو خواجگان چشت میں سینہ بہ سینہ چلا آ رہا ہے اسے تلقین کرو۔"

مرشد کے حکم کے مطابق انہوں نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو اسم اعظیم کی تلقین کی تو علم لدنی کا انکشاف ان پر ہوا اور حجابات کے پردے اٹھ گئے۔

اس موقع پر حضرت قاضی حمید الدین ناگوری سہروردی' مولانا

حضرت علی کرمانی' حضرت علاء الدین کرمانی' حضرت سید نور الدین غزنوی' حضرت شیخ نظام الدین ابوالموید' حضرت مولانا شمس الدین ترک' حضرت خواجہ محمود موئینہ دوز اور دیگر مشائخ رحمہم اللہ علیہم اجمعین موجود تھے۔ بعد ازاں حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے خلعت عطا فرمایا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے دستار' شال اور دیگر نوازمات خلافت مرحمت فرمائے۔

جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اجمیر واپس جانے لگے تو شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ کے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کے مطابق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"تم ہمارے ساتھ چلو"

جب لوگوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان کے غم والم کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اور جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ اپنے شیخ کے ہمراہ اجمیر روانہ ہوئے تو اس خبر سے تمام شہر دہلی میں تہلکہ مچ گیا اور ہر طرف کہرام برپا ہو گیا۔ تمام اہل شہر مع سلطان شمس الدین التمش ان کے پیچھے نکلے۔ جس جگہ حضرت شیخ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ قدم رکھتے تھے لوگ اس جگہ کی خاک کو تبرکاً" اٹھا لیتے تھے اور انتہا درجے کی بیقراری و زاری کرتے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے جب یہ صورت دیکھی تو فرمایا۔

" بابا قطب الدین ! تم یہیں رہو۔ خلقت تمہارے جانے سے اضطراب و بیقراری میں ہے۔ میں ہرگز اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ اتنے دل تمہاری

آتش جدائی سے کباب ہوں۔ میں نے اس شہر کو تمہاری پناہ میں چھوڑا۔"

پس سلطان شمس الدین التمش نے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی سعادت قدم بوسی حاصل کی اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ نہایت خوشی کے ساتھ شہر کی طرف لوٹ گیا۔

باب ۱۴

تصرف و حفاظت مریدین

دہلی سے واپسی کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ حسب معمول رشد و ہدایت کے چراغ روشن کرنے لگے۔ وقت گزرتا رہا اور ان چراغوں کی روشنی دور و نزدیک پھیلنے لگی۔ جو مریدین تربیت یافتہ ہو جاتے انہیں دین اسلام کی اشاعت پر مامور فرما دیتے تھے۔ ان سے رابطہ برقرار رہتا تھا۔ وہ بھی گاہے بگاہے حاضر خدمت ہوتے رہتے تھے۔ جنہیں حسب حال ہدایات مرحمت فرماتے تھے۔

سید حسین مشہدی رحمۃ اللہ علیہ موسوم بہ سید حسین خنگ سوار کی شہادت کے بعد ان کے چچا حضرت سید وجیہ الدین مشہدی رحمتہ اللہ علیہ اجمیر کے داروغہ مقرر ہوئے۔ بڑے عابد و زاہد شب زندہ دار اور پاکباز تھے۔ ان کی دختر نیک اختر بی بی عصمت اللہ بڑی پاکباز اور رابعہ عصر تھیں۔ ہر وقت اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یاد میں مست رہتی تھیں۔ جب بالغ ہوئیں تو ان کی شادی کی فکر دامن گیر ہوئی۔ لیکن کوئی نیک و بزرگ شخص نظر نہیں آتا تھا جس سے ان کا عقد کیا جاتا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا حضرت سید وجیہ الدین مشہدی رحمتہ اللہ علیہ کے فکر و پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

ایک شب وہ استراحت فرما رہے تھے کہ خواب میں حضرت امام جعفر

صادق رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی۔ انہوں نے پوچھا۔
"بیٹا! کیوں فکرمند و پریشان ہو؟"
عرض کی۔
"یا حضرت! بی بی عصمت اللہ کے لئے کوئی مناسب رشتہ نہیں مل رہا۔ اسی کا فکر رہتا ہے۔
سنا تو انہوں فرمایا۔
"وجیہ الدین! تمہارے لئے تاجدار عرب و عجم' سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پیغام لایا ہوں۔"
حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سنا تو ادب سے متوجہ ہو گئے اور عرض کی۔
"میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کیا حکم ہے۔"
حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔
"حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حکم ہے کہ وجیہ الدین سے کہو کہ اپنی بیٹی عصمت اللہ کی شادی خواجہ معین الدین حسن سنجری سے کر دو۔"

خواب دیکھنے کے بعد حضرت سید وجیہ الدین مشہدی رحمتہ اللہ علیہ کی آنکھ کھل گئی۔ فکر و پریشانی کے سیاہ بادل چھٹ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے اور جب صبح ہوئی تو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر پہنچے اور جو خواب دیکھا تھا ان کے گوش گزار کیا۔ تو آپ نے ان سے فرمایا۔

"وجیہ الدین! اگرچہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اب یہ عمر شادی کی نہیں ہے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمان عالیہ کے مطابق مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔"

اور پھر دوسرے دن بی بی عصمت اللہ آپ کے حبالہ عقد میں داخل ہو گئیں۔
یہ ۶۱۶ ہجری کا واقعہ ہے۔

اجمیر سے چند فرسنگ کے فاصلے پر ناگور کا علاقہ ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ رائے پتھورا نے اپنے ایک آفیسر سے جو جانوروں کے گھاس اور دانہ کی نگرانی کرتا تھا کہا۔

"گھوڑوں کے طویلہ کے لئے کوئی مناسب اور اچھا مقام تلاش کرو۔ وہاں شہر بھی آباد کروں گا۔"

وہ آفیسر بہت گھوما پھرا۔ جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں اب شہر ناگور ہے تو اس نے ایک دنبی کو دیکھا کہ اس کے بچہ پیدا ہوا ہے اور ایک بھیڑیا اس بچہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ دنبی نے اپنے بچے کو پیچھے کر کے اس بھیڑیے پر حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا۔

"یہ مردانہ جگہ ہے اور اس جنگل کا آب و گیاہ گھوڑوں کے لئے مفید ہے۔"

چنانچہ وہاں ایک شہر آباد کر کے اس کا نام "نوانگر" یعنی نیا شہر رکھا۔ معزالدین محمد سام غوری ملقب بہ شہاب الدین محمد غوری راجہ پرتھوی راج کو واصل جہنم کرنے کے بعد جب یہاں پہنچا تو اس کی ترک فوجوں کے زمانہ میں یہ لفظ ناگور بن گیا اور پھر اسی نام سے مشہور ہوا۔

موضع سوال ناگور کا حصہ تھا جو اجمیر سے دو فرسنگ کے فاصلے پر ہے۔ وہاں حمید الدین نامی ایک شخص رہتا تھا۔ ان کے والد شہاب الدین محمد غوری کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے۔ حمید الدین وہ پہلا بچہ تھا جو فتح دہلی کے بعد ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔ جب حالات سازگار ہوئے تو ان کے والد نے سوال میں رہائش اختیار کر لی اور حمید الدین وہیں جوان ہوا۔ سوال میں رہائش کی وجہ سے لوگ اسے حمید الدین سوالی کہتے تھے۔

یہ حضرت سعید بن عمر قریشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے جو امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی تھے اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

حمید الدین سوالی ابتدائی زمانے میں بہت پریشان حال تھے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو بے حد حسین و جمیل بنایا تھا۔ لہٰذا جو عورت ان کو دیکھ لیتی تھی فریفتہ ہو جاتی تھی۔ حسن اور جوانی جب یکجا ہو جائیں تو شیطان کو ترغیب دینے میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ اسی منش کے یار دوست بھی مل جاتے ہیں جو عیش و طرب اور فسق و فجور میں مددگار ثابت ہوں۔ اس میں ماحول کا بے حد عمل دخل تھا۔ جو برائیوں کو جنم دیتا ہے۔ لیکن رگوں میں جن عظیم ہستیوں کا خون دوڑ رہا تھا وہ زیادہ عرصہ ان کو ناپسندیدہ راستوں پر گامزن رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ بعض اوقات دل کے نہاں خانوں سے غیر مرئی سی آواز سنائی دیتی تھی۔

"حمید الدین! جس ڈگر پر تم چل رہے ہو یہ تاریک' ویران اور تباہ کن منزل کی طرف جاتا ہے۔

لیکن راہ ہدایت کی روشنی کے لئے کہاں جائیں اس کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کا پرچار جب زبان زد عام ہوا تو انہوں نے بھی سنا اور پھر کوئی نہ کوئی بات آپ کے بارے میں ان کے کان میں پڑتی رہتی تھی۔ فرصت کے لمحات میں جب وہ اپنی پریشانی اور زندگی کے شب و روز کے بارے میں غور کرتے تو روشنی کی ایک کرن دل و دماغ کو منور کر دیتی تھی اور سوچنے لگتے تھے۔

"میرے دکھوں کا مداوا حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں میں

ہے۔"
اور پھر ایک دن ان کے قدم کشاں کشاں اجمیر شریف کی جانب اٹھنے لگے۔

جامع مسجد اجمیر میں مریدین اور دوسرے افراد کا ہجوم تھا۔ حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ تشریف فرما تھے اور رشد و ہدایت کے آبدار موتیوں کی برسات ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی آپ نظروں کو اٹھا کر باہر کی جانب دیکھنے لگتے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی کا انتظار ہو۔

حمید الدین سوالی جب آستانہ عالیہ کے صدر دروازے پر نمودار ہوئے تو حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی نظریں ان پر پڑیں تو لب خنداں ہو گئے۔ حمیدالدین سوالی نے جب آپ کو دیکھا تو بزرگی کے نور نے انہیں مسحور کر دیا۔ ایک طرح کی مقناطیسیت تھی جو انہیں آپ کی جانب کھینچ رہی تھی۔ جب وہ حاضرین کے عقب میں آ کر بیٹھنے لگے تو آپ نے فرمایا۔

"نوجوان کو ہمارے پاس آنے دو۔"

لوگوں نے راستہ دے دیا اور وہ آپ کے قدموں سے لپٹ گئے۔ آپ نے پیار سے اس کے سر اور پشت پر ہاتھ پھیرا اور پھر انہیں بیٹھنے کو فرمایا۔

"یا حضرت! زندگی کے کئی قیمتی و نایاب سال فسق و فجور میں ضائع ہو گئے ہیں۔ میں اپنے گناہوں سے تائب ہوتا ہوں۔ میرے لئے دعا فرمائیں اللہ تبارک و تعالیٰ میرے گناہ معاف فرمائے۔"

آپ نے فوراً ہاتھ بارگاہ رب العزت میں اٹھائے۔ حاضرین نے بھی ساتھ ہی ہاتھ اٹھائے اور اللہ تعالیٰ سے حمیدالدین سوالی کے لئے دعا کی۔

"حضور! اب آپ مجھے اپنے غلاموں میں بھی شامل فرمالیں۔"

حمیدالدین سوالی نے عرض کی تو آپ نے اسے بیعت فرمالیا۔

"یا شیخ! میرے پاس جو بھی متاع دنیا ہے اس سے ترک و تجرید اختیار کرتا ہوں۔"

حمید الدین سوالی نے عرض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

"بسر اوقات کے لئے تھوڑی سی زمین رکھ لو۔"

چنانچہ مرشد کے فرمان کے مطابق انہوں نے دریا کے کنارے تقریباً دس جریب زمین رکھ کر باقی جو کچھ تھا فقراء میں تقسیم کر دیا۔ ہر وقت عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ مرشد نے جو اوراد و وظائف تلقین کئے تھے ان پر بڑی پابندی سے کاربند تھے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے ان کو ارشاد فرمایا۔

"حمید الدین! تم ناگور میں ہی اہل خانہ کے ساتھ رہو۔"

لہٰذا وہ وہیں زمین کو پھاوڑوں سے کھودتے تھے' سبزی اگاتے تھے اور اسی پر قناعت کرتے تھے۔ اکثر اپنے مرشد کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور فیض نظر سے سلوک کی منزلیں دنوں میں طے کرنے لگے۔ رگوں میں دوڑتے صالح و پاکیزہ خون نے مرشد کی روحانی تربیت سے جلوہ گری کرنا شروع کر دی تھی۔

ایک دن پرانے ہم نشین اور دوست آئے اور کہا۔

"حمید الدین! آؤ پھر وہی عیش لوٹیں۔"

انہوں نے دوستوں کے ہمراہ جانے سے انکار کر دیا اور فرمایا۔

"مجھ مسکین کو چھوڑ دو۔ میں نے اپنا آزار بند ایسا مضبوط باندھا ہے کہ بہشت میں حوروں پر بھی کھلنے کا نہیں۔"

حضرت شیخ حمید الدین سوالی ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کا رنگ ان کی اہلیہ خدیجہ پر بھی چڑھنے لگا تھا۔ اس میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری

رحمتہ اللہ علیہ کی توجہ اور دعا کا بھی ہاتھ تھا۔ زہد و تقویٰ میں رابعہ ثانی تھیں۔ ایک ہفتے کے بعد سبزی سے روزہ افطار کرتی تھیں اور اپنے ہاتھ سے سوت کات کر کپڑا بناتی اور پہنتی تھیں۔ ایک دن ایک فقیر نے ان سے دریافت کیا۔

"یہ کیا بات ہے کہ بعض مشائخ زندگی میں بڑی شہرت حاصل کرتے ہیں اور وصال کے بعد کوئی ان کا نام بھی نہیں جانتا اور بعض رحلت کے بعد خاص و عام میں شہرت پاتے ہیں۔"

حضرت خدیجہ علیہ الرحمتہ نے جواب دیا۔

"جو شخص اپنی زندگی میں شہرت کا خواہاں ہے خداوند کریم اس کی وفات کے بعد اس کے نام و نشان کو پوشیدہ کر دیتا ہے اور جو شخص اپنی زندگی میں خود کو پوشیدہ رکھتا ہے اس کا ذکر خیر وصال کے بعد مشرق سے مغرب تک مشہور ہو جاتا ہے۔"

ایک دن محفل سجی تھی۔ جس میں دنیادار بھی تھے اور درویش بھی۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ خوش وقت تھے۔ ارشاد فرمایا۔

"جو شخص جو کچھ مانگنا چاہے مانگ لے۔ قبولیت کا دروازہ کھلا ہے۔"

جب حاضرین محفل نے سنا تو کسی نے دنیا طلب کی اور کسی نے عقبیٰ چاہی۔ آپ نے شیخ حمید الدین سوالی کی طرف منہ کر کے فرمایا۔

"تم کیا چاہتے ہو تاکہ دنیا اور عقبیٰ میں معزز اور مکرم رہو۔"

انہوں نے عرض کی۔

"یا خواجہ! دنیا کو چاہنے سے کیا کام۔ بندہ وہی چاہتا ہے جو مولا چاہے۔"

یہ سماعت فرمایا تو آپ نے کہا۔

" التارک الدنیا و الفارغ عن العقبیٰ سلطان التارکین حمید الدین

صوفی۔"

پس اسی دن سے ان کا لقب سلطان التارکین صوفی ہو گیا۔

حضرت شیخ حمید الدین سوالی ناگوری رحمتہ اللہ علیہ نے سلوک کی راہوں پر چلنے کا آغاز' ترک و تجرید' محبت مرشد اور توبۃالنصوحا سے کیا تھا۔ لہٰذا بے شمار حجابات اٹھ گئے۔ روحانی طور پر کئی درویشوں سے بہت آگے نکل گئے تھے اور حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے مشہور خلفاء میں سے ہوئے۔

ایک روز حضرت خواجہ بزرگ خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک کاشتکار حاضر خدمت ہوا۔ اس کے چہرے سے مظلومیت جھلکتی تھی۔ آپ نے اسے دیکھا تو بڑی شفقت سے پاس بٹھایا اور اس کی پریشانی کی وجہ دریافت فرمائی۔ آپ کا محبت آمیز رویہ دیکھ کر اس کی آنکھیں نم آلود ہو گئیں۔ رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

" حضور! حاکم نے میرے کھیت کی پیداوار ضبط کر لی ہے۔ کہتا ہے جب تک بادشاہ کا فرمان نہ لاؤ گے اس میں سے کچھ نہ پا سکو گے۔ لہٰذا آپ کی امداد کا خواہاں ہوں تاکہ مصیبت سے نجات ملے۔ میری روزی کا وسیلہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔"

اس نے ایک ہی سانس میں کہہ دیا۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ جب کسی مظلوم' خستہ حال اور مصیبت زدہ کو دیکھتے تو بیتاب ہو جاتے تھے اور اس کی مدد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ وہ انسانوں کے دکھوں' پریشانیوں اور تفکرات کا بوجھ خود اٹھا لیتے تھے اور انہیں فارغ کر دیتے تھے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز کی قضا ہے خدمت کی قضا نہیں ہے۔ لہٰذا جب کوئی

سائل آتا ہے تو خدمت واجب ہوتی ہے اور جو خدمت ان کے ذمے ہو اس کا بوجھ دوسروں پر نہیں ڈالتے۔ اگر حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ سلطان شمس الدین التمش کو چند حروف لکھ بھیجتے۔ اپنے کسی خادم کو اس کا کام کرنے پر مامور کر دیتے یا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کو خط لکھ بھیجتے تو اس حاجت مند کاشتکار کا کام ہو جاتا۔ لیکن ایسا کرنا آپ کی شان سے بعید تھا۔ ان تمام باتوں سے خود نمائی اور برتری کا تصور ابھرتا تھا۔ بزرگان دین نظر اٹھائیں تو لوح محفوظ پر لکھا پڑھ لیتے ہیں۔ لوگوں کی پیشانیوں پر جہنمی اور جنتی کے مرقوم لفظ دیکھ لیتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ خود کو سب سے کمتر خیال کرتے ہیں۔ یہی ان کی عظمت کی دلیل ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ بھی انہیں بلندیوں پر فائز تھے۔ لہٰذا اس کاشتکار کی رفع مصیبت کے سلسلہ میں اس سے چند ایک اور سوالات کئے اور پوچھا۔

"بعد ازاں حاکم کیا کرے گا۔"

"جو حکم سلطان کا ہو گا اس کے مطابق عمل کرے گا۔"

کسان نے عرض کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

"اگر استمراری فرمان دستیاب ہو جائے تو ہمیشہ کے لئے یہ تکلیف دور ہو جائے گی۔"

"اگر حضور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کو سفارشی خط تحریر فرما دیں تو استمراری یا میعادی فرمان مل جائے گا۔"

کاشتکار نے کہا۔ آپ نے غور کے بعد فرمایا۔

"اگرچہ بذریعہ خط مقصد براری آسان ہے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرے کام کے لئے متعین فرمایا ہے۔ لہٰذا میرے ساتھ چل۔"

جب آپ تیار ہو کر سوئے دہلی تشریف لے جانے لگے تو آپ نے

فرزند حضرت خواجہ فخرالدین رحمتہ اللہ علیہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا۔

"ابا حضور! آپ دہلی تشریف لے جا رہے ہیں۔ مناسب فرمائیں تو موضع ماندن کی معافی کے لئے سلطان شمس الدین التمش سے سفارش کر دیں۔"

دہلی میں کسی کو آپ کی آمد کی اطلاع نہ تھی۔ سرراہ ایک شخص ملا۔ یہ ۶۱۷ ہجری کا اوائل تھا۔ وہ شخص بھاگم بھاگ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں پہنچا اور عرض کی۔

"یا خواجہ! حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کو میں نے دہلی کی طرف آتے دیکھا ہے۔"

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کے لئے تو یہ خبر عید کے چاند سے بھی بڑھ کر باعث خوشی تھی۔ انہوں نے فوراً سلطان شمس الدین التمش کو اطلاع دی۔ لہٰذا شایان شان طریقے سے حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کا استقبال کیا گیا۔

جب سب لوگ رخصت ہو گئے تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔

"یا شیخ' بڑا کرم فرمایا جو زیارت سے نوازا۔"

آپ نے حاجت مند کسان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

"اس کے کام کے لئے آیا ہوں۔"

"حضور! آپ کے خدام میں سے کوئی بھی سلطان شمس الدین التمش سے کہتا تو اس شخص کا کام ہو جاتا۔ اس کام کے لئے آپ کو اتنا دور دراز کا سفر اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہ درست ہے مگر اہل اسلام ذلت اور غربت کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت

سے قریب ہوتا ہے۔ جب یہ شخص آیا تو بہت ملول و رنجیدہ تھا۔ میں نے مراقب ہو کر دربار ایزدی میں اس کے متعلق عرض کیا تو القا ہوا۔

"رنج و غم میں شریک ہونا عین بندگی ہے۔ پس میں بہ سبب بندگی حق خود یہاں آیا ہوں۔"

اپنے پیرو مرشد کی بات سن کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔

"حضور! اس کے لئے آپ کو تشریف لے جانے کی ضرورت نہیں۔ آپ آرام فرمائیں میں جاتا ہوں۔"

چنانچہ وہ سلطان شمس الدین التمش کے پاس تشریف لے گئے اور کسان کا معاملہ کسان کے حق میں طے کرا دیا اور موضع ماندن کی معافی کا فرمان حضرت خواجہ فخرالدین رحمتہ اللہ علیہ کے حق میں حاصل کیا اور لا کر پیش خدمت کر دیا۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے دہلی میں مزید چند یوم قیام فرمایا۔ لوگ حاجات کی گٹھڑیاں سروں پر اٹھائے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آتے تو وہ انہیں اپنے مرشد سے التجا کرنے کو کہتے اور خود ادب سے بیٹھے رہتے تھے۔ ایک دن آپ نے فرمایا۔

"بابا قطب الدین! دنیا کسی کی میت نہیں۔ یہ دوسروں پر کیچڑ اچھالنے میں بڑی ماہر ہے۔ انسان اگر حق پر ہو تو کوئی کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ جہاں پھول ہوتے ہیں وہاں کانٹے بھی تو ہوتے ہیں۔"

آپ جب اجمیر واپس جانے لگے تو بڑا رقت آمیز منظر تھا۔ سلطان شمس الدین التمش اور اس کے اراکین سلطنت بھی موجود تھے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کے مریدین اپنے دادا مرشد کی دست بوسی و قدم بوسی سے مشرف ہو رہے تھے اور وہ سوچ رہے تھے۔

" اللہ جانے اب حضرت خواجہ غریب نواز بزرگ رحمتہ اللہ علیہ سے کب ملاقات نصیب ہو گی۔"

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا۔

" بابا قطب الدین! انشاء اللہ ملاقاتیں ہوں گی۔"

یہ سنا تو ان کے چہرے پر بشاشت کی لہر دوڑ گئی۔ دست بوسی سے آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی اور بڑے ادب و احترام سے اپنے مرشد کو رخصت کیا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی شہرت ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچ چکی تھی۔ ہر فرقہ و مذہب کے لوگ آپ کی طرف مائل ہو کر فیض مشاہدہ سے سرفراز ہوتے تھے۔ جو لوگ حاضر خدمت ہوتے آپ انہیں احکام اسلام کی تلقین فرماتے تھے۔ اگر کوئی برضا و رغبت اسلام قبول کرتا تو اسے کلمہ شہادت پڑھاتے تھے وگرنہ کسی کو مجبور نہیں کرتے تھے۔

سلسلہ چشتیہ میں سماع مباح ہے۔ آپ کا اس سے ذوق تھا اس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

" سماع اسرار حق معلوم کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس سے عشق کی آگ تیز ہوتی ہے۔ یاد الٰہی میں اضافہ اور دل گداز ہوتا ہے۔ لیکن یہ ہر کس و ناکس کے لئے جائز نہیں اس کے کچھ اداب ہیں اور بزرگان چشت اس کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔"

آپ جب محفل سماع میں تشریف رکھتے تو بعض باتوں کا ازحد خیال رکھا جاتا تھا وہ یہ ہیں۔

۱۔ قوال کودک اور عورت نہ ہو۔

۲۔ سامع یادِ حق سے خالی نہ ہوں۔ نفس سے مالوف نہ ہوں۔ ہم مذاق ہوں۔ اشعار کے معنوں کو حق کی طرف منتقل کر سکیں۔

۳۔ کلام فحش، غیر معیاری اور خلاف حقائق نہ ہو۔

۴۔ مزامیر مثل چنگ و رباب استعمال نہ ہوں۔

۵۔ محفل سماع پاک ہو۔ اغیار سے خالی ہو اور مبتدی مریدین اس میں شامل نہ ہوں۔

ایک روز محفل سماع برپا تھی۔ منتخب اشخاص موجود تھے اور قوال عارفانہ کلام پڑھ رہے تھے۔ ایسے موقعوں پر آپ پر غیر معمولی حالت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ معاً حاضرین کو احساس ہوا کہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ محفل میں موجود نہیں حالانکہ دروازہ اندر سے بند تھا۔ سب پر وجد طاری تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ہر شے عالم کیف و سرور میں رقص کناں ہو۔ جب آپ کو نظروں سے اوجھل ہوئے کافی دیر ہو گئی تو فضا آہ و پکار سے لبریز ہو گئی۔ اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ آپ ان میں موجود ہیں آپ نے اپنی نظروں کو اٹھا کر تین اشخاص کی طرف دیکھا تو ہر شخص پر علیحدہ علیحدہ کیفیت طاری ہو گئی۔ پہلے شخص نے دیکھا کہ بے شمار چاند آپ کے ہر بن مو سے نکل کر خوبصورت لڑکوں کی شکل میں ظاہر ہوئے اور آپ کی بائیں جانب صفیں بنا کر بیٹھ گئے ہیں۔ دوسرے شخص نے دیکھا کہ بے شمار سورج آپ کے ہر بن مو سے نکل کر خوبصورت عورتوں کی شکل میں ظاہر ہوئے اور آپ کی دائیں جانب صفیں باندھ کر بیٹھ گئی ہیں اور پھر دائیں اور بائیں بازو والے تسبیح پڑھنے لگے، تیسرے شخص پر جو حالت منکشف ہوئی تو وہ بیان سے باہر تھی۔ آپ نے ان تینوں اشخاص کی تربیت اسی واقعہ کے مطابق فرمائی جو انہوں نے دیکھی تھیں اور کاملین میں سے ہوئے۔

وہ لوگ جو شاہان وقت کا تقرب حاصل کرنے کے لئے مثل کباب سیخ ہوتے ہیں جب وہ اپنے مقصد میں ناکام ہوتے ہیں تو پھر وہ اس وجہ کو دور کرنے یا اس شخص کو بادشاہ کی نظروں سے گرانے کے لئے سرگرم عمل ہو جاتے ہیں اور اس کے لئے وہ کوئی بھی جائز و ناجائز طریقہ اختیار کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ سلطان شمس الدین التمش اپنے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کی مرضی سے اکثر امور سلطنت سرانجام دیتا تھا اور جس کام کے کرنے کی وہ اجازت نہ فرماتے یا ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تو اس کو نہیں کرتا تھا اور اراکین سلطنت اور دیگر امراء و رؤساء کی رائے کو رد کر دیا کرتا تھا۔ یہ بات کچھ لوگوں پر گراں گزرتی تھی۔

ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ سلطان شمس الدین التمش اور دوسرے اعیان سلطنت و امراء کے ساتھ ایک باغ میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک عورت آئی اور سلطان سے مخاطب ہو کر بولی۔

" حضور! میری فریاد رسی فرمائیں۔"

"کیا حاجت ہے؟"

سلطان شمس الدین التمش نے شاہانہ انداز میں کہا۔

"اے بادشاہ! مجھ پر بڑا ظلم ہوا ہے۔"

اس نے کہا اور آنسو بہانے لگی۔

"کچھ بولو گی بھی یا نہیں۔"

بادشاہ نے رعب سے کہا۔

" حضور! میرا نکاح کر دیجئے۔ میں بڑی مصیبت میں گرفتار ہوں۔"

وہ بولی تو سلطان التمش نے کہا۔

"تو کس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے۔ تو کس عذاب میں مبتلا ہے اور اس کا ذمہ دار کون ہے؟"

"حضور! یہ جو آپ کے ساتھ بیٹھے ہیں۔"

اس فاحشہ عورت نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کی طرف اشارہ کیا۔

بادشاہ اور اراکین سلطنت نے سنا تو ان پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا کہ یہ عورت کیا بکتی ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے سنا تو پسینے چھوٹ گئے۔ آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔

"اے اللہ! تو گواہ ہے میں نے آج تک کسی نامحرم کی طرف نظر تک اٹھا کر نہیں دیکھا۔"

عورت نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ پر الزام لگا دیا تھا۔ گواہ کی ضرورت تھی جو ان کو اس الزام سے پاک ثابت کرے۔ لہٰذا انہوں نے سوئے اجمیر رخ کیا اور یوں گویا ہوئے۔

"یا مرشد! ایک بدکار عورت نے میری عزت و پاکیزگی کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔"

اس وقت حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ اپنے حجرے میں تشریف فرما تھے کہ بذریعہ کشف آپ کو صورت حال سے آگاہی ہوئی۔ چہرہ اقدس پر جلال ہو گیا۔ روحانی طور پر فوراً وہاں پہنچے۔ جب ان لوگوں نے آپ کو اپنے درمیان دیکھا تو ادب سے کھڑے ہو گئے۔ سلطان شمس الدین التمش نے تشریف رکھنے کے لئے التجا کی تو آپ نے اس کی طرف توجہ نہ دی اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا۔

" قطب الدین! کیا بات ہے ؟"
" یا مرشدنا! اس فاحشہ عورت نے مجھ پر الزام لگایا ہے۔"
یہ سن کر حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ اس بدکارہ کے پاس گئے اور عورت کے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔
" حاملہ کے بچے! تیری ماں نے میرے قطب الدین پر تیرے باپ ہونے کا الزام لگایا ہے۔ کیا یہ سچ ہے۔"
اور پھر آسمان کی طرف منہ کر کے عرض کی۔
" اے بار الٰہ! حقیقت روشن فرما دے۔"
اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے مقبول معین الدین کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ حاملہ کے پیٹ سے بچے کی آواز آئی۔
" یا خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ! میری ماں غلط کہتی ہے۔ اس الزام تراشی کے لئے اس نے ہزاروں روپے لئے ہیں۔ آپ کا قطب الدین بالکل پاک ہے۔"
حاضرین مجلس نے جب یہ سنا تو دنگ رہ گئے۔ وہ فاحشہ عورت ہاتھ باندھ کر حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے کھڑی ہو گئی اور بولی۔
" حضور! مجھے معاف فرما دیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ بالکل بے گناہ ہیں۔ میں بہکاوے اور لالچ میں آ گئی تھی۔"
" قصور تم نے بابا قطب الدین کا کیا ہے معافی مانگنی ہے تو ان سے مانگو۔"
آپ نے فرمایا تو وہ اسی طرح ہاتھ باندھے ان کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔
" یا خواجہ! اللہ کے لئے مجھے معاف فرما دیں۔ میں اپنے کئے پر بے حد نادم و

پشیمان ہوں۔"

"جاؤ میں نے معاف کیا۔"

انہوں نے فرمایا اور جب سب لوگ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی جانب متوجہ ہوئے تو وہ وہاں موجود نہیں تھے اور اجمیر شریف میں اپنے حجرے میں ذکر الٰہی میں مشغول تھے۔

باب ۱۴

اولاد امجاد و خلفاء

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے دو شادیاں کیں اور وہ بھی ختم المرسلین' رسول عربی رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد عالیہ کے فرمان کے مطابق۔ دونوں شادیوں کے مابین کئی سالوں کا وقفہ تھا۔

پہلی زوجہ محترمہ حضرت بی بی امتہ اللہ کے بطن سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تولد ہوئے۔ فرزند اکبر حضرت خواجہ فخرالدین ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ صاحب خرقہ و خلافت تھے جو انہیں پدر بزرگوار حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے عطا فرمائی تھی۔ وہ اپنے والد عالی مقام کے بڑے محبوب تھے۔ قصبہ ماندن بقول دیگر مانڈل میں رہائش پذیر تھے جو اجمیر شریف کے قریب ہے۔ اکل حلال کے لئے وہ کاشتکاری کرتے تھے لیکن ماندن کا حاکم انہیں بڑا دق کرتا تھا۔ جب یہ بات سلطان شمس الدین التمش کے علم میں لائی گئی تو اس نے ایک حکم نامہ جاری کیا جس کے تحت حاکم ماندن نے انہیں تنگ کرنا بند کر دیا۔

حضرت خواجہ فخرالدین ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ علوم ظاہری و باطنی میں بلند مقام رکھتے تھے۔ کمالات صوری و معنوی سے آراستہ تھے۔ عالی مرتبت و عالی مقام تھے۔ ساری عمر انہوں نے عبادت و ریاضت اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی

ہدایت میں گزاری۔ ان کا وصال ۔عمر ستر سال ۶۶۱ ہجری میں ہوا۔ مزار مبارک قصبہ سروار میں تالاب کے کنارے ہے جو اجمیر سے سولہ کوس کے فاصلے پر ہے۔ عوام و خواص کا وہاں ہجوم لگا رہتا ہے۔

حضرت خواجہ فخرالدین ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جب بچہ تولد ہوا تو اس کا نام بھائی کے نام پر حسام الدین رکھا۔

حضرت خواجہ حسام الدین سوختہ رحمۃ اللہ علیہ کمالات روحانی سے آراستہ تھے۔ محبت کی آگ میں جلے ہوئے اور الفت کے قیدی تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یافتہ تھے۔ ان کا مزار دہلی سے اجمیر جانے والی سڑک کے غرب میں اور اجمیر سے سو میل شمال میں سانبھر کے مقام پر ہے۔ جہاں ایک بہت بڑی جھیل ہے۔ حصول فیض کے لئے مزار پر لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

ان کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے کا نام حضرت خواجہ معین الدین خورد رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ کیونکہ ان کا نام حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر تھا اس لئے ان کے نام کے ساتھ لفظ خورد کا اضافہ کیا گیا۔ اور یہی تعریف ان کے لئے کافی ہے کہ کامل درویش تھے۔ جمیع اوصاف و کمالات سے آراستہ تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ کے باطنی اشارے پر حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ مرید ہونے سے قبل بہت ریاضت و مجاہدہ و عبادت کیا کرتے تھے۔ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ براہ راست حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یاب ہوا کرتے اور جس چیز کی طلب ہوتی حاصل کر لیتے تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین خورد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا بیٹا نظام الدین

تھا۔ نظام الدین کا لڑکا سید فرید الدین تھا اور سید فرید الدین کا صاحبزادہ شیخ قطب الدین المخاطب بہ چشت خان تھا۔ سلطان محمود خلجی نے انہیں دو ہزار سواروں کا سردار مقرر کر دیا تھا۔ ان کا قیام آخر تک منڈو میں ہی رہا۔ سلطان محمود خلجی نے جب اجمیر کو چشت خاندان کے حوالہ کرنا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا اور منڈو میں ہی مقیم رہے۔

حضرت خواجہ قیام الدین بابریال رحمتہ اللہ علیہ حضرت خواجہ حسام الدین سوختہ رحمتہ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ بڑے خوبصورت' بہادر' شجاع اور پر عظمت تھے۔ روحانی طور پر بھی بلند مقام حاصل تھا۔ ان کا مزار حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے بائیں جانب سنگ مرمر کے احاطہ میں ہے۔ ان کی اولاد اجمیر شریف میں ہے۔

حضرت قیام الدین بابریال رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت شیخ نجم الدین خالد تھے۔ ان کے ہاں دو بیٹوں نے جنم لیا۔ ایک کا نام حضرت کمال الدین حسن احمد تھا اور دوسرے کا نام حضرت تاج الدین بایزید بزرگ تھا۔

جب دارالخلافہ دہلی میں شورش اور اختلاف کی وجہ سے حکومت کمزور ہو گئی تو کفار و مشرکین کو شہ ملی اور انہوں نے اجمیر پر تسلط و قبضہ جما لیا۔ ان دنوں حضرت تاج الدین بایزید بزرگ رحمتہ اللہ علیہ تحصیل علم کے لئے بغداد شریف تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ ایک مدت کے بعد جب وہ فارغ التحصیل ہو کر واپس لوٹے تو منڈو میں سکونت پذیر ہوئے۔ اس دوران میں سلطان محمد خلجی نے اجمیر کو فتح کر کے اس پر دوبارا اسلامی پرچم لہرا دیا تھا۔

حضرت تاج الدین بایزید بزرگ رحمتہ اللہ علیہ بڑے زیرک و سمجھ دار تھے۔ ان دنوں منڈو میں شیخ اسلام شیخ محمود دہلوی تھے۔ تمام علماء میں ان کو بڑا تسلیم کیا جاتا تھا۔ کسی موقع پر ان کی ملاقات حضرت تاج الدین بایزید بزرگ

برحلیہ سے ہوئی تو پھر دونوں کے مابین گہرے تعلقات قائم ہو گئے۔ چنانچہ شیخ الاسلام شیخ محمود دہلوی نے اپنی دختر نیک اختر کو حضرت بایزید بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کے حبالہ عقد میں دے دیا۔ اسی اثنا میں سلطان محمود خلجی بھی ان کا بڑا معتقد ہو گیا تھا۔

شیخ قطب الدین المخاطب بہ چشت خان کو حضرت تاج الدین ابویزید بزرگ رحمتہ اللہ علیہ سے گھریلو خلفشاریوں کی بنا پر اختلاف تھا۔ انہیں یہ سب باتیں ناگوار گزریں لہٰذا انہوں نے حضرت بایزید بزرگ کو زچ کرنے کی تدابیر سوچنا شروع کر دیں۔

ایک دفعہ سلطان محمود خلجی علماء و مدرسین کی تقرری کے سلسلہ میں اجمیر گیا ہوا تھا۔ شیخ قطب الدین نے کسی نہ کسی طرح حضرت بایزید بزرگ برحلیہ کو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر طلباء کو پڑھانے کے لئے بھیج دیا۔ ابھی ان کو سلسلہ درس و تدریس شروع کئے چند روز ہی ہوئے تھے کہ اکثر طلباء نے ان سے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ لوگوں نے تمام حالات سے سلطان محمود خلجی کو تحریراً مطلع کر دیا۔ سلطان محمود خلجی نے علماء و مشائخ کو لکھ بھیجا۔

"مجھے تاج الدین بایزید بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کی خاندانی شرافت کے بارے میں لکھیں۔"

مخدوم خواجہ حسین ناگوری اور مولانا رستم اجمیری جیسے اجمیر کے قدیمی علماء اور دیگر معززین نے اس امر کی شہادت دی کہ حضرت بایزید بزرگ رحمتہ اللہ علیہ دراصل حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد امجاد میں سے ہیں اور اگر حضرت خواجہ حسین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ ہی حضرت شیخ بایزید بزرگ کا نسب بتا دیتے تو کافی تھا کیونکہ وہ ولی' مقتدا اور اس سلسلہ کے بخوبی

عارف تھے۔ نیز حضرت خواجہ حسین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شیخ بایزید بزرگ کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں بھی دی تھیں اور یہ بھی اس امر کا ثبوت تھا کہ شیخ بایزید بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ خاندان حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔

حضرت شیخ نورالدین طاہر' حضرت تاج الدین بایزید بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند دلبند تھے۔ جن کی شادی حضرت خواجہ حسین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ حضرت شیخ نور الدین طاہر رحمۃ اللہ علیہ کے لڑکے حضرت شاہ رفیع الدین بایزید خورد تھے اور ان کے بیٹے سید معین الدین ثالث تھے جنہوں نے ناگور میں سکونت اختیار کی اور حضرت صوفی حمیدالدین سوالی ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کے خاندان میں شادی کی۔

حضرت سید معین الدین ثالث کے تین فرزند تھے۔ خواجہ حسن' خواجہ حسین احمد اور خواجہ ابوالخیر۔ موخرالذکر کے دو صاجزدے تھے جن میں سے سید ولی کی شادی بی بی سلطان خاتون سے اور دوسرے بیٹے سید شاہ محمد کا عقد ملکہ جہان سے ہوا۔ یہ دونوں لڑکیاں حضرت خواجہ حسن مجذوب سالک رحمتہ اللہ علیہ کی بیٹیاں تھیں جن کا سلسلہ نسب نو بطن سے حضرت خواجہ فخرالدین ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچتا تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے پہلی بیوی سے دوسرے صاجزادے حضرت حسام الدین ابوصالح رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ صغیر سنی میں ہی وہ کہیں چلے گئے تھے اور ابدالوں میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ وہی بھائی تھے جن کی محبت میں ان کے بڑے بھائی حضرت فخرالدین ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ اپنے بیٹے کا نام حسام الدین سوختہ رکھا تھا۔

حضرت حافظہ جمال رحمتہ اللہ عنہا حضرت خواجہ معین الدین حسن

سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی اکلوتی صاحبزادی تھیں۔ بچپن میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ شروع سے ہی رخ عبادت و ریاضت کی طرف تھا۔ آثار ہی بتاتے تھے کہ عہد حاضر کی رابعہ بصریہ ہوں گی۔ جیسے جیسے وقت قدم آگے بڑھاتا رہا ان کے زہد و تقویٰ و مجاہدہ میں اضافہ ہوتا گیا۔ اوائل عمر میں ہی عابدہ' زاہدہ اور پارسا مشہور ہو گئی تھیں۔ ولیوں کے ولی والد بزرگوارم نے اپنی لخت جگر کی روحانی تربیت کی تو فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیا اور باکمال عارفہ کامل بن گئیں۔ بیٹی کو بھی اپنے والد گرامی سے ازحد ارادت و محبت تھی۔ صاحب خرقہ خلافت و کرامت بزرگ تھیں۔

انہوں نے خود کو مستورات کی ہدایت و تبلیغ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اکثر خواتین ان کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتی رہتی تھیں جو ان کی کوششوں سے قرب الٰہی کے درجہ کو پہنچی تھیں۔

جب وہ شادی کے قابل ہوئیں تو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی شادی اپنے مرید خاص اور خلیفہ حضرت صوفی حمید الدین سوالی ناگوری کے بیٹے حضرت شیخ رضی الدین المعروف عبداللہ سے کر دی۔ لیکن تبلیغ و رشد و ہدایت کا جو سلسلہ خواتین میں شروع کر رکھا تھا اس میں سر مو فرق نہ آیا اور ساری عمر عبادت و ریاضت اور تبلیغ میں بسر کر دی۔ ان کے بطن سے دو بچے ہوئے جو صغیر سنی میں فوت ہو گئے تھے۔

جب حضرت حافظ جمال رحمتہ اللہ عنہا نے داعی اجل کو لبیک کہا تو اپنے والد گرامی اور مرشد کے مزار پاک کے پائنتی کی طرف مدفون ہوئیں۔ نور چشمے پر ان کا چلہ ہے اور ان کا سالانہ عرس سترہ رجب المرجب کو درگاہ شریف میں ہوتا ہے اور انیس رجب المرجب کو چشمے پر ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی دوسری اہلیہ محترمہ

حضرت بی بی عصمت اللہ سے صرف ایک لڑکے نے جنم لیا جن کا اسم حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو سعید تھا۔ بڑے نیک و پارسا تھے۔ جب عمر پچاس سال کی ہوئی تو پیغام اجل آگیا۔ مزار اپنے والد محترم کی درگاہ میں لب جھالرہ سایہ گھاٹ پر زیارت گاہ عام و خواص ہے۔ عرس ۱۳ ذوالحجہ کو ہوتا ہے جس میں لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ ان کے ہاں دو صاجزادے تولد ہوئے۔ حضرت خواجہ احمد رحمتہ اللہ علیہ بڑے صاجزادے تھے۔ صالح بزرگ تھے۔ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن وہ تشریف فرما تھے اور بھی چند لوگ موجود تھے کہ انہوں نے ایک واقعہ سنایا۔ فرمایا۔

" میرا ایک دوست ایمان کی سلامتی کے لئے مغرب کی نماز کے بعد ہمیشہ دو رکعت نفل نماز اس طرح پڑھتا تھا کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورہ اخلاص اور ایک بار سورہ فلق اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورہ اخلاص اور ایک مرتبہ سورہ الناس پڑھا کرتا تھا اور بعد ازاں مسجد میں جاکر تین مرتبہ کہتا تھا۔

یاحی یاقیوم ثبتنی علی الایمان

ایک بار اجمیر کے علاقہ میں دوستوں کو شام ہو گئی۔ اسی اثنا میں چند چور آئے اور انہیں نقصان پہنچانے کی نیت سے ان کی طرف آئے۔ وہ دوست اس خیال سے کہ چور انہیں کوئی گزند نہ پہنچائیں نماز کو چھوڑ کر بھاگ گئے لیکن وہ شخص جو ایمان پر ثابت رہنے کے لئے دو رکعت نماز نفل پڑھا کرتا تھا نماز میں مشغول رہا اور بعد ازاں اپنے دوستوں سے آکر ملا۔

جب اس شخص کے وصال کا وقت آیا تو ہم لوگ اس کے پاس گئے۔ اس نے اس طرح اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی کہ ہم نے اس سے قبل پہلے کسی کو نہ دیکھا تھا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت خواجہ احمد رحمتہ اللہ علیہ

نے فرمایا۔

"اگر مجھے اللہ کے سامنے پیش کیا گیا تو میں گواہی دوں گا کہ وہ مرد دنیا سے ایمان

کے ساتھ رخصت ہوا تھا۔"

حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو سعید رحمتہ اللہ علیہ کے دوسرے صاحبزادے حضرت خواجہ وحید رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ طالب علمی کے زمانے میں حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے کہ جوگی آیا اور آداب بجالانے کے بعد بیٹھ گیا۔ حضرت شیخ نصیرالدین چراغ رحمتہ اللہ علیہ نے اس جوگی سے

پوچھا۔

"بابا! انسان کے بال کسی دوا سے لمبے ہو جاتے ہیں؟"

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو پیرو مرشد کی موجودگی میں یہ سوال پوچھنا اچھا معلوم نہ ہوا۔ اسی اثنا میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے حضرت وحید بن حضرت ضیاء الدین ابوسعید آئے۔ ادب سے حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے بیٹھ گئے۔ اور عرض کی۔

"یا حضرت! مجھے اپنے حلقہ ارادت میں شامل فرمالیں۔"

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے سنا تو فرمایا۔

"بیٹا! میں تو آپ ہی کے خاندان سے بھیک مانگ کر لایا ہوں۔ میری کیا مجال کہ

تمہیں مرید کروں۔"

حضرت وحید رحمتہ اللہ علیہ نے بڑے عجز و الحاح سے مکرر عرض کی تو حضرت

خواجہ فرید الدین شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں حلقہ ادارت میں شامل کر لیا اور فرمایا۔

"یہ میرے لئے باعث فخربات ہے۔"

اور پھر بیعت کے بعد انہوں نے اپنا سر منڈا لیا۔ نصیرالدین طالب علم نے بھی جس نے جوگی سے بال بڑھانے کا نسخہ دریافت کیا تھا سر منڈوا دیا اور درویشوں کی صحبت اس میں تاثیر کر گئی۔

کسی ولی اللہ کے قرب سے چار طرح کے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔

اول ۔ عام لوگ : یہ لوگ اپنے مصائب و آلام' پریشانیوں اور مصیبتوں کی گٹھڑیاں اپنے سروں پر اٹھائے بزرگان دین کے در اقدس پر حاضر ہوتے ہیں۔ الحاح و زاری کرتے ہیں۔ ایک امید لے کر دور و نزدیک سے سفر کر کے آتے ہیں لہٰذا ان کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے بزرگان دین دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی تلقین کرتے ہیں۔ کوئی وظیفہ کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ولیوں اور دوستوں کے صدقے میں ان لوگوں کی پریشانیاں اور مصائب دور کر دیتا ہے۔ اس کے بعد ان کا ناطہ ان بزرگان دین سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب کبھی ان پر کوئی ابتلا نازل ہوتی ہے تو پھر حاضر خدمت ہوتے ہیں اور مدد کے طلبگار ہوتے ہیں۔ بزرگان دین انہیں دنیا کے ساتھ دین بھی عطا کرتے ہیں اور کبھی نہ کبھی ان کی زندگیوں کے دھارے کا رخ بدل جاتا ہے۔

دوم ۔ عام مریدین : بزرگان دین سے زیادہ قرب و نزدیکی نہیں رکھتے۔ کبھی کبھار چند دنوں یا تھوڑی دیر کے لئے حاضر خدمت ہوتے ہیں۔ زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ حاجات براری کے لئے طالب دعا ہوتے ہیں۔ جہاں

بھی ہوں بزرگان دین ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ سلسلہ طریقت و ارادت میں جڑے ہونے کی وجہ سے زندگی میں تبدیلی کے ہم آہنگ اوصاف حمیدہ نکھرنے سے روشنی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی ناپسندیدہ عمل کرنے سے قبل یہ خیال ذہن میں ابھرتا ہے۔

"لوگ کیا کہیں گے کہ فلاں بزرگ کا مرید ہو کر ایسا کام کرتے ہو۔"

ان کے اندر اس قدر صلاحیت و اہلیت نہیں ہوتی کہ دوسروں کی زندگی کو روشن کر سکیں۔ البتہ اتنا ضرور ہوتا ہے کہ اپنے حلقہ اثر میں ان کے افکار و کردار کی ہلکی پھلکی روشنی انہیں دوسروں سے منفرد کر دیتی ہے اور کچھ لوگ ان کی زندگی کی مثال سے اپنے اندر معمولی سی تبدیلی لے آتے ہیں۔ یہ لوگ صرف اپنی ذات کے لئے ہوتے ہیں۔

سوم۔ خاص لوگ : انہیں بہ نسبت عام مریدین کے اپنے مرشد کا زیادہ تقرب حاصل ہوتا ہے۔ کافی عرصہ رفاقت میں بسر کرنے سے ان کی زندگی میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔ مرشد کے شب و روز کے معمولات کے مشاہدے سے بہت کچھ معمولات کو اپنا لیتے ہیں۔ ان کے طرز عمل' حسن سلوک' اخلاق و کردار سے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ اکثر اپنے مرشد کے واقعات اور ملفوظات کا ذکر کرتے رہتے ہیں لوگوں کے اندر ان کے مرشد سے ملاقات کی تمنا جنم لیتی ہے اور اگر موقع ملے تو ان کی زیارت سے بھی سرفراز ہوتے ہیں۔ لوگ ان کی زندگی کے حوالے سے بہت سے سبق حاصل کرتے ہیں اور منفی صفات کی جگہ مثبت صفات کو اجاگر کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ یہ خاص مریدین شب و روز کے مجاہدوں اور ریاضتوں کے کڑے امتحانوں سے نہیں گزرے ہوتے۔

چہارم۔ خلفاء : یہ سالہاسال کے مجاہدوں کی دشوار گزار گھاٹیوں سے

گزرنے، نفس و خواہشات کے دہکتے انگاروں سے گلوخلاصی کے لئے ہمہ وقتی جہاد میں مصروف رہنے اور وجود کے اندر پھیلی ہوئی "میں" کو نکالنے کے لئے خود کو حقیر ترین مقام پر لے جانے کے بعد خرقہ و خلافت کے حقدار اور مسند ارشاد پر بیٹھنے کے اہل ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی زندگی بھی منور ہوتی ہے اور دوسروں کی زندگی کو منور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے اپنے سینوں کے اندر عشق و محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سمندر موجزن ہوتا ہے اور دوسروں کے اندر بھی وہ آتش عشق بھڑکانے میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ انہیں تقرب الیٰ اللہ حاصل ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی معرفت الٰہیہ سے روشناس کرا دیتے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے اجمیر شریف میں قیام کے دوران میں لاکھوں انسانوں کی مدد و دستگیری کی۔ ہزاروں لوگ زمرۂ مریدین میں شامل ہوئے۔ لیکن جو خواص کے حلقہ میں شامل ہوئے وہ یہ تھے۔

۱۔ حضرت شیخ مجدد الدین خادم رحمتہ اللہ علیہ
۲۔ حضرت علیم الدین عالم نواز رحمتہ اللہ علیہ
۳۔ حضرت شرف ابدال رحمتہ اللہ علیہ
۴۔ حضرت شاہ علاء الدین رحمتہ اللہ علیہ
۵۔ حضرت میراں ناطع شاہ رحمتہ اللہ علیہ
۶۔ حضرت شیخ محمد ترک نارنولوی رحمتہ اللہ علیہ
۷۔ حضرت خواجہ فخرالدین گردیزی رحمتہ اللہ علیہ
۸۔ حضرت حاجی رومی رحمتہ اللہ علیہ
۹۔ حضرت شیخ عبداللہ رازی رحمتہ اللہ علیہ

۱۰۔ حضرت شیخ صفی الدین ابراہیم رازی رحمتہ اللہ علیہ
۱۱۔ حضرت مولانا علی کرمانی رحمتہ اللہ علیہ
۱۲۔ حضرت سید نور الدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ
۱۳۔ حضرت شیخ برہان الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ
۱۴۔ حضرت شیخ واحد برہان غزنوی رحمتہ اللہ علیہ
۱۵۔ حضرت شیخ محمد صفاہانی رحمتہ اللہ علیہ
۱۶۔ حضرت شیخ کمال احمد بغدادی رحمتہ اللہ علیہ
۱۷۔ حضرت شیخ نظام الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ
۱۸۔ حضرت مولانا احمد خادم رحمتہ اللہ علیہ
۱۹۔ حضرت شیخ منا رحمتہ اللہ علیہ
۲۰۔ حضرت شیخ محمد علی سنجری رحمتہ اللہ علیہ
۲۱۔ حضرت شاہ عبداللہ کرمانی رحمتہ اللہ علیہ
۲۲۔ حضرت پیر کریم سیلونی رحمتہ اللہ علیہ
۲۳۔ حضرت امیر برہان جی سدا سہاگ رحمتہ اللہ علیہ
۲۴۔ حضرت نیاز اللہ خراسانی رحمتہ اللہ علیہ
۲۵۔ حضرت داؤد بن شیخ سلیم ساکن طائف رحمتہ اللہ علیہ
۲۶۔ حضرت اصغر قندھاری رحمتہ اللہ علیہ
۲۷۔ حضرت اظہر خان ترک دہلوی رحمتہ اللہ علیہ
۲۸۔ حضرت سبحان علی خاں حمقی رحمتہ اللہ علیہ
۲۹۔ حضرت فقیر احمد جمرودی رحمتہ اللہ علیہ
۳۰۔ حضرت احمد خان غلزئی رحمتہ اللہ علیہ
۳۱۔ حضرت ہادی محمد غفرت قربانی رحمتہ اللہ علیہ

۳۲- حضرت نظام خاں ترک رحمتہ اللہ علیہ
۳۳- حضرت سوئی بہادر شاہ رحمتہ اللہ علیہ
۳۴- حضرت مراد بیگ مغل رحمتہ اللہ علیہ
۳۵- حضرت شعبان خان ترک رحمتہ اللہ علیہ
۳۶- حضرت محمد اصغر بہاری رحمتہ اللہ علیہ
۳۷- حضرت مردعار خاں ترک رحمتہ اللہ علیہ
۳۸- حضرت نعمت احمد صفا رحمتہ اللہ علیہ
۳۹- حضرت محمود احمد رحمتہ اللہ علیہ
۴۰- حضرت زاہد اکبر شاہ رحمتہ اللہ علیہ
۴۱- حضرت غریب اصغر رحمتہ اللہ علیہ
۴۲- حضرت شہاب ولی رحمتہ اللہ علیہ
۴۳- حضرت سرور احمد رحمتہ اللہ علیہ
۴۴- حضرت عبداللہ اصغر رحمتہ اللہ علیہ
۴۵- حضرت ظہیرالدین رحمتہ اللہ علیہ
۴۶- حضرت صفیان احمد رحمتہ اللہ علیہ
۴۷- حضرت شہاب الدین قریشی رحمتہ اللہ علیہ
۴۸- حضرت عزیز احمد شاہ رحمتہ اللہ علیہ
۴۹- حضرت کریم شعیب ایرانی رحمتہ اللہ علیہ
۵۰- حضرت یعقوب خان رحمتہ اللہ علیہ
۵۱- حضرت حسن داؤد جی رحمتہ اللہ علیہ
۵۲- حضرت احمد کریم شاہ رحمتہ اللہ علیہ
۵۳- حضرت محمد زاہد ترک رحمتہ اللہ علیہ

۵۴۔ حضرت خواجہ یادگار خرم رحمتہ اللہ علیہ

۵۵۔ حضرت خواجہ سبز یادگاری رحمتہ اللہ علیہ

۵۶۔ حضرت شیخ محمد ممتاز رحمتہ اللہ علیہ

۵۷۔ حضرت خواجہ احمد شاہ رحمتہ اللہ علیہ

۵۸۔ حضرت شیخ احمد قمر رحمتہ اللہ علیہ

۵۹۔ حضرت شیخ وجیہ الدین خراسانی رحمتہ اللہ علیہ

۶۰۔ حضرت خواجہ محی الدین رحمتہ اللہ علیہ

۶۱۔ حضرت احمد شہاب کوفی رحمتہ اللہ علیہ

۶۲۔ حضرت حسن کلی المعروف پیر مکہ بدایونی رحمتہ اللہ علیہ

۶۳۔ حضرت ملک خطاب خواجہ حمید الدین بھوانی رحمتہ اللہ علیہ

۶۴۔ حضرت برہان الدین بدو رحمتہ اللہ علیہ

۶۵۔ حضرت معروف شاہ قریشی رحمتہ اللہ علیہ

۶۶۔ حضرت محمد محسن رحمتہ اللہ علیہ

۶۷۔ حضرت شیخ احمد رحمتہ اللہ علیہ

۶۸۔ حضرت خواجہ سلیمان کرشکی رحمتہ اللہ علیہ

۶۹۔ حضرت عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ

۷۰۔ حضرت فتح محمد ختار رحمتہ اللہ علیہ

۷۱۔ حضرت ابو مسعود غازی رحمتہ اللہ علیہ

ان میں سے بعض نے تو آستانہ عالیہ چشتیہ اجمیر شریف میں زندگی گزار دی اور وہیں مدفون ہوئے اور اکثر ہندوستان اور بیرون ہندوستان اپنے اپنے علاقوں میں تشریف لے گئے اور وہاں اپنی مثالی زندگی سے دوسرے لوگوں کے اندر اخلاقی و روحانی انقلاب کا باعث بنے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے جن اولوالعزم و بلند ہمت اشخاص کو خرقہ خلافت سے نوازا وہ یہ ہیں۔

۱۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمتہ اللہ علیہ
۲۔ حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین سوالی ناگوری رحمتہ اللہ علیہ
۳۔ حضرت خواجہ فخرالدین ابوالخیرؒ (پسر حضرت خواجہ بزرگؒ)
۴۔ حضرت بی بی حافظہ جمالؒ (دختر حضرت خواجہ بزرگؒ)
۵۔ حضرت مولانا حکیم ضیاء الدین حامد بلخی رحمتہ اللہ علیہ
۶۔ حضرت شیخ محمد صدر الدین کرمانی رحمتہ اللہ علیہ
۷۔ حضرت یادگار محمد سبزواری رحمتہ اللہ علیہ
۸۔ حضرت قادر سعید رحمتہ اللہ علیہ
۹۔ حضرت امام الدین دمشقی رحمتہ اللہ علیہ
۱۰۔ حضرت سلطان شاہ رحمتہ اللہ علیہ
۱۱۔ حضرت احمد خان درانی رحمتہ اللہ علیہ
۱۲۔ حضرت غلام ہادی ترک رحمتہ اللہ علیہ
۱۳۔ حضرت نعیم احمد المعروف احمد کابلی رحمتہ اللہ علیہ
۱۴۔ حضرت عبدالغفار رحمتہ اللہ علیہ
۱۵۔ حضرت موشیوخ عراقی رحمتہ اللہ علیہ
۱۶۔ حضرت ابوالفرح قریشی رحمتہ اللہ علیہ
۱۷۔ حضرت قربان احمد رحمتہ اللہ علیہ
۱۸۔ حضرت احمد قہر رحمتہ اللہ علیہ
۱۹۔ حضرت حسن خیاط رحمتہ اللہ علیہ
۲۰۔ حضرت شمس الدین فوقانی رحمتہ اللہ علیہ

ان خلفاء کو حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے مختلف علاقوں کی ولایت عطا فرمائی جہاں انہوں نے رشد و ہدایت کے چراغ روشن کیے اور مخلوق اللہ کے لئے فیوض و برکات کے در باز کیے۔ ان میں سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی اور حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین سوالی ناگوری رحمتہ اللہ علیہم کے اسماء گرامی اور بزرگی و عظمت کا چرچا دور و نزدیک زباں زد عام و خاص ہوا۔

آپ کے خلفاء نے ہندوستان کے اندر اور باہر جگہ بہ جگہ پھیلے ہوئے کفر و شرک، فسق و فجور اور سیئات کے اندھیروں میں محبت، سلامتی، ہدایت، تقرب الی اللہ اور عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اجالے بھر دیئے اور ایک دنیا دور دراز سے ان کے آستانوں پر حاضر ہو کر مشرکانہ عقائد، بدعات اور اصنام پرستی سے تائب ہو کر دین حنیف کو سینے سے لگا کر صراط مستقیم پر گامزن ہوئی۔

باب ۱۵

چراغ سحری

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی زیست کا ایک ایک لمحہ اس مقصد کے لئے مختص تھا کہ دین اسلام کی روشنی ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل جائے۔ آپ نے مختلف مقامات پر اپنے خلفاء کی صورت میں ایسے چراغ روشن کر رکھے تھے جنہوں نے کفر کی تمام تر پیش بندیوں اور روکاوٹوں کے باوجود اپنے کردار و اخلاق سے عوام الناس کے قلوب و اذہان میں اسلام کی کرنیں پھیلا دی تھیں۔ کفر تلملاتا رہا، تڑپتا رہا، سازشیں کرتا رہا، لیکن نور خدا اس کے حرکات پر خندہ زن تھا۔ کیونکہ ہندوستان میں دین حنیف کی روشنی بہرکیف پھیلنا تھی۔

ایک دن محفل جمی تھی۔ بہت سے لوگ حاضر تھے۔ حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔

" حمید الدین! جب تک میں نے عائلی زندگی کا آغاز نہیں کیا تھا اور بال بچے پیدا نہیں ہوئے تھے یہ حالت تھی کہ اپنے رب کریم سے جو کچھ طلب کرتا تھا بلا تکلیف مل جایا کرتا تھا۔ لیکن اب یہ حالت ہے کہ دعا تاخیر سے قبول ہوتی ہے۔"

یہ سن کر سلطان التارکین حضرت صوفی حمید الدین سوالی ناگوری رحمتہ اللہ علیہ

نے جو آپ کے خلیفہ بھی تھے نے عرض کی۔
"یا مرشدنا! یہ بات آپ نے بجا ارشاد فرمائی اور آپ پر یہ حقیقت بھی الم نشرح ہے کہ حضرت مریم علیہا الصلوۃ کے متعلق قرآن پاک میں ہے کہ جب تک سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس جہاں رنگ و بو میں تشریف نہیں لائے تھے تو ان کو بے موسم کے میوے بے تکلف اور بغیر استدعا ملا کرتے تھے اور جب انہوں نے جنم لیا تو نوعیت بدل گئی۔ حضرت مریم علیہا السلام کو رزق کا انتظار فرمانا پڑتا تھا اور حکم ہوتا تھا۔ ان کھجوروں کی شاخوں کو ہلائیں تاکہ رزق حاصل ہو اور وہ اسباب کی محتاج بنادی گئیں۔ آپ کے ساتھ بھی سابقہ ایام زندگی اور آج کے حالات میں اتنا فرق ہے۔"

حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے یہ جواب سن کر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ تھوڑی دیر ماحول میں سکوت رہا۔ حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کی۔

"حضور! اعلیٰ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ بقید حیات ہیں۔"

"نہیں"

حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اور پھر سر جھکائے کافی دیر تک بیٹھے رہے اور پھر کہا۔

"ان کا وصال ۶۰۷ ہجری میں ہو گیا تھا۔ آخر عمر میں مکہ مکرمہ جا کر معتکف ہو گئے تھے اور وہیں واصل بحق ہوئے تھے۔ انہوں نے دو دعائیں مانگی تھیں۔ ایک میرے لئے اور میں جو کچھ بھی ہوں انہیں کی دعا برکت کا نتیجہ ہے۔ دوسری دعا یہ مانگی تھی کہ ان کی قبر مکہ مکرمہ میں ہو اور اس کا نشان ہمیشہ باقی رہے تاکہ فاتحہ کا ثواب ملتا رہے اور انشاء اللہ ان کی قبر کا نشان قیام قیامت تک برقرار رہے گا۔"

اس کے بعد محفل برخاست ہو گئی اور آپ اپنے حجرہ کی طرف تشریف لے گئے۔

اوئل ۶۱۷ ہجری کے بعد تاحال حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمتہ اللہ علیہ کی اپنے مرشد حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ دونوں حضرات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت کے پرچار اور اعلاء کلمتہ الحق بلند کرنے میں مسلسل کوشاں تھے۔ عوام الناس کی مشکلات و مصائب سے رہائی' مریدین کی تربیت اور کفرو شرک کی یلغار کے سدباب کے لئے ہمہ تن مصروف تھے۔ باطنی ملاقاتوں کے علاوہ عرصہ دراز سے ان کی باہم ظاہری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ پر جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ذمہ داری عائد کی تھی وہ ہر لحظہ اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے کہ اس کی ادائیگی میں سرمو کوتاہی نہ ہو۔ آپ پر روز روشن کی طرح عیاں تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت و رضا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت و اتباع میں نہاں ہے۔ لہٰذا راحت انس و جاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت' ادب اور اتباع ہی سب کچھ ہے اور جو اس پر پورا نہیں اترتا یا کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ بجز جہنم کے ایندھن کے اور کچھ نہیں ہے۔

طائر وقت تیزی سے محو پرواز تھا۔ ۶۳۳ ہجری کا سن تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمتہ اللہ علیہ کو اجمیر بلا بھیجا۔ جب مرشد کا سندیسہ ملا تو عید کا چاند ہو گیا۔ رخت سفر باندھا اور سوئے اجمیر شریف چل پڑے۔ اور جس قدر

جلد ممکن ہوا آستانہ عالیہ پر پہنچے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ بار بار نظریں اٹھا کر باہر کی جانب دیکھتے تھے جیسے کسی کا انتظار ہو۔

جب آپ نے حضرت قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھے اور ان کی طرف بڑھے۔ باقی حاضرین محفل بھی ادب سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمتہ اللہ علیہ اپنے روحانی پیشوا کی طرف تیزی سے لپکے اور قدم بوسی کے لئے جھکے لیکن آپ نے انہیں سینے سے لگا لیا۔ ان کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا اور واپس اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گئے۔

"یا خواجہ! یہ آپ نے بے حد کرم فرمایا جو شرف زیارت کا موقع فراہم کیا۔"

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنایا۔

"قطب الدین! بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ ننانویں سال کی عمر ہو گئی ہے۔ کیا بھروسہ سانس کب ساتھ چھوڑ دے۔"

حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تو وہ گویا ہوئے۔

"اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے۔ آپ کا سایہ مجھ جیسے ناچیز کے لئے عظیم نعمت ہے۔"

"رب کریم تمہارے درجات بلند فرمائے۔"

آپ نے دعا دی اور اٹھ کر اپنے حجرے کی طرف چلے گئے۔ سب لوگ خاموش بیٹھے تھے۔ سوچ رہے تھے۔

"آج حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے زندگی کی بے ثباتی کی بات کی ہے شاید رخصتی کا وقت قریب آ گیا ہے۔"

یہ سوچ کر ان سب کے چہرے افسردہ ہو گئے۔ پھر سوچنے لگے۔
"شاید آپ نے بر سبیل تذکرہ کہا ہو۔"

جمعرات کا دن تھا۔ اجمیر کی جامع مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ درویش' اہل صفا' مریدین اور چند ایک خلفاء موجود تھے۔ یہ آخری مجلس تھی جو منعقد ہوئی تھی۔ بغداد شریف میں منعقد مجالس کا سا سماں تھا۔ دوشیزۂ شب دبے گام صبح نو کی طرف بڑھ رہی تھی۔ رات اللہ والوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ جب رات ہوتی ہے تو ان کے دلوں کی کونپلیں کھل اٹھتی ہیں اور اپنے رب کریم سے تنہائی میں باتیں کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے چہرہ اقدس پر معرفت الٰہیہ کا نور پھیلا ہوا تھا۔ ایسا نور جو قرب والوں کے مشاہدے میں پہلی بار آیا تھا۔ آپ نے اپنی نظریں اٹھا کر حاضرین کی طرف دیکھا اور پھر اپنی زبان حقیقت بیان کو جنبش دی۔
بات ملک الموت کے بارے میں شروع ہوئی۔ فرمایا۔
"بغیر ملک الموت کے دنیا کی قیمت جو بھر بھی نہیں۔"
ایک درویش نے عرض کی۔
"یا شیخ! ایسا کیوں؟"
ارشاد فرمایا۔
"حدیث پاک میں ہے الموت جسد یوصل الحبیب الی الحبیب یعنی موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاقات کراتا ہے۔"
ماحول میں مکمل خاموشی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ گویا ہوئے۔
"دوست وہ ہے جو دل سے یاد کرے۔ کیونکہ دل یاد کی لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ خاص کر اس واسطے کہ عرش کے گرد طواف کریں۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ

نے فرمایا ہے۔ اے میرے بندے! جب میرا ذکر تجھ پر غالب آجائے تو میں تیرا عاشق ہو جاؤں گا۔ یعنی تیرا محب۔"

یہ فرما کر آپ چپ ہو گئے۔ سب حاضرین آپ کے فرمودات پر غور و خوض کر رہے تھے۔ فضا میں پھر آپ کی آواز ابھری۔

"عارف آفتاب کی طرح ہوتا ہے جو سارے جہان کو روشنی بخشتا ہے جس کی روشنی سے کوئی چیز خالی نہیں ہے۔"

جب بیان ختم ہوا تو حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ آبدیدہ ہو گئے اور ارشاد فرمایا۔

"ہمیں اس جگہ لایا گیا ہے کہ ہمارا مدفن یہاں ہو گا۔ ہم چند ہی روز میں اس جہان فانی سے کوچ کر جائیں گے۔"

یہ کہنے کی دیر تھی کہ حاضرین مجلس تڑپ اٹھے۔ آنکھوں سے سیلاب اشک امڈا اور رخساروں اور داڑھیوں پر بہنے لگا۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے تھے۔ سب کی نظریں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے چہرہ مبارک پر جمی ہوئی تھیں۔ جیسے حسرت سے تک رہے ہوں تاکہ آپ کے دیدار کے زیادہ سے زیادہ جلوے سمیٹ سکیں۔ حضرت شیخ علی سنجری رحمتہ اللہ علیہ مجلس میں حاضر تھے۔ انہیں حکم دیا۔

"سند خلافت لکھو۔ دہلی کی خدمت ہم نے قطب الدین کو دی ہوئی ہے۔ اس کو تحریر میں بھی لانا چاہتے ہیں۔"

"جی بہتر"

حضرت شیخ علی سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اور سند خلافت لکھنے لگے۔ جب ضبط تحریر میں لا چکے تو انہوں نے حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپ نے اس پر دستخط ثبت فرمائے اور گویا ہوئے۔

" قطب الدین ! سند خلافت لے لو۔ بیعت خلافت تم سے بغداد میں ہی لے لی تھی۔"

انہوں نے بصد ادب سند خلافت کو آپ کے مبارک ہاتھوں سے لے لیا۔

" یہ آپ کی کرم نوازی ہے۔"

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کیا۔

" نزدیک آؤ۔"

حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ اٹھ کر قریب ہو گئے۔ آپ نے اپنا دستار اور کلاہ ان کے سر پر رکھ دیا اور پھر حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کا عصا عطا فرمایا۔ زرہ پہنائی۔ قرآن شریف اور مصلیٰ اور لکڑی کی پاپوش بھی دی اور فرمایا۔

" یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمارے خواجگان چشت کو بطور امانت ملی ہے۔ جو میں نے تمہیں دی ہے۔ جس طرح انہوں نے ہم تک پہنچائی ہے تم آگے پہنچا دینا۔ نیز اس کا حق ادا کرنا تاکہ قیامت کے دن ہم خواجگان کے روبرو شرمندہ نہ ہوں۔"

یہ سن کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمتہ اللہ علیہ آداب بجا لائے۔ حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے جب امانت کو اہل امانت کے سپرد کر دیا تو شکرانہ کا دوگانہ ادا کیا۔ سب حاضرین دم بخود بیٹھے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اس پاک محفل پر نور کی برسات ہو رہی ہو۔ رات لحظہ بہ لحظہ تاریک تر ہوتی جا رہی تھی۔ اسی اثنا میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ دوگانہ شکر سے فارغ ہوئے تو حاضرین کی جانب رخ کر کے بیٹھ گئے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کے چہرے پر نظر جما دیں جو ادباً

سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے اور پھر انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

"قطب الدین ! جا تجھے اللہ تعالیٰ کو سونپا اور تجھے منزل گاہ تک عزت سے پہنچایا۔"

اور پھر قدرے سکوت کے بعد ارشاد فرمایا۔

"چار چیزیں نہایت نفیس گوہر ہیں۔"

اول : وہ درویش جو اپنے آپ کو دولت مند ظاہر کرے۔

دوم : بھوکا جو اپنے آپ کو پیٹ بھرا ظاہر کرے۔

سوم : غم ناک جو اپنے آپ کو خوش ظاہر کرے۔

چہارم : جس سے دشمنی ہو اسے دوست دکھائی دے۔"

ہر شخص غور و تعمق کر رہا تھا کہ یہ اقوال بظاہر کس قدر آسان مگر عملاً کس قدر بھاری تھے کہ آپ کی آواز مبارک نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ فرما رہے تھے۔

"اہل محبت کا مرتبہ ایسا ہے کہ اگر اس سے پوچھیں کہ تو نے رات کی نماز ادا کی تھی تو کہہ دے مجھے فرصت نہیں ملی۔ ہم ملک الموت کے گرداگرد گھومتے ہیں۔ جہاں وہ جاتا ہے وہیں اسے پکڑتے ہیں۔"

جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی رحمتہ اللہ علیہ یہ بیان ارشاد فرما رہے تھے تو آپ کی نظر مبارک دائیں جانب اٹھ جاتی تھی تو اٹھ کر کھڑے ہو جاتے اور تعظیماً" سر کو قدرے جھکا دیتے تھے۔ ایسا آپ نے چند بار کیا۔ تمام حاضرین محفل یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کس کی تعظیم کے لئے قیام فرماتے ہیں لیکن آپ سے ایسا کرنے کی وجہ دریافت کرنے کا کسی کو حوصلہ نہ ہوا۔ آپ نے اہل محفل کی آنکھوں میں رقم سوال پڑھ لیا تھا۔ فرمایا۔

"صاحبو! تم سے باتیں کرتے وقت جب میری نظر دائیں جانب اٹھتی تھی تو مجھے اپنے مرشد حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی قبر مبارک دکھائی دیتی تھی تو ادباً کھڑا ہو جاتا تھا۔"

اسی اثنا میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمتہ اللہ علیہ کے قلب اطہر میں یہ خیال گذرا۔

"حضرت مرشد نا! کی قد بوسی کے بعد اب رخصت لینا چاہئے۔"

روشن ضمیر مرشد پر فوراً منکشف ہو گیا کہ قطب الدین کے دل میں کس خیال کا گزر ہوا ہے۔ فرمایا۔

"نزدیک آؤ۔"

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنا سر مرشد کے قدموں پر رکھ دیا۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے سورہ فاتحہ تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا۔

"غم نہ کرو اور مردہ نہ بنو۔"

چنانچہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے دست بوسی کی۔ اجازت طلب کی اور پھر دہلی کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے مرشد حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ سے جس قدر محبت و عقیدت تھی اس کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اسی محبت کے پیش نظر انہوں نے بغداد شریف میں منعقد گیارا مجالس اور اجمیر شریف کی آخری مجلس میں اپنے مرشد کے بیان کردہ اقوال و ملفوظات و بیانات کو مرتب کر کے اس کا نام دلیل العارفین رکھا جو عام دستیاب ہے لیکن اس کو حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ بذات خود ضبط تحریر میں نہیں لائے تھے۔

راقم نے چشم تصور سے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی حیات مقدسہ کا ولادت سے لے کر آخری مجلس تک مشاہدہ کیا تھا۔ لیکن بجز انیس الارواح کے جو حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے افکار و خیالات و ملفوظات و کیفیات پر مشتمل ہے جسے حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے از راہ محبت جامہ تحریر پہنایا تھا۔ میرے علم و مشاہدہ میں نہیں کہ آپ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں رہوار قلم کو دوڑایا ہو حالانکہ آپ کا تبحر علمی، معرفت الٰہیہ میں بلند پروازی، مشاہدات و تجربات اس امر کے مقتضی تھے کہ تصنیف و تالیف کی طرف توجہ فرماتے۔

"جب آپ گوشہ عزلت میں ہوتے تو اس ہنگام شاید کچھ رقم فرمایا ہو۔"

ایک سوال ذہن میں ابھرا۔

لیکن آج تک اس کے بارے میں کہیں ذکر اذکار نہیں ہوا تھا۔ مگر پھر بھی مزید تسلی کے لئے میرے وجود میں تجسس نے آنکھ کھولی اور میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ سے منسوب کتب کی تلاش میں نکلا۔

تھوڑی سی جستجو کے بعد میرے علم میں آیا کہ انیس الارواح کے علاوہ سات کتب حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ سے منسوب ہیں تو ورطہ حیرت میں ڈوب گیا۔ ان کتب کا ذکر مختلف کتابوں میں ملتا ہے۔ وہ یہ ہیں۔

۱۔ **کشف الاسرار** : اس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ فارسی میں تحریر شدہ ہے۔ اس کا دوسرا نام معراج الانوار ہے۔ اس کا تعلق تصوف سے ہے۔ اس کتاب میں چہار دہم۔ حبس دم اور ذکر خفی پر بحث کی گئی ہے اور یہ کتاب قلمی ہے۔ اس کے مندرجات کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

- چہار دہم کہاں سے آتے ہیں۔
- ذکر خفی کی تعلیم۔

- اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے نور محمدی ﷺ پیدا کیا۔
- اول منزل ناسوت ہے۔
- دوسری منزل ملکوتی ہے۔
- تیسری منزل جبروت ہے۔
- چوتھی منزل لاہوت ہے۔
- مقام محمودہ۔
- انوار جلال۔
- نور جمال۔
- نور محمد و نور احمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک ہیں۔
- محمود۔ محمد۔ احمد۔ واحد ایک ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے اربعہ عناصر سے چار وجود پیدا کئے اور چار نفس پیدا کئے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی ساری حیات اس بات پر شاہد ہے کہ آپ نے متذکرہ بالا موضوعات پر نہ کبھی اپنے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ سے ایسی باتیں سنیں نہ کبھی خود فرمائیں۔

۲۔ گنج اسرار :- لکھا ہے یہ بھی فارسی میں ہے۔ اپنے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے حکم سے سلطان شمس الدین التمش کی تعلیم و تلقین کے لئے لکھی گئی۔ یہ کتاب دہلی کے قیام کے دوران میں لکھی گئی۔ اس کے لکھنے کا زمانہ ۶۱۱ ہجری تا ۶۱۵ ہجری ہے۔ کتاب معرفت کی اعلیٰ تعلیم سے بھری ہوئی ہے۔ قرآن و حدیث اور بزرگان دین کے احوال و اقوال و اشعار کے بموجب تصوف کی تعلیم دی گئی ہے۔ تصوف کی تعلیم کا بیش بہا خزانہ ہے۔ اس کو گنج اسرار بھی کہتے ہیں۔ یہ کتاب قلمی ہے۔ مندجات میں لکھا ہے کہ

پچیس معرفتوں پر مشتمل ہے۔

☆ شریعت کا جاننا اور دریافت کرنا۔
☆ طہارت و نظامت و ظاہر و باطن۔
☆ علم شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت۔
☆ جذبہ اصلاح باطن کی پہچان اور راہ حقیقت میں استقامت۔
☆ حق سبحانہ تعالیٰ بارسالت پناہ۔
☆ بیان قرآن۔
☆ تربیات حضرت رسالت و فہم پیوستن اطاعت۔
☆ اقسام کفر و توبہ۔
☆ عرفان مذہب حقیقی۔
☆ دریافتن جمعہ۔
☆ علم توحید۔
☆ دانستن معرفت۔
☆ تقلیین مرشد کامل۔
☆ ذکر فی القلب۔
☆ مرشد کی ضرورت۔
☆ قلبی اعمال۔
☆ عبادت جلی اور خفی۔
☆ فیض صاحب دل۔
☆ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ کی دہلی میں تشریف آوری۔
☆ مقام عالم تحیر و محویت۔

☆ پوستن مستی سماع۔

☆ دربار رسالت۔

☆ خواجگان چشت کے پندرہ مقامات۔

☆ چودہ علم۔

☆ فنا اور بقا۔

سلطان شمس الدین التمش حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ براہ راست تعلیم و تلقین کے مواقع میسر تھے۔ مزید براں حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کو سلطان شمس الدین التمش سے ایسی کیا خصوصیت کے ساتھ وابستگی تھی کہ اس کے بارے میں حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کو کچھ لکھنے کے لئے فرماتے۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کبھی ہندوستان میں نہیں آئے۔ حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کا قیام دہلی میں چند دنوں کے لئے تھا۔ جب آپ ۶۱۲ ہجری میں خود پہلی بار تشریف لے گئے تھے۔ اقتباس الانوار مصنفہ شیخ محمد اکرم اور سید الاقطاب مصنفہ اللہ دتہ نے جو عہد شاہ جہانی کی تصانیف ہے گنج اسرار کے نقائص ظاہر کئے ہیں اور اسے حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف تسلیم کرنے انکار کر دیا ہے۔

۳ ـ رسالہ آفاق و انفس : اس کے متعلق لکھا ہے کہ کتاب فارسی میں ہے۔ قلمی نسخہ ملتا ہے اس میں تصوف کے بعض نکات پر بحث کی گئی ہے۔

۴ ـ رسالہ تصوف منظوم : اس کے بارے میں لکھا ہے کہ فارسی

میں ہے۔ قلمی کتاب دستیاب ہے۔ یہ آپ کے بلند افکار اور طرز شاعری کی آئینہ دار ہے۔

حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نے کبھی شاعری نہیں فرمائی۔ علاوہ ازیں متذکرہ بالا چاروں کتب قلمی نسخہ ہیں۔ ان تک رسائی حاصل ہے مگر آپ کے کسی خلیفہ' مرید' ارادتمند اور محب کے اندر آج تک تڑپ پیدا نہیں ہوئی کہ ان کو منصہ شہود پر لے آئیں۔

۵ - حدیث المعارف ۶ - رسالہ موجودیہ : ان دونوں کے بارے میں لکھا ہے کہ نادر الوجود ہیں۔ اگر ان کتب کا وجود ہی نہیں ہے تو ان کے وجود کا علم کیسے ہوا۔

۷ - دیوان معین : اس کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ خوش گو شاعر بھی تھے۔ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پیروی میں شاعری کو اپنے جذبات قلبی و اردات' واردات محبت اور مشاہدات حقیقت کا ذریعہ بنایا۔ اس سے صاحب دیوان کے اعلیٰ مقامات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ بات ان اہل اللہ کو حاصل ہوتی ہے جو روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ دیوان فارسی میں ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی ساری زندگی اس بات کی غماز ہے کہ کبھی اشعار نہیں کہے۔ معین نام کی دو شخصیات گزری ہیں۔ ایک ملا معین کاشفی ہروئی جو معارج النبوت کے مصنف ہیں۔ انہوں نے اپنی تصنیف میں بہت اشعار لکھے ہیں اور دوسرے معین کاشانی۔ یہ ایرانی شیعہ شاعر تھے۔ اس شاعر کے دیوان میں درج ذیل دو رباعیات ہیں۔

۱۔ شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین

سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لاالہٰ است حسین

۲۔ کار کہ حسین اختیارے کردی
در گلشن مصطفیٰ بہارے کردی

از ہیچ پیمبراں نیاید ایں کار
واللہ اے حسین کارے کردی

یہ رباعیات حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ سے غلط منسوب کی جاتی ہیں۔ نام کی مناسبت سے بلا تحقیق بعض لوگوں نے سمجھ لیا کہ دیوان معین حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کا ہے حالانکہ آپ کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ خواجگان چشت میں سے ایک عظیم روحانی پیشوا تھے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"من ہیچ کتابی نہ نوشتہ ام۔ زیرا کہ حضرت شیخ الاسلام فریدالدین و شیخ الاسلام قطب الدین و خواجگان چشت قدس اللہ اروحہم و از مشائخ شجرۂ ما ہیچ شخصے تصنیف نہ کردہ است۔"

یعنی میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی کیونکہ حضرت شیخ الاسلام فریدالدین اور شیخ الاسلام قطب الدین اور خواجگان چشت قدس اللہ اروا حہم اور ہمارے شجرہ

کے مشائخ میں سے کسی نے کتاب نہیں لکھی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ سے جو کتب منسوب کی گئی ہیں ان میں کوئی صداقت نہیں۔ بدنیتی سے کسی اور نے اپنی کتب کو ان کے نام سے منسوب کر دیا ہے۔

باب ١٦

وصل دوست

آخری مجلس کے انعقاد کے بعد حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ زیادہ تر وقت اپنے حجرہ خاص میں بسر کرتے تھے اور ہمہ وقت عبادت و ریاضت اور ذکر و اذکار میں مصروف رہتے تھے۔ صرف باجماعت نماز کی ادائیگی کے لئے باہر تشریف لاتے تھے۔ اس تبدیلی کو سب درویشوں اور قرب والوں نے محسوس کیا تھا۔ انہیں رہ رہ کر آپ کی اس بات کا خیال آتا تھا۔

"ہم چند ہی روز میں اس جہاں سے سفر کر جائیں گے۔"

اور جیسے جیسے دن گزر رہے تھے آپ کے چہرے پر پھیلے ہوئے نور میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ نماز کے اوقات میں حاضرین کی خاصی تعداد موجود ہوتی جو آپ کے چہرے کی ضیاء پاشیوں میں کھوئے رہتے تھے۔ انہیں خیال ستاتا رہتا تھا کہ نہ جانے اس کے بعد آپ کی زیارت نصیب ہوگی یا نہیں۔

پانچویں رجب المرجب ٦٣٣ ہجری طابق ١٢٣٧ عیسوی کو جب آپ عشا کی نماز سے فارغ ہوئے تو حاضرین سے بڑی محبت سے پیش آئے۔ ان سے ہاتھ ملایا اور پھر حجرہ خاص کی طرف تشریف لے گئے۔ جاتے جاتے اپنے خاص خدام کو فرمایا۔

"کوئی میرے کمرے میں نہ آئے۔"

اور پھر اندر سے حجرہ کا دروازہ بند کرلیا۔ خدام دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اندر سے ایسی آواز سنائی دینے لگی جیسے کوئی عالم وجد میں پاؤں کو زمین پر پٹکتا ہے۔ عجب روح پرور آواز تھی کہ باہر کھڑے سننے والے بھی مسحور ہو گئے۔

رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی۔ حجرہ کے اندر سے مسلسل و پیہم آواز سنائی دے رہی تھی اور اس میں لحظہ بھر کے لئے بھی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی تھی۔ آخر شب اندر سے آواز آنا بند ہو گئی۔

محرمان راز سمجھے کہ نماز تہجد کے لئے حجرہ کے اندر خاموشی طاری ہوئی ہے اور وہ بھی بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہو گئے۔

اسی شب چند اولیاء کرام عالم رویا میں تاجدار عرب و عجم خلاصہ کائنات راحت انس و جان، رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ختم الرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کے منتظر ہیں۔ انہوں نے بصد ادب عرض کی۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کس کا انتظار فرما رہے ہیں۔"

ارشاد فرمایا۔

"معین الدین اللہ تبارک و تعالیٰ کا دوست ہے۔ آج آرہا ہے۔ ہم اس کی روح کے استقبال کے لئے آئے ہیں۔"

موذن نے صبح کی اذان دی۔ خوش الحانی نے عجیب کیفیت پیدا کردی تھی۔ چشم زدن میں مسجد کھچا کھچ بھر گئی۔ سب منتظر تھے کہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائیں تاکہ امامت کریں۔ لیکن خلاف معمول حجرہ مبارک کا دروازہ نہ کھلا۔ محرمان راز نے بڑی آہستگی سے دروازے پر دستک دی اور انتظار کرنے لگے۔ جب دروازہ نہ کھلا تو پھر انہوں نے دروازہ

پر دستک دی اور کہا۔

"یا شیخ! نماز کا وقت ہو گیا ہے۔"

اور انتظار کرنے لگے۔ لیکن اب بھی کوئی جواب نہ ملا۔ اب دروازے کو قدرے زور سے کھٹکھٹایا اور باآواز بلند گویا ہوئے۔

"یا خواجہ! باہر تشریف لائیں۔ نماز کا وقت ہو چکا ہے۔"

جواب میں پھر بھی خاموشی محیط رہی تو فیصلہ کیا گیا کہ دروازہ توڑ دیا جائے۔

دروازہ جب ٹوٹا تو حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ چٹائی پر قبلہ رو دراز تھے۔ چہرے سے نور برس رہا تھا۔ موت کا پل عبور کر کے دوست سے ملاقات کے لئے تشریف لے جا چکے تھے۔ اور جبیں مبارک پر بہ خط قدرت یہ الفاظ مرقوم تھے۔

ھذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ۔

یعنی وہ اللہ کا حبیب تھا اور اللہ کی محبت میں انتقال کیا۔

ہر شخص کے ہونٹوں پر اللہ اکبر۔ سبحان اللہ کے الفاظ تھے اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک رہے تھے۔ آپ کے وصال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح چار سو پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق اللہ کے دوست کے آخری دیدار کے لئے چل پڑے اور طلوع آفتاب تک بے شمار لوگ اکٹھے ہو گئے۔ چھ رجب المرجب اور سوموار کا دن ان کے دلوں پر نقش ہو گیا۔ جب نماز جنازہ تیار ہوئی تو حد نظر تک لوگ موجود تھی۔ آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ فخرالدین ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر آپ کو حجرہ خاص میں ہی سپرد خاک کر دیا گیا۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمتہ اللہ علیہ کو اجمیر شریف سے گئے بیس دن ہوئے تھے کہ ان کے مرشد حضرت خواجہ معین الدین

حسن سنجری چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ ایک دن وہ اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ اجمیر شریف سے ایک شخص حاضر خدمت ہوا۔ اسے بڑی توقیر سے بٹھایا کیونکہ وہ ان کے مرشد کے شہر سے آیا تھا۔

"یا خواجہ! حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کو چالیس روز ہوئے کہ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔"

اس نووارد نے کہا تو آنکھیں غم ناک ہو گئیں۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے سماعت فرمایا تو زباں سے نکلا۔

"اناللہ وانا الیہ راجعون"

انہیں یوں لگا جیسے وہ آج یتیم ہو گئے ہوں اور پھر اس شخص سے آخری لحات کی کیفیات دریافت کرنے لگے۔

رات کو بعد از نماز حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ مصلے پر ہی لیٹ گئے تو آنکھ لگ گئی۔ کیا دیکھا کہ حضرت مرشدنا خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ زمین عرش پر کھڑے ہیں۔ انہوں نے قدم بوس ہو کر کیفیت حال دریافت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

"اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص سے نوازا اور فرشتوں اور ساکنان عرش کے نزدیک جگہ عطا فرمائی۔ اب میں یہیں رہتا ہوں۔"

مزارات میں آباد اولیاء اللہ رحمہم اللہ علیہ سے باطنی طور پر اخذ فیض کیا جا سکتا ہے اور ان کے توسط سے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔ وہ لوگ جو کسی ولی اللہ کے مزار پر حاضری دیتے ہیں ان کے اصلاح احوال' مشکلات و مصائب میں دستگیری اور رشد و ہدایت کے چراغ کو روشن رکھنے کے لئے ظاہری طور پر بھی وہاں کوئی بزرگ

ہستی کا موجود ہونا ازبس ضروری ہے تاکہ مخلوق اللہ اس سے فیضاب ہو سکے۔

مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہونے والی شخصیت کے لئے لازم ہے کہ وہ آلائش دنیا سے پاک ہو۔ حرص و طمع سے دور کا بھی واسطہ نہ ہو۔ شب بیدار اور عابد و زاہد ہو۔ حسن سیرت و کردار سے آراستہ ہو اور شریعت و طریقت و معرفت کی راہوں سے آشنا ہو وگرنہ وہ سجادہ نشینی کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

حضرت خواجہ حسام الدین سوختہ رحمتہ اللہ علیہ جو حضرت خواجہ فخرالدین ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ کے ساجزادے تھے ان کے بیٹے حضرت خواجہ قیام الدین بابریال رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد اجمیر شریف میں ہی سکونت پذیر ہو گئی تھی۔ جبکہ ان کے بھائی حضرت خواجہ معین الدین خورد رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد مالوہ میں جا کر آباد ہو گئی تھی اور مرور زمانہ کے ہاتھوں ماضی کا حصہ بن گئی تھی۔ حضرت خواجہ قیام الدین بابریال رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد امجاد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آج تک حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر سجادہ نشین چلی آ رہی ہے۔

ان سجادہ نشینوں میں حضرت شیخ علاء الدین ہوں یا حضرت خواجہ حسین۔ حضرت شیخ معین الدین ہوں یا شیخ المشائخ بایزید رحمہم اللہ سب کے سب متقی' پرہیزگار اور مثالی سیرت و کردار کے مالک تھے۔ شاہ عالم بہادر شاہ ابن عالمگیر اورنگزیب رحمتہ اللہ علیہ کے عہد میں حضرت شیخ سراج الدین رحمتہ اللہ علیہ سجادہ نشین تھے جو حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی بشارت پر اس مسند پر جلوہ افروز ہوئے تھے۔ بڑے مرتاض بزرگ تھے۔ الغرض تاحال جو بھی حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر سجادہ نشین ہوا ہے وہ اس کا اہل تھا اور اس میں اولیاء کرام والی صفات پائی جاتی ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ پر جو مجاور سید فخر الدین بن سید ابوالحسن کی اولاد میں سے چلے آرہے ہیں۔ یہ بزرگ قصبہ گرہ کے رہائش پذیر تھے۔ جب ان پر حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی محبت کا غلبہ ہوا تو اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر اجمیر شریف میں سکونت اختیار کی۔ آستانہ عالیہ کی عظمت کے پیش نظر یہ مجاور حضرات اپنے کام کی خوب اہلیت رکھتے ہیں اور ہر شخص کے ساتھ نہایت اخلاق کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

جب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ واصل بحق ہوئے تھے تو آپ کا مزار سادہ اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ اور ایک عرصہ تک یہ عام قبور کی طرح رہا۔ اور پھر زمانے کی آنکھ نے دیکھا کہ اس کے احاطہ میں وسعت آنے لگی۔ مختلف عمارات زمین کے سینے پر جنم لینے لگیں اور مزار پاک کی آرائش نظروں کو خیرہ کرنے لگی۔

"آخر وہ کون لوگ تھے جن کی عقیدت و محبت اس انداز میں جلوہ گر ہوئی ہے۔"

ایک سوال ذہن میں ابھرا' اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے مجھے کتب کا سہارا لینا پڑا تو مختلف اوراق پر بکھری ہوئی حقیقتیں مختلف مناظر کی شکل میں میری نظروں کے سامنے گھوم گئیں۔

پہلے صفحہ پر میں نے دیکھا کہ سلطان مانڈو غیاث الدین بڑی محبت و عقیدت سے مزار اقدس پر عمارت تعمیر کرا رہا ہے اور حضرت خواجہ حسین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ سفید مرمریں گنبد اور عمارت کی تعمیر کر رہے ہیں۔ یہ صاحب فن تعمیر میں مہارت تامہ رکھنے کے علاوہ اجمیر کے بہت بڑے عالم بھی تھے۔ چند ہی دنوں میں عمارت تعمیر ہو گئی تو دیکھا کہ محمد عالم بنجارہ چلا آرہا ہے۔

جس نے سوا من سونے کا کلس چڑھا دیا۔ جب باہر کا کام پایہ تکمیل کو پہنچا تو پھر اندر کی جانب توجہ دی اور اندورنی حصے میں سنہری لاجوردی کا کام کیا گیا۔ اور مزار شریف کے تعویز میں یاقوت رمانی جڑایا۔ اب دور سے ہی خوبصورت گنبد لوگوں کو دعوت فکر و عمل دیتا تھا۔

"جو اللہ تعالیٰ کے کا ہو جاتا کائنات کی ہر چیز اس کی ہو جاتی ہے۔"

دوسرے صفحہ پر دیکھا کہ مسلمانوں کا عظیم فاتح سلطان محمود خلجی والئی مانڈو چلا آ رہا ہے۔ ادب سے اس نے حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر نظر ڈالی۔ اور پھر وہاں پر بہت بڑا بلند دروازہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ یہ دروازہ پچاسی فٹ بلند تھا اور زبان حال سے کہہ رہا تھا۔

"بلندی صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی راہ پر چلنے اور بزرگان دین کے قرب سے نصیب ہوتی ہے۔"

اور پھر اس نے روضہ کے بجانب شمال ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی۔ اس میں صندل گھسا جاتا ہے لہٰذا اس کو مسجد صندل خانہ کا نام دیا۔ مزار سے اترتے ہوئے پھول بھی اس میں ایک طرف رکھے جاتے ہیں لہٰذا اس کو مسجد پھول خانے سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

تیسرے صفحہ پر دیکھا کہ دور سے ایک شخص پا پیادہ چلا آ رہا ہے اور اس کے ساتھ اور بہت سے لوگ ہیں۔ جب وہ قریب آیا تو دیکھا وہ جلال الدین اکبر بادشاہ ہے اور اس کے عقب میں آنے والے اس کے مصاحب ہیں۔ وہ بادشاہ جس کا ڈنکا پورے ہندوستان میں بجتا تھا۔ فقیر بے نوا کی طرح ننگے پاؤں دربار پر حاضر ہوا بالکل ایسے جیسے شہنشاہ کے سامنے ادنیٰ ملازم کھڑا ہوتا ہے۔ اس نے دیکھا کہ زائرین کے لئے لنگر میں چیزیں تیار ہونے میں خاصا وقت لگ جاتا ہے تو اس نے فوراً حکم دیا کہ ایک بہت بڑی دیگ تیار کی جائے جس میں

بیک وقت سوا سو من چاول پک سکیں۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ نذر کر دی گئی۔ پھر اس نے روضہ مبارک اور بیگمی دالان کے مابین ایک صندل کا دروازہ بنوا کر نصب کرایا جو مشرقی دروازہ گلشن کہلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب جلال الدین اکبر کو بیٹا نورالدین جہانگیر عطا کیا تو اس کے چھ ماہ بعد وہ پھر آستانہ عالیہ پر حاضر ہوا۔ اور اکبری مسجد تعمیر کرائی۔ صحن چراغ میں ایک تہہ خانہ ہے جس سے زمین دوز راستہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے مزار تک جاتا ہے۔ اس صحن میں ہشت پہل چراغ دانوں کی چھتری بنی ہوئی ہے۔ اس کے لئے چراغ اکبر نے مہیا کیے۔ لنگر خانے کے دالان میں لوہے کا کڑھایا ہے جو اکبر نے بنوا کر دیا اور پھر چرخ نیلی فام نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ بادشاہ جلال الدین اکبر نے کھڑے ہو کر ایک گداگر کی حیثیت سے لنگر مانگا اور اس کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا۔ اور پھر یوں محسوس ہوا جیسے ٹوٹے پیالے کی کرچیاں واشگاف الفاظ میں کہہ رہی ہوں۔

"اولیاء اللہ ہی حقیقی معنوں میں بادشاہ ہیں جن کے روبرو دنیا کے شہنشاہوں کی کوئی قدر و وقعت نہیں اور یہ گلیم پوش جب چاہیں ایک سے چھین کر حکومت دوسرے کے حوالے کر دیں۔"

چوتھے صفحہ پر میں نے دیکھا کہ وہ بادشاہ جس کے عدل و انصاف کے چرچے دور و نزدیک تھے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ پر حاضر ہے۔ سر جھکائے کھڑا ہے۔ دائیں بائیں حفاظت کے لئے کوئی چوب دار نہیں لیکن یکسو اور مطمئن ہے۔ یہاں بادشاہ اور فقیر میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ در فیض سب کے لئے کھلا ہے۔ جہانگیر کافی دیر حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کے پائنتی کھڑا رہا۔ اس کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے ہوئے تھے۔ لب آہستہ آہستہ ہل رہے تھے اور سر قدرے جھکا ہوا تھا۔ وہ شاہانہ کروفر

کہاں چلا گیا تھا جو وہ تخت شاہی پر بیٹھ کر دکھاتا تھا۔ اس کا حال کہہ رہا تھا۔

"یا خواجہ! آپ کے مقابل میری کیا اوقات ہے۔ میں امیر ہو کر غریب ہوں اور آپ کے در کا غریب بادشاہ ہوں۔"

پانچویں صفحہ پر میں نے دیکھا کہ جب شاہجہان سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس کے فوراً بعد اس کی نظریں اجمیر شریف کی جانب اٹھیں اور پھر دنیا نے دیکھا کہ سنگ مرمر کی خوبصورت شاہجہانی مسجد تعمیر ہو رہی ہے۔ مسجد کے صحن میں وسیع حوض ہے۔ اس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ محراب دروازہ پر بہ خط جلی سنہری حروف میں کلمہ شریف لکھا ہوا ہے اسی لئے اس کو کلمہ دروازہ بھی کہتے ہیں۔ جھالرہ جھیل کے اردگرد چار دیواری بھی اس نے بنوائی۔ لوگ سوچتے ہیں۔

" آخر ان مزارات میں کیا مقناطیسیت ہے کہ شاہ و گدا کی نظریں انہیں کی جانب اٹھتی ہیں۔"

تو مزارات کے گنبدوں سے صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔

"یہ فنا فی اللہ ہونے کا ثمرہ ہے۔"

چھٹے صفحہ پر دیکھا کہ شہزادی جہاں آرا بنت شاہ جہان تشریف لائی ہیں۔ اور در خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ پر حاضری دی۔ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور گنبد مزار کے مشرقی دروازے کے سامنے ایک خوبصورت دالان بنوایا۔ جس کا نام بیگمی دالان رکھا۔ آخر وہ کیا چیز تھی جو شہزادی کو طویل سفر کے بعد یہاں کھینچ لائی۔ کہنے والے کہتے ہیں۔

" وہ چیز تسکین روح اور طمانیت قلب ہے۔ جو سوائے بزرگان دین کے اور کہیں دستیاب نہیں۔"

ساتویں صفحہ پر دیکھا کہ راجہ جے سنگھ والئی جے پور کھڑا ہے اور

نقرئی مجر کی مرمت کروا رہا ہے اور اس کا انہماک دیدنی ہے۔ آخر جے سنگھ کو کونسی چیز یہاں کھینچ لائی ہے تو اس کا جواب بھی از خود ذہن میں آگیا۔
" ولی اللہ نفرت کا نہیں محبت کا سبق دیتے ہیں اور محبت کی حدیں محدود نہیں ہیں۔"

آٹھویں صفحہ پر دیکھا کہ ۱۹۱۱ عیسوی میں انگلستان کی ملکہ میری نے حوض و دھمال خانہ کے لئے چھتری بنوائی۔ کہاں انگلستان اور کہاں اجمیر لیکن اس نے ایسا کیوں کیا۔ کیا اسے خبر تھی کہ ۱۲۳۵ء عیسوی میں اللہ کا کوئی ولی اجمیر کی سرزمین میں آسودہ خواب ہوا تھا۔ ہاں وہ جانتی تھی کیونکہ حق اور سچ دل کے دروازے پر کبھی نہ کبھی ضرور دستک دیتا ہے اور اس کے دل پر دستک ہوئی تھی۔

میں کتاب کی ورق گردانی کرتا گیا اور مجھے کئی معروف اور غیر معروف نام ملے جنہوں نے حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ سے محبت و عقیدت یا سلسلہ میں منسلک ہونے کی بنا پر آستانہ عالیہ چشتیہ کی توسیع و تعمیر میں اپنا اپنا حصہ ڈالا تھا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وصال کے بعد اولیاء اللہ کی فیض رسائی میں ستر گناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری المعروف حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے در فیض کا بھی یہی عالم ہے۔

فیض کی انگنت صورتیں ہیں۔ اگر کوئی شکم سیری کی نیت سے وہاں جاتا ہے تو اسے پیٹ بھر کر کھانا میسر آجاتا ہے کیونکہ وہاں صبح و شام لنگر جاری رہتا ہے اور اس قدر وافر مقدار میں ہوتا ہے کہ شہر کے سارے مساکین غربا و فقیر کھاتے ہیں اور کھانا پھر بھی بچا رہتا ہے۔

اگر کوئی اطمینان و سکون کی غرض سے حاضر ہوتا ہے تو اسے اس دولت سے مالامال کر دیا جاتا ہے کیونکہ اولیاء اللہ کے مزارات پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا مسلسل نزول ہوتا رہتا ہے۔ طمانیت و سکون کی خنک ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔ اور رونق جلوہ گر ہوتی ہیں۔

جب رجب المرجب کا چاند چڑھتا ہے تو ذہنوں میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کا خیال رس بس جاتا ہے۔ آپ کی یادیں بسیرا ڈال لیتی ہیں۔ اور پھر لوگ انفرادی و اجتماعی صورت میں سوئے اجمیر شریف چل پڑتے ہیں۔ عرس کے اختتام تک وہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے قرب میں رہتے ہیں اور یہ قرب صد سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔ جس کا ذکر حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی میں کیا تھا۔ عرس کے اجتماع میں عقیدت مند' معتقدین سلسلہ عالیہ چشتیہ سے منسلک افراد اور اولیاء اللہ سب شامل ہوتے ہیں۔ کہیں حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی سیرت و اخلاق کا ذکر ہو رہا ہوتا ہے۔ کہیں آپ کی ریاضت و عبادت و مجاہدہ کی بات ہوتی ہے۔ کہیں آپ کی تبلیغ اسلام کا تذکرہ ہوتا ہے کہیں کفار کی ریشہ دوانیوں کے سامنے آپ کے ڈٹ جانے پر گفتگو ہو رہی ہوتی۔ کہیں ذکر کی محفلیں جمی ہوتی ہیں اور کہیں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سلام پڑھا جا رہا ہوتا ہے۔ اور کہیں چاند رات میں سماع کا رنگ جما ہوتا ہے۔ ان سرگرمیوں سے رجوع الی اللہ میں مدد ملتی ہے اور رخ میں مثبت تبدیلی رونما ہونے لگتی ہے۔

روح کی بالیدگی' معرفت الٰہیہ میں عروج اور قلب و ذہن سے کثافتوں کو دور کرنے کے لئے لوگ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر چلہ کاٹنے لگتے ہیں اور فیضیاب ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید خاص اور خلیفہ تھے۔ وہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی فیض یافتہ تھے۔ صندلی مسجد کی پشت پر ایک زینہ جس سے حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کے خام مزار کی طرف راستہ جاتا ہے۔ اندر سے مزار کا دروازہ تیغہ کر دیا گیا ہے۔ عالم تصور میں میں نے دیکھا کہ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اس دروازے پر معتکف ہیں اور چلہ کاٹ رہے ہیں۔ عرفہ کی رات تھی۔ حضرت خواجہ گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے روضہ کے قریب نماز ادا کی اور وہیں بیٹھ کر تلاوت قرآن پاک میں مصروف ہو گئے۔

رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ تلاوت کے دوران سہواً ایک حرف ترک ہو گیا۔ اسی اثنا میں انہوں نے ایک آواز سنی۔

"بابا فرید! یہ حرف چھوڑ گئے ہو اسے پڑھو۔"

چنانچہ انہوں نے دوبارا قرآن پاک پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد انہیں دوبارا اپنے دادا پیر حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی آواز سنائی دی۔

"قرآن پاک عمدہ پڑھتے ہو۔"

جب حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ تلاوت قرآن پاک فرما چکے تو حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کے پائنتی رو کر مناجات کی۔

"مجھے نہیں معلوم میں کس گروہ میں سے ہوں۔"

بار بار یہی الفاظ دہراتے تھے کہ مزار کے اندر سے آواز سنائی دی۔

"جو شخص یہ نماز ادا کرتا ہے وہ بخشے ہوئے لوگوں میں سے ہے۔"

اور پھر بہت سے روحانی انعامات سے انہیں نوازا۔

حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی صابری عباسی العلوی رحمتہ اللہ علیہ کا تعلق سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ سے تھا۔ ان کی ولادت حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے وصال سے تین سو بہتر سال بعد ۱۰۰۵ ہجری میں رسول پور عرف دہنتی (لکھنؤ) میں ہوئی۔ معروف کتاب مراۃ الاسرار کی تالیف انہوں نے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے باطنی اشارہ پر ۱۰۴۵ ہجری میں شروع کی جو تقریباً بیس سالوں میں اختتام پذیر ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے کمال ذرہ نوازی سے عالم باطن میں میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیا اور بڑی عنایت و شفقت سے ارشاد فرمایا۔

"اگرچہ تم ہمارے سلسلہ میں حضرت شیخ حمید قدس سرہ کے مرید اور خلیفہ مجاز ہو پھر بھی تمہیں بلاواسطہ اپنا مرید کرتا ہوں۔"

یہ سنا تو ان کی بشاشت و انبساط کی انتہا نہ رہی۔ اسی لمحے ان کے دل میں ایک خیال ہوا کے جھونکے کی طرح گزرا۔

"جب حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کو شرف بیعت سے نوازا تھا تو وہ انہیں مکہ مکرمہ لے گئے تھے اور کعبہ سے آواز آئی تھی۔

"میں نے معین الدین کو قبول کیا۔"

یہ خیال دل میں سرسرانے کی دیر تھی کہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کی روحانیت نے ان پر تصرف کیا اور انہوں نے خود کو حرم کعبہ میں پایا اور خانہ کعبہ کی زیارت سے آنکھوں کو طراوت نصیب ہوئی۔ اور پھر انہوں نے ایک باوقار مرد کو آب زمزم کے قریب کھڑے دیکھا جو ان کی طرف متوجہ ہو کر کہہ رہا ہے۔

"میں نے تجھے بھی قبول کیا۔"

یہ دیکھ کہ وہ سجدہ شکر بجالائے۔

: حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا فیض جاری و ساری ہے اور میں عالم تصور میں آپ کی حیات مقدسہ کا مشاہدہ کرتے ہوئے آج آپ کے مزار اقدس پر عقیدت و محبت کے پھولوں کی چادر چڑھا کر قدموں کی جانب خاموش کھڑا ہوں۔ یہ وہ آستانہ ہے جہاں مانگے بھی ملتا ہے اور بن مانگے بھی ملتا ہے۔ منتظر ہوں کہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ اس بے نوا کو کیا عطا فرماتے ہیں۔

کتابیات

۱- معین الہند
۲- سیرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ
۳- ماہ اجمیر
۴- خزینۃ الاصفیاء
۵- مراۃ الاسرار
۶- تذکرہ اولیائے کرام
۷- تاریخ مشائخ چشت
۸- سیر العارفین
۹- سیر الاولیاء
۱۰- انیس الارواح
۱۱- دلیل العارفین
۱۲- فوائد السالکین
۳- اخبار الاخیار
۱۴- پنج پیر
۱۵- اقتباس الانوار
۱۶- نفحات الانس
۱۷- گنج اسرار
۱۸- تحفتہ الراغبین
۱۹- زبدۃ الحقائق
۲۰- تاریخ یافعی
۲۱- کتاب تکملہ
۲۲- آداب المریدین
۲۳- کنز الطالبین
۲۴- عمدۃ السلوک
۲۵- فتاوٰی ابو اللیث سمرقندی
۲۶- تنبیہ الغافلین
۲۷- آثار اولیاء
۲۸- مشارق الانوار
۲۹- حدیقتہ المحدثین
۳۰- سیر الاقطاب
۳۱- فقہ الاکبر
۳۲- فتاوٰی ظہیریہ
۳۳- صلوٰۃ مسعودی
۳۴- روضہ واسعتہ
۳۵- ہدایہ
۳۶- تفسیر محبوب قریش
۳۷- ریاحین
۳۸- معرفتہ المریدین

۳۹۔ اسرار العارفین
۴۰۔ بزرگ
۴۱۔ احسن الیسر
۴۲۔ کلمات الصادقین
۴۳۔ طبقات ناصری
۴۴۔ تاریخ فرشتہ (جلد اول)
۴۵۔ آتش کدہ آزر
۴۶۔ اخص الخواص
۴۷۔ اسرار الواصلین
۴۸۔ مسالک السالکین
۴۹۔ وقائع شاہ معین الدین چشتی
۵۰۔ جامع الکلم
۵۱۔ گلزار ابرار
۵۲۔ معین الاولیاء
۵۳۔ افادات حمید
۵۴۔ تزک جہانگیری
۵۵۔ دیوان معین کاشانی

قرآن کتاب ہدایت ہے۔
مکمل ضابطہ حیات ہے۔
قرآن ہماری دنیوی اور اخروی کامیابی کا ضامن ہے۔
قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

پیر محمد کرم شاہ صاحب ازہری کی معرکہ آرا تفسیر

خوبصورت ترجمہ ۔ بہترین تفسیر

ضیاء القرآن

فہم قرآن کا بہترین ذریعہ ہے

ترجمہ: جس کے ہر لفظ سے اعجاز قرآن کا حسن نظر آتا ہے
تفسیر: اہل دل کے لیے درد و سوز کا ارمغان

ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

خوشخبری

مشہور و معروف محدث و مفسر حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی" کا عظیم شاہکار

تفسیر مظہری

جس کا جدید اور مکمل اردو ترجمہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف نے اپنے نامور فضلاء سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔

مشہور و معروف محدث و مفسر حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ کا عظیم شاہکار

تفسیر ابن کثیر

جس کا جدید اور مکمل اردو ترجمہ ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف نے اپنے نامور فضلاء علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری، علامہ محمد الطاف حسین الازہری سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔

ان شاء اللہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جلد اس علمی کارنامے کو منصۂ شہود پر لانے کا شرف حاصل کرے گا۔

صاحبانِ ذوق ومحبت اور اربابِ فکر ونظر

مژدۂ جانفزا

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر

حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے

بہار آفریں قلم سے نکلا ہوا لازوال شاہکار

درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے معمور تصنیف؛

ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مکمل سیٹ سات جلدیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور، کراچی۔ پاکستان

محترم نواز رومانی کا عشق و محبت میں ڈوبا ہوا شاہکار

عشق رسول کریم ﷺ

ایک ایسی کتاب جس کی لذت اور مہک

آپ کو ہمیشہ تڑپائے گی

اس کتاب کے پڑھنے، پڑھانے

سننے اور سنانے سے ہی شافی دو جہاں ﷺ

سے عشق ہو جائے گا

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان